

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

مظہر معانی
دیوان مجروح

میر سیدی حسین مجروح

مرتبہ
ریاض احمد

مجلس ترقی ادب ۵ لاہور

بہترین صنایع مبین مکان و فضل خلاقیت زمین زمان

۱۳۳

اُردو کا کلاسیک ادب
مظہر معانی
دیوان مجروح

ریاض احمد

۱۳۳

مجلس ترقی ادب ۲، نونگر داس گاندھی لاہور
کتاب روڈ

مظہر معانی
دیوان مجروح
جملہ حقوق محفوظ
طبع اول : جون ۱۹۷۸ ع
تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور
طابع : مشتاق احمد چودھری
مطبع : سوہرا آرٹ پریس ، سرکار روڈ ، لاہور
سرورق وغیرہ : مطبع عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور
قیمت : ۲۷ روپے

فہرست

- مقدمہ : از سرشب - - - - - ۲۴
- بسم اللہ (تمہید) - - - - - ۱
- صحبہ تالیف - - - - - ۷
- ۱- نعت : تعالیٰ اللہ ہوا قربِ خدا بھی اور اس حد کا - ۱۱
- ۲- مثنوی ”گلِ مدبرک“ در مناقبِ حضرت حسینؑ : - ۱۲
- لو موسمِ گل ہوا جہاں گیر - - - - - ۱۵
- ۳- قصیدہ در مدحِ امام سہدیؑ : - ۱۵
- خاک ہوں گو جگر و دل مگر اے ضبطِ فنان - ۲۵
- ۴- در مناقبِ حضرت موصوف الذکر : - ۲۵
- گل کیسہل رہے ہیں ، باغ میں جوشِ بہار ہے - ۳۱
- ۵- در مناقبِ ممدوح الصدر : - ۳۱
- باد گلُ بو و عطریار ہے آج - - - - - ۳۶
- ۶- در مناقبِ حضرت ممدوح : - ۳۶
- اپنا جوہر یہ کیا بادی بہاری نے عیاں - - - - - ۴۰
- ۷- قصیدہ در مدحِ مہاراجہ ریاست الور : - ۴۰
- یہ تو یہ لب یہ کیا آنے کے دن ہیں ! - - - - - ۴۶
- ۸- ایضاً در مدحِ مہاراجہ ممدوح الصدر : - ۴۶
- کچھ نئے رنگ سے اس فصل میں ہے جوشِ بہار - ۴۶

۴۔ قصیدہ در مدح جناب نواب رام پور :

بہار آئی ، ہوا عالم معطر - - - - - ۵۴

غزلیات

ردیف الف

نمبر شمار	مصرع اول	مصرع دوم
۱۔	فانح کارِ جہاں ، نغم ہے ہزداں لیرا	- - - ۵۹
۲۔	ثنا و حمدِ ایزد ہو رقم کیا	- - - ۶۰
۳۔	اللہ رے نور روئے نبلی نقاب کا	- - - ۶۲
۴۔	ہمسر جہاں میں کب ہے رسولِ کریمؐ کا	- - - ۶۴
۵۔	وصف کیا ہو بیانِ محمدؐ کا	- - - ۶۵
۶۔	ہے فلک آستانِ محمدؐ کا	- - - ۶۶
۷۔	یاں کیوں نہ سائبان ہو نورِ اللہ کا	- - - ۶۸
۸۔	لیا جب نام ہمنامِ خدا کا	- - - ۶۹
۹۔	یہ دل شائق ہے اس کے روئے روشن کی زیارت کا	- - - ۷۱
۱۰۔	کوئی آہاں کیا سوا ہو گیا	- - - ۷۲
۱۱۔	وہ سرے ہنس کر آئے بھی تو پھر کیا ہو کا ؟	- - - ۷۳
۱۲۔	نہ وہ نالوں کی شورش ہے ، نہ غل ہے آہ و زاری کا	- - - ۷۶
۱۳۔	موسیقیؑ نہ غش میں آئیو ، اک بار دیکھنا	- - - ۷۷
۱۴۔	بے عدو وعدہ قتل کا نہ ہوا	- - - ۷۸
۱۵۔	آنا ترا یہاں نہ مروت سے دور تھا	- - - ۸۰

- ۱۶- چتر یہ ہے کہ اس کا نہ انداز دیکھنا - - - - ۸۲
- ۱۷- لیروں کو بھلا سمجھئے ، اور مجھ کو بُرا جانا - ۸۳
- ۱۸- ہجر میں طرفہ ماجرا دیکھا - - - - ۸۴
- ۱۹- گو ہر اک حال ہے واں ہم سے چھپایا جاتا - ۸۵
- ۲۰- عدو ہر ہے یہ لطفِ دمِ بدم کیا ؟ - - - ۸۷
- ۲۱- گل نشے میں تھا وہ بت ، مسجد میں گر آ جاتا - ۸۸
- ۲۲- تصورِ رخِ جاناں میں شب یہ حال ہوا - - ۸۹
- ۲۳- چھپانا ان سے دل کو ، فائدہ کیا ؟ - - - ۹۰

ردیف ب

- ۲۴- اس سے نہہنے کے کچھ نہیں اسباب - - - ۹۲
- ۲۵- مانگیں نہ ہم بہشت ، نہ ہو واں اگر شراب - - ۹۳
- ۲۶- حرفِ رخصت لبِ شیریں پہ نہ لانا صاحب - - ۹۵

ردیف پ

- ۲۷- لڑ کے اعتبار سے جدا ہیں آپ - - - - ۹۶

ردیف ت

- ۲۸- جدہؑ عطرِ رحمانِ رسالت - - - - ۹۷
- ۲۹- ابھی موجود ہے دارِ رحمت - - - - ۹۹
- ۳۰- ایذا ہی دردِ ہجر سے ہائی محامِ رات - - - ۱۰۰
- ۳۱- غیر سے ملے نہ صاحبِ سحر و شام بہت - - - ۱۰۱
- ۳۲- اپنی ہستی ہے خواب کی صورت - - - - ۱۰۲

- ۳۳۔ یہ ہم رکھنے لکھے نقاب بہت - - - - ۱۰۳
 ۳۴۔ ہے یہ جانِ نزار کی صورت - - - - ۱۰۵
 ۳۵۔ نہیں اچھی الگ جانے کی عادت - - - - ۱۰۶

ردیف ٹ

- ۳۶۔ دل کو میرے آڑا لیا جھٹ پٹ - - - - ۱۰۷

ردیف ث

- ۳۷۔ نکرِ تعمیرِ سقف و خانہ عبث - - - - ۱۰۹

ردیف ج

- ۳۸۔ شبِ مہِ روشنی فشاں ہے آج - - - - ۱۱۰
 ۳۹۔ جوشِ پر ابرِ لوہار ہے آج - - - - ۱۱۲

ردیف چ

- ۴۰۔ بس ہے اک چشمِ غضب ، قتل کو تلوار نہ کھینچ ۱۱۳

ردیف ح

- ۴۱۔ خوب دیکھی ہے اس جہاں کی طرح - - - - ۱۱۵

ردیف خ

- ۴۲۔ گو آپ کے بھی ہاتھ کا ہے رنگِ حنا سرخ - - - - ۱۱۶

ردیف د

- ۴۳۔ شبِ معراج میں تشریف جو لائے احمدؑ - - - - ۱۱۷

- ۴۴۔ نہ لیں شاہی غلامانِ پید۴ - - - - ۱۱۸
 ۴۵۔ ہے اب تو سامنے آنکھوں کے ہر زماں صیاد - - ۱۲۰
 ۴۶۔ دل نہ کس طرح سے کرے فریاد - - - ۱۲۲

ودیف ڈ

- ۴۷۔ بے دیے ہوسہ نہیں آپ کا دشنام لذیذ - - - ۱۲۴

ودیف و

- ۴۸۔ صلوات آس سرور۴ والا کٹھ پر - - - ۱۲۵
 ۴۹۔ ان کے ہڑتے میں مجھ پہ بے نصیر - - - ۱۲۶
 ۵۰۔ توجہ کیا ہو مجھ گوشہ نشین پر - - - ۱۲۸
 ۵۱۔ اس کے ہیں جھانکنے کے یہ آثار - - - ۱۳۰
 ۵۲۔ دشمنِ جان ہوئے ہیں وہ مری جان ہو کر - - ۱۳۱
 ۵۳۔ دل بے صبر میں ہے غم کا گزار - - - ۱۳۳

ودیف ڈ

- ۵۴۔ ایک سے ربط ، ایک سے ہے بکاڑ - - - ۱۳۵

ودیف ز

- ۵۵۔ حرفِ تم اپنی نزاکت پہ نہ لانا ہرگز - - - ۱۳۶
 ۵۶۔ کون پردے میں ہے یہ زمزمہ ساز - - - ۱۳۷

ودیف س

- ۵۷۔ یوں ہی گزرا چار کا ۱۰ برس - - - - ۱۳۹

ردیف ش

۵۸- کس کی بو تھی نسیم کے ہم دوش - - - ۱۳۲

ردیف ص

۵۹- اس کا غیروں سے اب بڑھا اخلاص - - - ۱۳۳

ردیف ض

۶۰- جو کہ میخانے میں آئے کچھ نہ کچھ وہ پائے لبس ۱۳۵

ردیف ط

۶۱- لختِ دل کو ہے سرے چشمِ گنہگار سے ربط - ۱۳۶

ردیف ظ

۶۲- اس سے مل کر کبھی نہ پایا حظ - - - ۱۳۷

ردیف ع

۶۳- اس شعلہ رو کے سامنے کس طرح جائے شمع ؟ - ۱۳۸

ردیف غ

۶۴- سچ ہے دل کش تو ہے تفریحِ باغ - - - ۱۳۹

ردیف ف

۶۵- نہ تو مے میں ہے ، نہ وہ ساغرِ سرشار میں لطف - ۱۵۱

ردیف ی

- ۶۶- شیخ تم جانتے ہو کیا ہے عشق ؟ - - - ۱۵۲

ردیف ک

- ۶۷- کلمہ کیوں غیر کا آیا زباں تک ؟ - - - ۱۵۳
 ۶۸- ہم کو وحشت نے کور دیا بے باک - - - ۱۵۵
 ۶۹- پہنچ کیونکر ہو اپنی اس کے گھر تک - - - ۱۵۶

ردیف ل

- ۷۰- نہیں رازِ ہستی جتانے کے ناہل - - - ۱۵۷
 ۷۱- ذرا بہلائیے آ کر یہاں دل - - - ۱۵۸
 ۷۲- مدت ہوئی کہنے میں اب اپنے ہے کہاں دل - ۱۵۹

ردیف م

- ۷۳- یا علیؑ نائبِ خدا ہو تم - - - ۱۶۱
 ۷۴- اثرِ آہ کا گر دکھائیں گے ہم - - - ۱۶۲
 ۷۵- میرے دل میں تو ہر زمان ہو تم - - - ۱۶۳

ردیف ن

- ۷۶- لوگ حضرتؐ کو رسولِ دوسرا کہتے ہیں - ۱۶۶
 ۷۷- بھٹھو ادب سے ، ہرزہ سرا ہو یہاں نہیں - ۱۶۷
 ۷۸- اسیرِ ریخ میں ، یا شاہِ ذوالفقار ، ہوں میں - ۱۶۹
 ۷۹- نہ وہ برق میں ہے ، نہ سیلاب میں - - - ۱۷۰

- ۸۰۔ ہے ہم شبیہ شکل ، مگر دیدہ ور کہاں - - - ۱۷۲
- ۸۱۔ آہ دل سوز نہیں ، نالہ شرر بار نہیں - - - ۱۷۳
- ۸۲۔ بیکار اس نگاہ کا کر نیشتر نہیں - - - ۱۷۵
- ۸۳۔ خیالِ روئے آتش ناک ہے اس دیدہ تر میں - - - ۱۷۶
- ۸۴۔ یہ بے چینیاں سر اٹھائے ہوئے ہیں - - - ۱۷۸
- ۸۵۔ کیا کہوں آتیں جو چاہ میں ہیں - - - ۱۸۰
- ۸۶۔ کیا زلیخا ہو خوش گلستان میں - - - ۱۸۱
- ۸۷۔ سدا عروج یہ باقندِ حسنِ یار ہوں میں - - - ۱۸۳
- ۸۸۔ ہم تو جلتے ہیں ، خبر تک بھی ذرا واں تو نہیں ۱۸۵
- ۸۹۔ جس سے دن عیش میں گزریں وہ سرانجام نہیں - ۱۸۶
- ۹۰۔ ہر رنگ میں بخشش ہی کی پاتا ہوں ادا میں - ۱۸۸
- ۹۱۔ خانماں سوزِ ماسوا ہوں میں - - - ۱۸۹
- ۹۲۔ جوشِ وحشت میں مزا کچھ سر و سامان میں نہیں ۱۹۱
- ۹۳۔ گریبانِ چاک ہے کل بوستان میں - - - ۱۹۳
- ۹۴۔ میری بدخوشی کے پہلے ہیں - - - ۱۹۴
- ۹۵۔ کب وہ شوخی سے باز آئے ہیں - - - ۱۹۶
- ۹۶۔ بس کہ اک جنسِ رالیکاں ہوں میں - - - ۱۹۷
- ۹۷۔ میں آہ ہوں تو خونِ جگر میں طہید ہوں - ۱۹۹
- ۹۸۔ دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں - - - ۲۰۰
- ۹۹۔ آج لکلا جو آفتاب نہیں - - - ۲۰۲
- ۱۰۰۔ وہ گالیوں کی چھوڑ ، وہ طرار بن کہاں ؟ - ۲۰۳
- ۱۰۱۔ شغلِ آفت کو جو احباب برا کہتے ہیں - - ۲۰۵

- ۱۰۲- ہم جو برسوں میں کبھی آتے ہیں - - - ۲۰۶
- ۱۰۳- نہیں غیر کو ہیں ستارے کی باتیں - - - ۲۰۷
- ۱۰۴- کیا حصے میں آنا ہے جو کرنا ہوں گلا میں - ۲۰۸
- ۱۰۵- ہے ازبسکہ بہکائی یار میں - - - ۲۱۰
- ۱۰۶- کب شعلہ خیز نالہ آتش فشاں نہیں - - - ۲۱۱
- ۱۰۷- قص لکھیں گے ماہِ کامل میں - - - ۲۱۳
- ۱۰۸- لمے کے دل اور تم کو کام نہیں - - - ۲۱۴
- ۱۰۹- غضب میں ، قہر میں ، جور و جفا میں - - - ۲۱۶
- ۱۱۰- دلِ سوزاں میں کیا آئے ہوئے ہیں - - - ۲۱۷
- ۱۱۱- دل میں قوت ، جگر میں تاب کہاں - - - ۲۱۸
- ۱۱۲- جانا زہیں ضرور تھا اس جلوہ گاہ میں - - - ۲۱۹
- ۱۱۳- یہ جو چمکے سے آئے بیٹھے ہیں - - - ۲۲۱
- ۱۱۴- جگر پرشہ نہیں ، آہ شعلہ تاب نہیں - - - ۲۲۳
- ۱۱۵- اس سے رہتی جو چار آنکھیں ہیں - - - ۲۲۵
- ۱۱۶- مگر کام میرا ادا دیکھتے ہیں - - - ۲۲۷
- ۱۱۷- ان کی باتوں پہ نہ جاؤ کہ یہ کیا جانتے ہیں - ۲۲۹
- ۱۱۸- غبارِ خاطرِ دل دار ہوں میں - - - ۲۳۰
- ۱۱۹- خرابیِ خواہ وہ ہیں ، شاد ہوں میں - - - ۲۳۲
- ۱۲۰- دکھ دے جاؤ ، یاقِ گریز نہیں - - - ۲۳۳
- ۱۲۱- کھٹکا رہا سحر کا شبِ وصلِ یار میں - - - ۲۳۴

ردیف و

- ۱۲۲- چہہ سائی درِ عرضِ معلیٰ دیکھو - - - ۲۳۵
- ۱۲۳- نوایدِ امن ہے اہلِ جہاں کو - - - ۲۳۷
- ۱۲۴- کس سے تسکینِ دلِ ناشاد ہو - - - ۲۳۹
- ۱۲۵- اگر ہے بر سرِ مہرِ آسماں ، ہو - - - ۲۴۱
- ۱۲۶- سانس بھی لیں نہ ، جس کا یہ ڈر ہو - - - ۲۴۲
- ۱۲۷- دلِ درد آشنا دیا ہم کو - - - ۲۴۳
- ۱۲۸- کامِ واں کیا حصولِ اپنا ہو - - - ۲۴۵
- ۱۲۹- اس کے جو جو کہ نواید ہیں خود دیکھتے جاؤ ۲۴۶
- ۱۳۰- تم یہ کیسے بلند ہمت ہو - - - ۲۴۸
- ۱۳۱- نہیں ممکن کہ وصلِ جاناں ہو - - - ۲۵۰
- ۱۳۲- سمجھا ہے وہ اپنا سا رخِ رشکِ قمر کو - - - ۲۵۱

ردیف •

- ۱۳۳- خاتمِ النبیا رسولؐ اللہ - - - ۲۵۳
- ۱۳۴- سایہ ہو کس طرح لبِ معجزانہ کے ساتھ - - - ۲۵۴
- ۱۳۵- غصوں کے زورِ جانِ زار سے بوجھ - - - ۲۵۶
- ۱۳۶- چھب کے میں نے نہ پھر دکھایا منہ - - - ۲۵۷

ردیف ی

- ۱۳۷- شبِ معراجِ شاہِ الس و جاں ہے - - - ۲۵۸

- ۱۳۸- بشر کا کس کو حضرتؐ پر کہاں ہے - - - ۲۶۰
- ۱۳۹- یہ روزِ مولدِ سلطانِ دیں ہے - - - ۲۶۴
- ۱۴۰- کیا کہوں میں کہ کیا مجدؐ ہے - - - ۲۶۵
- ۱۴۱- مجدؐ نورِ ذاتِ کبریا ہے - - - ۲۶۶
- ۱۴۲- درِ خیرالوراء بہ جا جلدی - - - ۲۶۷
- ۱۴۳- جس نے اسے خیرالوراء دیکھا تجھے - - - ۲۶۸
- ۱۴۴- آقا علیؑ ، مطاع علیؑ ، مقتداء علیؑ - - - ۲۷۰
- ۱۴۵- گوہرِ قاجر اکتا ہے علیؑ - - - ۲۷۱
- ۱۴۶- کجف میں رہے ، کربلا میں رہے - - - ۲۷۳
- ۱۴۷- کیا حالِ دل اس شوخِ ستم گر ہے کہا جائے - ۲۷۴
- ۱۴۸- خوشی سے کب یہاں آنے کی جا ہے - - - ۲۷۵
- ۱۴۹- مزہ ہم کو ملتا ہے تکرار سے - - - ۲۷۶
- ۱۵۰- نیچی نظروں کے وار آنے لگے - - - ۲۷۸
- ۱۵۱- ذبح کر ڈالا مجھے رفتار سے - - - ۲۷۹
- ۱۵۲- بھول جھڑتے ہیں زمیں گفتار سے - - - ۲۸۰
- ۱۵۳- نہ کیوں تیرِ نظرِ کزریے جگر سے - - - ۲۸۱
- ۱۵۴- وہ کہاں جلوۂ جاں بخشِ بتانِ دہلی - - - ۲۸۳
- ۱۵۵- ان آنکھوں نے ایسا جھکایا مجھے - - - ۲۸۴
- ۱۵۶- دردِ ہجران مگر فزوں تر ہے - - - ۲۸۵
- ۱۵۷- کمر کے وصف میں قاسمِ زباں ہے - - - ۲۸۷

- ۱۵۸- جس کے دوزخ بھی خوشہ چیں میں ہے - - - ۲۸۹
- ۱۵۹- لاکھ غم میں ہے ، سو بھن میں ہے - - - ۲۹۰
- ۱۶۰- ہم اپنا جو نصیب سنانے لگے - - - ۲۹۱
- ۱۶۱- قتل کرنا ہے تو کر ، خوف کسی کا کیا ہے - ۲۹۲
- ۱۶۲- وہ یہاں آئے ہیں کس انداز سے - - - ۲۹۳
- ۱۶۳- کہہ تو دے جا کر کوئی فریاد سے - - - ۲۹۵
- ۱۶۴- یہ جو اب لطفِ ربانی اور ہے - - - ۲۹۶
- ۱۶۵- کتنی ہے ہوں رہِ الفت میری - - - ۲۹۷
- ۱۶۶- کہے الفت سے دیکھا ، گاہ کہیں سے - - - ۲۹۹
- ۱۶۷- رہے گی نہ بے الفت آئے ہوئے - - - ۳۰۰
- ۱۶۸- سدا میرے درے ہیں آزار کے - - - ۳۰۱
- ۱۶۹- دیکھ جلوے تمہارے قامت کے - - - ۳۰۳
- ۱۷۰- مشغول جو نہ فکرِ جاہ میں ہے - - - ۳۰۴
- ۱۷۱- بہت کچھ دھوم ہے روزِ جزا کی - - - ۳۰۵
- ۱۷۲- جفا عادت کہاں تھی آسمان کی - - - ۳۰۶
- ۱۷۳- کچھ ان بن ہو چلی ہے بالہاں سے - - - ۳۰۷
- ۱۷۴- غم سے جھٹ جانے کی حکمت ہی سہی - - - ۳۰۹
- ۱۷۵- کیوں منہ چھپا ہے ، کس لیے اتنا حجاب ہے ؟ - ۳۱۰
- ۱۷۶- آگے سے ذرا اس ستم آرا کے گزر جائے - - - ۳۱۱
- ۱۷۷- منہ چھپانے لکے حیا کر کے - - - ۳۱۲

- ۱۷۸- ابھی ہے صدمہ، ہجراں کی گفتگو باقی - - - ۳۱۳
- ۱۷۹- جس ناقص ہوں، نہ لاؤ سرِ بازار مجھے - - - ۳۱۵
- ۱۸۰- پھر تو معدوم زمانے ہی سے مرنا ہو جائے - - - ۳۱۶
- ۱۸۱- جھپٹتے کاوشِ مژگانِ ستم گزر رہے - - - ۳۱۸
- ۱۸۲- دل لگا اس عدو سے جانی سے - - - ۳۲۰
- ۱۸۳- ہوں خوشی کیوں نہ جان جانے سے - - - ۳۲۱
- ۱۸۴- جو کہ غیروں کو آشنا جانے - - - ۳۲۲
- ۱۸۵- جس کا رو ہے وجہ حیرانی مری - - - ۳۲۳
- ۱۸۶- دوا کچھ نہیں تیرے بیمار کی - - - ۳۲۵
- ۱۸۷- جز عرضِ حال گو کوئی چارہ نہیں مجھے - - - ۳۲۶
- ۱۸۸- وہ ہیں طالب تو ہو پھینا کیا ہے - - - ۳۲۸
- ۱۸۹- سر کو تن سے مرے جدا کیجئے - - - ۳۲۹
- ۱۹۰- اب ضعف سے نہ ہو جھ جو کچھ میرا حال ہے - - - ۳۳۰
- ۱۹۱- لقمہٴ ساز سنانا ہے جو دم ساز مجھے - - - ۳۳۲
- ۱۹۲- پاک آئے، غرقِ عصیاں ہو چلے - - - ۳۳۲
- ۱۹۳- مجھے اور غیر کو باہم لڑا کے - - - ۳۳۳
- ۱۹۴- لگی رہتی ہے بردم اس کے پا سے - - - ۳۳۵
- ۱۹۵- نہ کیا عرضِ شدہا مل کے - - - ۳۳۶
- ۱۹۶- واہ! کس درجہ کی جفا تو نے - - - ۳۳۸
- ۱۹۷- جس کو عورشید نے نہ کچھ کم کی - - - ۳۳۹

- ۱۹۸- ہاں کس کو خوشی رہتی ہے اعداء کی خبر کی - ۳۴۰
- ۱۹۹- لو صحبتِ اعداء نے کیا اور اثر بھی - - - ۳۴۲
- ۲۰۰- جان لی اس نے، ہاں دھرا کیا ہے ؟ - - - ۳۴۳
- ۲۰۱- عشق میرا بڑھائے جاتا ہے - - - ۳۴۵
- ۲۰۲- یہ شوخی سے اس کی نظر ہو گئی - - - ۳۴۶
- ۲۰۳- ترا چھوڑ کر جو کہ دو جائیں گے - - - ۳۴۸
- ۲۰۴- ہے نشان یا کھ بے نشان میں ہے - - - ۳۴۹
- ۲۰۵- پرزہ گردی میں ز بس وہ بتِ برجائی ہے - - - ۳۵۱
- ۲۰۶- غیر بدظن سے یہ نہاں ہی سہی - - - ۳۵۱
- ۲۰۷- حیاں شاہدِ مقصد کہیں دکھا ساقی - - - ۳۵۲

مخمسات

- ۱- خمسہ بر غزلِ قدسی رحمۃ اللہ :
- ۳۵۴- اے شمعِ کون و مکان، تو ہے وہ ذی شان لبیؑ
- ۲- خمسہ بر غزلِ میر تقی صاحب میر :
- ۳۵۶- شب و روز ہی وصل منظور ہے - - -
- ۳- خمسہ بر غزلِ میر منون صاحب :
- ۳۵۸- اس کے ہاتھوں تک رسائی ہو چکی - - -
- ۴- خمسہ بر غزلِ میرزا عبد اللہ خان صاحب غالب :
- ۳۶۰- کامِ فنوت سے کچھ روا نہ ہوا - - -

- ۵۔ خمسہ بر غزل میرزا اسد اللہ خان صاحب غالب :
 لا تقطوا نوید ہے ام الکتاب میں - - - ۳۶۲
- ۶۔ خمسہ بر غزل حکیم مومن خان صاحب :
 اس کی تو شوخیاں نہیں آئیں حساب میں - ۳۶۵

ترجیع بند

- ۱۔ در وفات میرزا اسد اللہ خان صاحب غالب مرحوم :
 کیوں نہ ویران ہو دیارِ سخن - - - ۳۷۰
- ۲۔ در مناقب حضرت علی مرتضیٰ علیہ التحیۃ والسلام :
 ہے قدیمی یہ ہر اک اہلِ پیر کا دشمن - - ۳۷۹

رباعیات

۳۸۳

قطعات

- ۱۔ عرضِ دعا علیہ بہ امامِ وقت :
 قدمِ راہبہ فرمائیے یا امام - - - ۳۹۱
- ۲۔ تاریخِ دیوانِ غالب :
 ز غم بسکہ آشفته سامانِ شدم - - - ۳۹۳
- ۳۔ قطعہ در مدح حکیم عبدالمجید خان صاحب :
 ہیں جو عبدالمجید خان صاحب - - - ۳۹۹
- ۴۔ قطعہ دیکر عطیہ خطاب از جانبِ ملکہ معظمہ قیصرۃ ہند :
 ہیں عبدِ مجید خانِ ذی شان - - - ۴۰۱

- ۵- تاریخ وفات میر اشرف علی صاحب :
- میر اشرف علی ، دہلی زاد - - - - ۳۰۲
- ۶- قطعہ* مسجدِ نزور علاقہ گوالیار :
- بشیر الدین احمد خان کہ دارند - - - - ۳۰۲
- ۷- تاریخ وفات فخرالدین خان صاحب :
- خان والا نژاد فخرالدین - - - - ۳۰۳
- ۸- تاریخ مسجد تعمیر کردہ جناب حکیم سلیم خان صاحب
المتخلص بہ خستہ جے پوری :
- خان ذی شان و حکیم جے بدل - - - - ۳۰۳
- ۹- قطعہ* تاریخ دیوان میرزا مضطر صاحب :
- مضطر عالی ہمس کا ہے عجب رنگیں کلام - ۳۰۵
- ۱۰- قطعہ* تاریخ دیوان جناب نواب احمد علی خان صاحب
بہادر :
- طبع نواب سخن سنج ، بہاؤں فطرت - - - - ۳۰۵
- ۱۱- قطعہ دوتہیت تولد فرزند ارجمند مہاراجہ سنگھ
صاحب بہادر والی الور :
- بہ دن بھی ہے عجب روزِ مبارک - - - - ۳۰۷
- ۱۲- تاریخ وفات جناب نواب ضیاء الدین خان صاحب
بہادر متخلص بہ نثر :
- شہرِ دہلی کو تفوق تھا انہی باتوں سے - ۳۱۰

- ۱۳- قطعہ " تاریخ انتقال سرزا غالب :
 کل حسرت و افسوس میں تمیں با دلِ محزون - ۳۱۱
 تاریخ تزویج حکیم محمد رشید خان صاحب خٹک حکیم
 غلام نبی خان صاحب :
 آن خانِ عالی منزلت ، عبدالرشید محترم - ۳۱۱
 ۱۵- قطعہ " تاریخ باغِ حافظ الملک جناب عبدالحمید
 خان صاحب :
 واہ کیا باغ ہے یہ باغ کہ جس میں شب و روز ۳۱۱
 ۱۶- قطعہ " تاریخ دیوانِ سید ظہیر الدین صاحب
 المتخلص بہ ظہیر دہلوی :
 سخن سنجِ پکتا ، جنابِ ظہیر - - - ۳۱۲
 ۱۷- قطعہ " تعریفِ قلم :
 نہیں کلک ، ہے بلبلِ خوش نما - - - ۳۱۲
 ۱۸- قطعہ " تاریخ دیوانِ میر اسراؤ میرزا صاحب
 المتخلص بہ انور ، برادرِ خورد سید ظہیر الدین
 صاحب ظہیر :
 شاعرِ آسان خیال انور - - - ۳۱۳
 ۱۹- قطعہ " تاریخِ وفات نواب محمد علی خان صاحب
 مرحوم ، رئیسِ جہانگیر آباد :
 رہے امیرِ محمد علی بہ خان مشہور - - - ۳۱۵

۲۔ تاریخ بنائے مکان عالی جناب حکیم غلام رضا خان صاحب :

غلام رضا خان ، ارسطو سے عہد - - - - - ۳۱۶

تقاریض

- ۱۔ تقریض از زمزمہ سنجی بلبل گلستانِ معانی ، گل سرسبز سخن دانی ، عالی جناب ، نواب معالی القاب سید خاقان حسین خان صاحب عارف دہلوی - - - - - ۳۱۷
- ۲۔ تقریض ریختہ کلک گوہر سلک نواب اکبر میرزا صاحب متخلص بہ سید ، خلف نواب معین الدولہ ، سید حسین میرزا صاحب ، شاگرد مولانا مجروح و حضرت حالی - - - - - ۳۲۰

قطععات تاریخ طبع دیوان مجروح

- ۱۔ قطعہ " تاریخ از نتیجہ " طبع عالی جناب فیض احمد صاحب اصغر جہنجهالوی تلمیذ جناب امیر مینا : تعالیٰ اللہ ! عجب لکھا ہے دیوان - - - - - ۳۲۳
- ۲۔ قطعہ " تاریخ طبع دیوان مجروح ، از تصنیف حالی صاحب : مجروح آنکہ نام سلف زلہ شد ازو - - - - - ۳۲۴
- ۳۔ قطعہ " تاریخ از زمزمہ سنجی بلبل ہندوستان ، مقرب الخاقان ، استاد السلطان ، نواب فصیح الملک

بہادر حضرت داغ دہلوی :

- ۴۲۶ - میرے دیوان کی تاریخ کہو ، پھر دیکھو -
- ۴ - قطعہ " تاریخِ رختہ " کلک گوہر سلک نواب اکبر
میرزا صاحب متخلص بہ سید خلف نواب معین
الدولہ سید حسین میرزا ، شاگرد مولانا مجروح و
حضرت حالی مدظلہم العالی :
- ۴۲۶ - - - چوں رفت از جہاں غالبِ لکنہ ور -
- ۵ - ایضاً :
- ۴۲۸ - - - - - زہے دیوانِ مجنوں خمیزِ مجروح -
- ۶ - ایضاً :
- ۴۲۸ - - - - - جو از ہر سالی شدم غرقِ فکر -
- ۷ - ایضاً :
- ۴۲۸ - - - - - جو دیوانِ مجروح گردید طبع -
- ۸ - ایضاً :
- ۴۲۸ - - - - - وہ کلامِ میر سہدی ہے جو غزنِ معانی -
- ۹ - قطعہ " تاریخ از منشی اودھم سنگھ صاحب سردار
اسرت سری ، شاگرد حضرت جلال لکھنوی :
- ۴۲۹ - - - - - حضرت مجروح کا دیوانِ اول چھپ گیا -
- ۱۰ - قطعہ " تاریخ از نتیجہ " طبعِ عالی داروغہ سرفراز حسین
صاحب رئیس دہلی :
- ۴۲۹ - - - - - مطبوع ہوا کلامِ مجروح -

- ۱- قطعہ 'تاریخ از نتیجہ' طبع عالی ، طوطی شکرستان
 خوش منالی ، ہمارے ملک شہریاری ، جناب سید
 ظہیر الدین صاحب ظہیر دہلوی :
- ۳۲- ہوا میر صاحب کا جب طبع دیوان - - -
- ۱۲- قطعہ 'تاریخ از نتیجہ' فکر جناب محمد وجاہت حسین
 صاحب وجاہت صدیقی جہنچھانوی ، تلمیذ فصیح
 الملک حضرت داغ دہلوی :
- ۳۳- حقیقت میں مجروح صاحب کا ثانی - - -
- ۱۳- قطعہ 'تاریخ از نتیجہ' فکر جناب سید دلاور حسین
 صاحب لکھنوی المتخلص بہ واصف :
- ۳۴- چوں دیوان کہ ہر فردِ او بے گاہ - - -
- ۱۴- ایضاً :
- ۳۵- چھپ کے تیار ہوا جب دیوان - - -
- ۱۵- ایضاً :
- ۳۶- شوق تھا جس کا ایک عالم کو - - -
- ۱۶- قطعہ 'تاریخ دیوان از مصنفِ ممدوح :
- کہاں ہیں صاحبانِ شوق ، تا اس نظم کو دیکھیں ۳۷

مقدمہ

میر سہادی حسین مجروح ساداتِ نجیب الطرین کے ایک شریف اور عالی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباء و اجداد ایران سے اس وقت ہندوستان آئے جب مغلیہ سلطنت کا آفتاب صدیوں کی خوبنمائی کے بعد غروب کی ساعتوں میں تھا۔ یہ لوگ شاعر اور اہلِ علم تھے۔ اپنی خوش اطواری اور علمیت کے باعث ان کی رسائی دربارِ شاہی تک ہوئی اور مصاحبت کے ساتھ ساتھ مورچہ چنبائی کی خدمت بھی ان کے حصے میں آئی جو نسلاً بعد نسل منتقل ہوئی چلی گئی۔

مجروح کے والد میر حسین نگار کے دادا (یا نانا^۱) اس خاندان کے چلے فرد ہیں جن کا نام ان کی شاعری کی بدولت اردو شعراء کے تذکروں میں پای رہ گیا ہے۔ وہ شاہِ عالم بادشاہ کے درباری شاعر تھے اور فقیر تخلص کرتے تھے۔ ان کے جو پانچ اشعار دستبردِ زمانہ

۱۔ تذکرہ نگاروں نے نگار کے لیے ”نیرہ“ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی ہونے کے بھی ہیں اور اوائے کے بھی۔ اسی لیے بعض تذکرہ نگاروں نے انھیں میر فقیر اللہ کا پوتا اور بعض نے ان کا نواسا لکھا ہے۔ (مراتب)

سے بچ گئے ہیں ات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ واقعی اچھے شاعر ہوں گے۔ تذکروں نے میر فقیر اللہ فقیر کے بارے میں جو معلومات ہم پہنچائی ہیں وہ بہ ترتیب زمانی یوں ہیں :

(۱) مجموعہٴ نغز : میر قدرت اللہ قاسم ، مرتبہ حافظ محمود شیرانی ۔
 ”بزرگے از خالندانِ حرمی الاحترام ، میر فقیر اللہ قاسم ۔
 وے عزیزے است بسیار سنجیدہ و نہایت ہنسندیدہ ۔ نیک
 خصائل ، پاکیزہ شائل ۔ از شعرائے ہائے تختِ سلطانی و
 سخن سنجانِ ہارِ یافتگانِ حضور پر نور خاتانی ۔ در ہما کہنا
 سہارتے دارد ، کاہے بہ تکلیفِ احباءِ شعر و جنتِ ہم ہر روزے کلو
 می آرد ۔ این پنج بیت از گفتہائے وے است :

میرے سحابِ چشم کو نساں پہ ہے شرف
 ہے کون سی گھڑی کہ یہ گویا نشان نہیں
 دونوں جہاں کو طالبِ حق جانتے ہیں ہیچ
 ہم کو تو میرِ دوزخ و میلِ جناب نہیں

وہ حسنِ صندل نظر آوے اگر مجھے
 دونوں جہاں کا پھر نہ رہے دودِ سر مجھے
 صاف دلوں کی دید کو مانع نہ ہو حجاب
 عینک سے ہو دوچند نظر پر نظر مجھے^۱

۱۔ یہ مصرع دیگر تمام تذکروں میں اس طرح ہے :
 عینک سے ہے دوچند نیائے نظر مجھے
 اور غالباً یہی درست اور بہتر ہے ۔ (مرتب)

بٹھے ہی بٹھے ہستی کو اپنی کیا فنا
جوں شمع ہے وطن میں ہمیشہ سفر مجھے

(ص ۷۷ - ۷۸)

(۲) گلشنِ بے خار : نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ ، ترجمہ و حواشی
محمد احسان الحق فاروقی ۔

”فقیر تخلص ، نام فقیر اللہ ۔ شاہ عالم بادشاہ کے شعراء کے
زمرے میں شمار ہوتے ہیں ۔ کبت اور دوہرے سے واقف تھے ۔
بااخلاق انسان تھے ۔ دوستوں کی خاطر آردو میں بھی
فکرِ سخن کرتے تھے ۔ بمولہ ” کلام یہ ہے ۔“

(ص ۳۵۳ - ۳۵۵)

(۳) گلستانِ بے خزاں : قطب الدین باطن ۔

”فقیر تخلص ، میر فقیر اللہ نام ۔ میر ، کبت و ہندسہ ،
دوہرہ وغیرہ میں کمال ، ان کے سخن کا بالکا کریمانِ سخن
سے عملہ ” کاغذ میں یوں کھولا ہے سوال ۔“

(ص ۱۸۵)

(۴) طبقاتِ شعرائے ہند : کریم الدین ۔

”فقیر تخلص ، میر فقیر اللہ نام ۔ شاہ عالم بادشاہ کے شعراء

۱۔ میر قدرت اللہ قاسم نے ”مجموعہ الغز“ میں میر فقیر اللہ فقیر کی چن
دو غزلوں کے باج اشعار بطور ”مولہ“ کلام درج کئے ہیں ، دیگر بیشتر
لذکرہ نگاروں نے الہی اشعار میں سے دونوں غزلوں کا ایک ایک
شعر لے لیا ہے ، لہذا ان اشعار کو ہر بار دوچ کرنے کی ضرورت نہیں
سمجھی گئی ۔ (مراتب)

میں وہ منسلک تھا۔ کت اور دوہرہ بہت کہتا تھا ، مگر کبھی کبھی یاروں کی خاطر سے فکرِ ریختہ کا بھی کرتا تھا۔“ (ص ۱۴۱)

(۵) سخنِ شعراء : عبدالغفور نساخ -

”فقیر تخلص ، میر فقیر اللہ دہلوی - شعرائے ہائے تختِ شاہِ عالم بادشاہ میں تھے - کت و دوہرہ سے بھی واقف تھے - احياناً شعر آردو کہتے تھے -“ (ص ۳۷۰ - ۳۷۱)

میر فقیر اللہ فقیر کے بعد تذکرہ نگار ہمیں فوراً مجروح کے والد میر حسین نگار دہلوی تک پہنچا دیتے ہیں جو مجروح کی طرح غالب کے شاگرد تھے ، لیکن بعض حضرات کے نزدیک یہ بات محلِ نظر ہے - غالب نے اپنے خطوط میں کہیں بھی ان کا تذکرہ نہیں کیا - تذکروں میں ان کے چند اشعار درج ہوتے چلے آ رہے تھے کہ ۱۹۶۸ع میں گوہر نوشاہی کو پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، لاہور کے ذخیرہ ہنڈت برچمن ہنڈت تاریخہ کیفی سے ایک بیاض مل گئی جس میں نگار کے کلام کے آغاز میں لکھا ہے : ”ال انتخاب دیوان میر حسین علی نگار -“ اسی بیاض کی دس غزلیں گوہر نوشاہی نے مرتب کی تھیں - ”دیوان نگار“ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں :

”نگار کا کلام مرتب ضرور ہوا تھا - یہ دیوان پرنسپل دہلی کالج ، ایف - ہٹروس کے پاس تھا - ہٹروس ۱۸۲۱ع سے ۱۸۴۵ع تک کالج کے پرنسپل رہے - اس کے بعد وہ انگلستان چلے گئے اور دوبارہ ہندوستان نہیں آئے - گانِ غالب ہے کہ یا تو ہٹروس دیوان نگار کا یہ خطوطہ اپنے ہمراہ

نگلستان لے گئے جو ان کی وفات کے بعد گمنام ہو گیا ،
اور یا اگر وہ ہندوستان میں چھوڑ گئے تھے (جس کا امکان
ذرا کم ہی ہے) تو ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی لڑ ہو گیا
ہوگا ۔“^۱

”دیوانِ مجروح“ کے دیباچہ نگار وحید کی رائے میں نگار ”بہت
بڑے عالم اور نزاکت آفریں شاعر تھے ۔“

تذکروں میں نگار کے بارے میں جو معلومات موجود ہیں ان
کے اندراج سے بیشتر نگار کے کلام سے چند اشعار درج کیے جا رہے
ہیں تاکہ ان کی شاعری کے بارے میں رائے قائم کرنے میں مدد
مل سکے :

تیرے دیوانے کو سودا ہے ہر اک آن نیا
چاہیے ہر جنسوں روزِ یساریاں نیا
نہ تو دنیا کی تمنا ہے ، نہ دہی کی خواہش
ہے ہوس ہائے جہاں سے سرا ارمان نیا
قید کچھ اس پہ نہیں عصرِ گزشتہ کی فکر
اس سخن کا ہے ہر اک وقت میں فیضان نیا

مے طلب گھر میں ترے وہ جو چلے آتے تھے
آس زمانے کو فکر اب تو نہ کر یاد ، کیا

یارانِ رفتہ کو نہ کروں کس طرح سے یاد
آلکھوں کے سامنے سے وہ دفتر الٹ گیا

بے ترے گلِ باغ میں اے غیرتِ ناموسِ گل
ہر چمن تھا شکلِ زنداں اور میں مہروس تھا

اے آتشِ محبت ! مت بھج کو خاک کیچڑ
اس کوچے کی طرف ہو جس وقت 'رو ہوا کا
مت ہو چو بے ثباتیِ باغِ جہاں میں میری
میں مثلِ نکبتِ گل ہوں منتظرِ صبا کا
فرصت نہیں کہ کھینچوں یاں تالہ ہائے موزوں
بلبل ، نگار میں ہوں ، کس باغِ بے بقا کا !

چند غزلیں پڑھ کر کسی شاعر کے بارے میں کوئی رائے قائم
کرنا مشکل ہے لیکن یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نگار معمولی
شاعر نہ تھے۔ زبان و بیان پر انہیں جو قدرت حاصل ہے اس کا سراغ
ان چند اشعار سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

تذکروں میں نگار کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے اس کی ایک
جھلک زمانی ترتیب کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے :

(۱) اعظم الدولہ سرور : عمدۂ منتخبہ ۔

''نگار تخلص ، میر حسین ، اصلش از ساداتِ عالی درجات ،
نیرۂ میر فقیر اللہ ، فقیر تخلص ، جولانے ست خلیق و

یارباش ، موطن دارالخلافت ، ذوق شعر گوئی رخصتہ در
خاطرش متکثر۔“ (ص ۸۳ ، دہلی یونیورسٹی ، ۱۹۶۱ء)

(۲) مصطفیٰ خان شیفہ : گلشن بے خار۔

”فکار تخلص ، میر حسین ، نیرۃ میر فقیر اللہ فقیر ، سید
نسب ، دل فکار ، وطنش ہمیں بلدۂ خلد آثار ، سخن را
یر مرزا اسد اللہ خان غالب گزالیہ۔“

(ص ۱۵۲ ، نولکشور ، ۱۸۷۳ء)

(۳) گارسیں دقاسی : تاریخ ادب ہندوی و ہندوستانی ۔

ترجمہ :

”فکار ، میر حسین دہلوی ۔ اردو میں شعر کہتے ہیں ۔ شیفہ
نے انہیں اپنا معاصر لکھا ہے ۔ ان کے دادا میر فقیر اللہ
فقیر شاہ عالم کے عہد کے مشہور شعراء میں سے تھے ۔۔۔
فکار ، مرزا اسد اللہ خان غالب کے شاگرد تھے ۔۔۔ وہ ایک
دیوان رخصتہ کے مصنف ہیں جس کی نشان دہی مجھ سے
ایف ۔ ہروس ، ہرلسہل دہلی کالج نے کی ہے ۔“

(پریس ، طبع : ۱۸۲۰ء)

(۴) قطب الدین باطن : گلستان بے خزاں ۔

”فکار تخلص ، میر حسین نام ، دہلوی ، شاگرد مرزا اسد ،
عدنک سخن سے دل فکار چھ و کد ۔“

(ص ۱۸۶ ، نولکشور ، لکھنؤ ، ۸۷۵ء)

(۵) سعادت خان ناصر : خوش معرکہ زیبا ۔

”سخن و خوش شمار ، میر حسین فکار ، شاگرد اسد اللہ خان
غالب ۔“ (ص ۶۶ ، غلطوطہ ”انجمن ترقی اردو“ کراچی)

(۶) کرم الدین و ایف نون : طبقاتِ شعرائے ہند ۔

”فکار تخلص ، میر حسین ۔ لواء میر فقیر اللہ فقیر کا ہے ۔
یہ ایک سید ہے ۔ وطن اس کا بھی شہر ہے شاہجہان آباد ۔
مرزا اسد اللہ خان غالب سے اصلاح لیتا ہے ۔“
(ص ۳۸۰ ، مطبع دارالعلوم ، دہلی ، ۱۸۳۸ ع)

(۷) نصیر اللہ خویشی : گلشنِ ہمیشہ بہار ۔

”فکار تخلص ، سید حسین ، لیرۃ فقیر اللہ فقیر است ۔ مریدیت
طرح دار ، ہکالِ باطن صاحبِ انوار ۔ وطنی خطہ ہاک
شاہ جہان آباد است ۔ ہنرمندان را طالب و استادش اسد اللہ
خان غالب است ۔“

(ص ۲۳۶ ، النجین ترقیِ اردو ، کراچی ، ۱۹۶۶ ع)

(۸) قادر بخش صابر : گلستانِ سخن ۔

”فکار تخلص ، سلاطۃ دودمانِ سیادت و خلاصۃ خاندانِ
شرافت ، میر حسین مرحوم ۔ شاگردِ میر نظام الدین بخون ۔
فکر نہایت سلیم ، طبیعت بغایت مستقیم ۔ صحیح گوئی کی
طرف متوجہ اور زبان کی شستگی کی جانب ملتفت ۔ چند سال
ہوئے کہ عالمِ ہاق کی طرف راہی ہوا ۔“

(ص ۲۸۵ ، مطبوعہ مجلس ترقیِ ادب ، لاہور ، ۱۹۶۶ ع)

۱۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ فکار اس تذکرے کی تکمیل سے کئی سال
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(۹) عبدالغفور لستاخ : سخن شعراء -

”نکار تخلص ، میر حسین دہلوی - لیبرۃ میر فقیر اللہ فقیر ،
شاگرد میر نظام الدین مینوں - بعض صاحب تذکرہ نے ان
کو مرزا غالب کا شاگرد لکھا ہے ۔“

(ص ۳۷۲ ، نولکشور ، لکھنؤ ، ۱۸۷۳ ع)

میر حسین نکار کے بھائی میر حسن کا ذکر غالب نے مجروح
کے نام ایک خط میں اس طرح کیا ہے :

”میر حسن — جے پور سے آئے اور خدا جانے کہاں
آکرے اور اب کہاں جاتے ہیں . . . اپنے چچا کے یہاں
آنے کا منشا اور ان کا احوال مفصل لکھو ۔“^۱

انہی میر حسن کے بارے ”ذبیان مجروح“ (مطبع کریمی ، لاہور) کے
دیباچہ نکار وحید نے صفحہ ۵ پر لکھا ہے کہ ”فارس نثر میں بد طولی
رکھتے تھے ۔“

غالب کے خط سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ میر حسن کا
غالب سے کوئی خاص میل جول نہیں تھا ۔

مجروح کے نام غالب ہی کے ایک اور خط سے پتا چلتا ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پہلے وفات پا چکے تھے ۔ بقول غالب یہ تذکرہ ”نقد سے چلے چھا
اور خدر میں تاراج ہو گیا ۔“ مولانا عرشی رامپوری کا خیال ہے کہ
یہ تذکرہ ۱۸۵۵ ع میں مکمل ہو چکا تھا ۔ اس حساب سے نکار ۱۸۵۰ ع
اور ۱۸۵۲ ع کے درمیان فوت ہوئے ہوں گے ۔ (مرتب)

۱۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۶۶ ، ۱۹۳۱ ع -

مہجروں کی والدہ کا انتقال جنوری ۱۸۵۸ء میں ہوا ہوگا :

”یہاں ، آج ایک شنبے کا دن ، ساتویں فروری کی اور شاید
 ہائیسوس جاہلی الثانی کی ہے ۔ دوپہر کے وقت شیخ مشرف علی
 . . . میرے پاس آئے اور انہوں نے تمہارا خط ، لکھا
 ہوا ۱۵ جہدی الثانی کا ، دیا . . . تمہاری والدہ کا مرنا
 سن کر مجھ کو بڑا غم ہوا ۔ خدا تم کو صبر دے اور اس
 غم کو بخشے “ (یکشنبہ ، ہفتم فروری ، ۱۸۵۸ء)

مہجروں کے برادر خورد میر سرفراز حسین خطوطِ غالب کی وجہ
 سے بہت مشہور ہیں لیکن ان کے ایک بڑے بھائی بھی تھے جن کا ذکر
 غالب نے اپنے ایک خط میں کیا ہے ۔ اقتباس ملاحظہ ہو :

”تمہارے چھوٹے بھائی کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں
 ہیں اور اچھی طرح ہیں ۔ بڑے کا حال کیوں نہ لکھا ؟
 یقین ہے وہ اور تم یکجا ہو ۔ گو ان کو ربط مجھ سے زیادہ
 نہیں لیکن فرزند ہونے میں تم اور وہ برابر ہو “

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مہجروں کے ایک برادر کلان بھی تھے ۔

مہجروں کے چھوٹے بھائی کا نام میر سرفراز حسین تھا ۔ غالب
 کو مہجروں کی طرح ان سے بھی بہت محبت تھی اور وہ ان کو
 ”مجتہد العصر“ لکھتے تھے :

”مجتہد العصر“ کو میری دعا کہنا ۔ تم کو کیا ہوا ہے

۱۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۳۵ ، ۱۹۳۱ء

۲۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۳۵ ، ۱۹۳۱ء

کہ تم ان کو اپنا چھوٹا بھائی جان کر 'مجتہد العصر' نہیں
لکھا کرتے؟^۱

وحید رقم طراز ہیں کہ میر سرفراز حسین "عربی فارسی کے شہر
بہر میں ایک مستند عالم مانے جاتے تھے۔"^۲
عبدالرؤف عروج لکھتے ہیں :

"ان کو کتابیں جمع کرنے اور فقہ پڑھنے کا حد درجہ شوق
تھا۔ غالب نے متعدد بار ان کو دوسرے مروجہ علوم کی
تحصیل کی جانب توجہ دلائی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں
ہوا، جس پر غالب ان کو طنزیہ طور پر 'مجتہد العصر' اور
'سلطان العلماء' کہنے لگے۔ ۱۸۵۷ء میں جہاں دہلی کے
رہنے والوں پر مصیبت آئی، میر سرفراز حسین کو بھی
پریشانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے
باقی ہت پہنچ کر وہاں کچھ دن گزارے۔ جب امن و امان
کی صورت پیدا ہوئی، دہلی آکر نوکری کی تلاش میں لگ
گئے۔ غالب نے الیگزینڈر ہڈلے سے ان کی نوکری کے لیے
سفارش کی جو اس وقت الور میں کہتائی کے عہدے پر
ملازم تھے۔ اسی دوران راجہ شیو دھان سنگھ کو اختیارات
تفویض ہوئے اور الور کے انتظامی ڈھانچے میں تبدیلی عمل
میں آئی جس پر غالب نے میر سرفراز حسین کو الور

۱۔ خطوط غالب (پہلی جلد)، مرتبہ: سید پرشاد، ص ۲۵۹، ۱۹۴۱ء۔

۲۔ دیوانہ مجروح: مطبع گری، لاہور، صفحہ ۵۔

رواۃ کیا ۔ میر سرفراز حسین ۱۸۵۹ء میں الور پہنچ کر راجہ شیو دھان سنگھ کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکا ۔ غالب ان کی پریشانی روزگار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ۔ انہوں نے میر سرفراز حسین کو ایک تعارفی خط دے کر علی بخش خالسامان کے پاس راسپور بھیجا لیکن راسپور پہنچنے کے بعد ان کو ملازمت نہیں مل سکی اور وہ مالی طور پر زیر بار ہو کر رخصت ہوئے اور دہلی ہوتے ہوئے ہائی پت چلے گئے ۔ غالب کو اس واقعے کا حد درجہ صدمہ ہوا ۔^۱

غالب کو ان بھائیوں سے جو محبت تھی اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کی تکلیف کو وہ اپنی تکلیف جانیں ۔ لہٰذا غالب کے خط اس کے گواہ ہیں کہ ان لوگوں کی پریشانی انہیں کس درجہ دکھی اور رنجیدہ رکھتی تھیں :

”اے میر سہدی ! تو درماندہ و عاجز ہائی پت میں پڑا رہے ، میرن صاحب وہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے کو ترما کریں ، سرفراز حسین نوکری ڈھونڈتا پھرے اور میں ان غمہائے جاںگداز کی تاب لاؤں ۔ مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا ۔“

۱۔ بزمِ غالب : عبدالرؤف مروج ، ص ۱۹۲ - ۱۹۳ ، ۱۹۶۹ء -

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ ! اللہ ! اللہ ! ۱۸ دسمبر ۱۸۶۰ ع^۱

اس سے پہلے کہ ہم میر مہدی حسین مجروح تک پہنچیں ،
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے صاحب زادے میاں عباس حسین کا
ذکر بھی یہیں کر دیا جائے ۔ ”مظہر معانی“ کی تفریط میں نواب اکبر
مرزا سید نے لکھا ہے :

”... اور آدمی کو اس کے پچھلے سون کا غبار ٹھہراتا

میاں عباس حسین کا بازچہ“ طفلان ہے ۔“^۲

اور میاں عباس حسین پر بھی ۲ لگا کر انہوں نے حاشیے میں
لکھا ہے :

”۲۔ یہ حضرت مجروح کے خورد سال صاحبزادے

ہیں ۔“^۳

”مظہر معانی“ ۱۸۹۸ ع میں شائع ہوا تھا لہذا اس وقت میاں

عباس حسین کی عمر پان سات برس سے زیادہ کیا رہی ہوگی ۔ ۱۸۹۸ ع
میں مجروح کی عمر تقریباً چھیاسٹھ برس تھی لہذا یہ تباس کیا جا سکتا
ہے کہ مجروح کی ان کے علاوہ بھی کوئی اولاد ضرور ہوگی ۔

زیادہ تر تذکرہ نویسوں اور محققین نے مجروح کا پورا نام
”میر مہدی حسین“ لکھا ہے لیکن ، اغلباً کسی غلط فہمی کی بناء پر ،
چند لوگوں نے مجروح کا نام ”میر مہدی حسن“ بھی لکھا ہے ۔ اس

۱۔ غلطوٹ غالب (جلی جلد) ، مرتبہ : سید پرغداد ، ص ۲۶۵ ، ۱۹۴۱ ع ۔

۲ و ۳۔ اسی نسخے کا صفحہ ۲۲۱ ۔

ضمن میں تین اقتباسات دیکھیے :

(۱) شعرا الہند (حصہ اول) : مولانا عبدالسلام ندوی (طبع سوم ، ۱۹۳۲ء) -

”چنانچہ میر مہدی حسن مجروح کہتے ہیں۔“ (ص ۲۸۳)

(۲) فیمس اردو ہولٹ اینڈ رائٹر: سر عبدالقادر (طبع اول ، ۱۹۳۷ء) -
ترجمہ :

”میر مہدی حسن مجروح کے نام ایک خط میں وہ (غالب)

لکھتے ہیں . . .“ (ص ۴۲)

(۳) میر مہدی مجروح : شیخ محمد اسماعیل ہانی ہنی (”ماء نو“ ، جنوری ، فروری ، ۱۹۶۹ء) -

”مجروح کا نام میر مہدی حسن تھا . . . جن تذکرہ نگاروں نے مہدی حسین نام لکھا ہے غلط ہے کیونکہ ۱۸۹۸ء میں مجروح نے اپنا جو دیوان شائع کیا اس میں نام مہدی حسن ہی لکھا ہے۔“ (ص ۷۳)

اقتباس نمبر ۱ اور ۲ کے بارے میں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سہواً یا کتابت اور کمپوزنگ میں غلطی یا ہروف پڑھنے میں کوتاہی کی بناء پر ’حسین‘ کی جگہ ’حسن‘ چھپ گیا ہوگا لیکن محمد اسماعیل ہانی ہنی نے تو بیانیہ دہل ، نہ جانے کیوں ، میر مہدی حسین مجروح کا نام بدلنے کی شعوری کوشش کی ہے ۔ ان کا یہ کہنا صریحاً غلط ہے کہ ”مظہر معافی“ پر مجروح کا نام میر مہدی حسن لکھا ہے ۔ ”مظہر معافی“ پر میر مہدی حسین مجروح ہی چھپا ہے اور بہت صاف اور واضح طور پر چھپا ہے جس سے کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہونے کا کوئی

امکان نہیں ہے۔ ”مظہرِ معانی“ کے آخر میں جو تقاریر شامل ہیں ان میں بھی مجروح کا ہورا نام لکھا ہوا ہے اور یہ تقاریر ان لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جن کا مجروح سے انتہائی قریبی تعلق تھا :

(۱) تقریر از زمزمہ سنجی بلبلِ گلستانِ معانی ، گلِ سرسیدِ سخن دانی ، عالی جناب ، معلی القاب سید خاقان حسین صاحب عارف دہلوی :

”میرے کرم فرما ، خلائی کے مجروح ، جناب میرمہدی حسین صاحب مجروح ...۔“ (ص ۱۸۳)

(۲) تقریرِ ریختہ کلکِ گوہر سلکِ ثواب اکبر میرزا صاحب متخلص بہ سید ، خلف ثواب معین الدولہ ، سید حسین میرزا صاحب ، شاگرد مولانا مجروح و حضرت حالی مدظلہم العالی :

”سچ یہ ہے میرمہدی حسین صاحب مجروح کے کلام کی حفاظت و جمع کرنے میں جو سعی و کوشش میر افضل علی صاحب عرف میرون صاحب نے فرمائی اس کا احسان چشمِ ناظرین پر قایمیت رہے گا۔“ (ص ۲۳۳)

ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی ، جو مجروح کے ہم عصر اور عزیز تھے ، اپنی مشہور کتاب ”داستانِ غنر“ میں لکھتے ہیں :

”... لامحالہ میں الور جانے پر مجبور ہو گیا اور خواہ مخواہ جالا ہی پڑا ۔ ادھر میرے عزیز مہدی حسین مجروح اور میر سرفراز حسین صاحب وہاں موجود ہی تھے ۔“

(ص ۱۵۶)

لاہور کے مطبعِ کرمی سے ۱۹۲۶ ع میں جو ”دیوانِ مجروح“

چھپا تھا اس کے دیباچہ نگار وحید نے بھی 'حسین' ہی لکھا تھا :
 "میر مہدی حسین نام ، حسن و عشقِ ازل کے زخم خوردہ ،
 مجروحِ قتلص کرتے تھے ۔" (صفحہ الف)

مولانا غلام رسول مہر ، مالک رام ، مرتضیٰ حسین فاضل اور
 آفاق حسین آفاق وغیرہ نے میر مہدی حسین مجروح ہی لکھا ہے اور
 اس سلسلے میں کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کیا ۔ لہٰذا ان حقایق
 کے پھر نظر مجروح کے نام کے سلسلے میں ظن و تخمین کی کوئی
 گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ۔

مجروح کی صحیح تاریخِ پیدائش کہیں نہیں مل سکی ۔ تذکرہ
 نگاروں سے تو خیر اس کی توقع ہی عبث ہے ، خود مجروح یا اس کے
 کسی عزیز یا ہم عصر یا استاد نے بھی اس پر کوئی روشنی نہیں
 ڈالی ۔ 'دیوانِ مجروح' کے مرتب وحید نے صرف اتنا لکھا ہے :
 "منہ پیدائش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صدر میں وہ
 پچیس سالہ جوان تھے ۔"

۱۸۵۷ء سے ۲۵ منہا کیے جائیں تو باقی بچتے ہیں ۱۸۳۲ء -
 کسی نے ۱۸۳۲ء لکھا ہے اور کسی نے ۱۸۳۳ء - مالک رام نے
 درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے احتیاطاً "لگ بھگ" کے الفاظ
 استعمال کیے ہیں :

"ان (مجروح) کی پیدائش ۱۸۳۳ء کے لگ بھگ ہوئی ۔"

۱- دیوانِ مجروح : مطبع کرمی ، لاہور ، صفحہ الف ۔

۲- تلامذہ غالب : مالک رام ، ص ۲۵۲ ، بار اول ، ۱۹۵۷ء ۔

مالک رام کی طرح زیادہ لوگوں نے ۱۸۳۳ء ہی کو ترجیح دی ہے ۔

مجموع دہلی میں پیدا ہوئے تھے ۔ ان کا آبائی مکان دہلی کے مشہور اور گنجان آباد محلے ”آردو بازار“ میں واقع تھا ۔ آردو بازار ، قلعہ معلیٰ اور جامع مسجد کے درمیان ہوا کرتا تھا ۔ غالب ، مجموع کو لکھتے ہیں :

”... بیٹا ! تم تو آردو کے مرزا قتل بن گئے ہو ، آردو بازار میں نہر کے کنارے رہتے رہتے رودل قتل بن گئے ہو۔“^۱
 ”... ڈھنکے آئے آردو بازار کے رہنے والے ، حسد سے لکھنؤ کو برا کہنے والے۔۔۔۔۔“^۲

وحید رقم طراز ہیں کہ مجموع :

”بچپن میں نہایت سرخ و سفید ، حیا دار ، فرحانی آنکھوں کے مالک تھے ۔ جوانی میں خوش رو ، خوش خو نوجوان تھے ۔ لباس ٹھیکہ دلی والوں کا پہنتے تھے : بیچ گوشہ ٹوپی ، ڈھاکے کے ڈورے کا نیچی چولی کا انگرکھا ، اس کے نیچے گلشن کا کرتہ ۔ ہر وقت عطر میں تربتہ رہتے تھے اور یہی وضع مرنے دم تک نبھا گئے۔“

۱۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۳۱ ، ۱۹۳۱ء ۔

۲۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں انگریزوں نے اس محلے کو نیست و نابود کر دیا تھا ۔

۳۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۶۸ ، ۱۹۳۱ء ۔

”اہدائی تعلیم گھر میں پائی کیونکہ سارا خاندان دولتِ علم و فضل سے مالا مال ہو رہا تھا . . . لڑکپن سے ہی شاہدِ سخن کی ہرستاری شروع کر دی تھی۔“^۱

”شاہدِ سخن کی ہرستاری“ کی وجوہات بھی ظاہر ہیں۔ شاعری ان کی گٹھئی میں بڑی تھی۔ والد شاعر تھے اور والد کے دادا (یا نانا) بھی شاعر۔ یقیناً مجروح کے اپنے دادا بھی شاعر ہوں گے۔ ایسے حالات میں یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ مجروح شاعری سے اغماض برت سکتے۔ ”مظہرِ معانی“ کے آغاز میں ”سببِ تالیف“ کے عنوان کے تحت وہ خود لکھتے ہیں :

جو کہ عالمِ شباب میں طبیعتِ شورش انگیز اور دل و ولولہ خیز ہوتا ہے ، بندہ کو بھی اس عالم میں شوقِ شعر و شاعری نے سلسلہ جنائی کی اور عنایتِ الہی سے صحبت آن بزرگواروں کی نصیب ہوئی جو منتخبانِ دہلی میں سے تھے اور فنِ شعر و شاعری میں طاق اور شہرہ آفاق تھے ؛ مثل جنابِ فخرالشعراء میر نظام الدین مہنوں اور جنابِ استادی نظیری نظیر ، ظہوری ظہور ، رشکِ طالب ، نجم الدولہ ، دیرالملک میرزا اسد اللہ خاں صاحبِ غالب اور جنابِ مفتی صدرالدین خاں آزرده صدرالصدورِ دہلی اور جنابِ ملک الشعراء شیخ ابراہیم صاحبِ ذوق اور جنابِ حکیم مومن خاں صاحبِ مومن اور جنابِ نواب مصطفیٰ خاں صاحبِ شہتہ

۱۔ دیوانِ مجروح ، مطبعِ کرنلی ، لاہور : صفحہ ۹ - ب ۔

اور جناب نواب ضیاء الدین خان صاحب نیر اور جناب
علاء الدین خان صاحب علانی۔ ان کی ہوائے صحبت نے اور
بھی آتش بھڑکائی۔ جو کہ عالم خوش حالی اور فارغ البالی
کا تھا۔۔۔۔۔“ (ص ۷ - ۸)

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت دہلی کی ادبی فضا
شاعری کے لیے کسی قدر سازگار تھی۔ مجروح اس زمانے میں فکری
معاش سے آزاد تھے اور شاعری ہی ان کا اوڑھنا بچھوٹا تھی۔ دہلی
کی اس ادبی فضا کے بارے میں ظہیر دہلوی ”داستانِ شدر“ میں
لکھتے ہیں :

”تذکرۃ صحبتِ شعرائے ہم عصر :

بعد انتقال حکیم مومن خان صاحب و شیخ ابراہیم ذوق
مرحوم و مغفور کے مرزا اسد اللہ خان صاحب غالب اور
مفتی عبدالدین خان صاحب آزودہ ، حکیم آغا جان صاحب
عیش ، غلام علی خان صاحب وحشت اور نواب مصطفیٰ
خان صاحب شیفہ شاہیر روزگار ، مستند ، استاد کے
سزاوار تھے۔ ان حضرات کے قطع نظر ہم لوگ نوخیزوں
میں تصور کیے جاتے تھے۔ درجہ اول پر مرزا زین العابدین
خان صاحب عارف ، درجہ دوم سید معین الدین صاحب
معین ، درجہ سوم حافظ قطب الدین صاحب بشیر ، مگر
حافظ سردی مسن اور کہنہ شقی تھے۔ ان کے شاگرد بھی
بکثرت ہیں۔ ان کو درجہ دوم میں تصور کرنا زیبا ہے۔
علیٰ هذا التیاس مرزا رحیم الدین صاحب حیا بھی خوش زبان

اور کہندہ مشق درجہ دوم میں شہار ہوتے تھے ۔ ان کا کلام بھی ہایہ استادی سے ہم ہایہ تھا ۔ ان ہزر گواروں کے بعد چند نوجوان ، نوخیز ، نو عمر ، شوخ طبع ، ہا مذاق ، جہدت پسند ، لازک خیال ہم عصر تھے کہ زمانہ حال کے موافق اگر شور کیا جائے تو ہر ایک یکانہ روزگار تھا : نواب مرزا خان صاحب داغ ، میر سہدی حسین صاحب عبروح ، سید شجاع الدین عرف امراؤ مرزا تخلص الور ، مرزا قربان بیگ صاحب سالک ، مولوی عبدالکریم صاحب سوز خلق مولوی امام بخش صاحب صہبائی ، حکیم غلام مولیٰ قلی ، شہزادہ صاحب وشکی ، مرزا ہیارے صاحب شہرت ، مرزا قادر بخش صاحب ہایر ، میان خدا بخش صاحب تنویر ، غلام احمد صاحب تصویر ، عبدالقادر صاحب توفیر ، یوسف علی خان صاحب عزیز ، مولوی امیر مرزا خورشید ، میان تشنہ صاحب ، آغا مرزا صاحب برادر خورد داغ صاحب تخلص شاعل ۔

”اس قدر احباب ایک مکان پر وقت شام بلالاشہ ہم جلسہ ہوتے تھے اور باہم داد سخن دیتے تھے ۔ زمانہ غدر تک یہ گلزار سخن شاداب و سیراب تھا اور یہ خوشنویان چمن یکجا فراہم ہو کر توانجیاں کرتے تھے ۔ . . زمانہ غدر کے بعد اس مرقعے کا شیرازہ جمعیت درہم برہم ہو کر ورق ورق منتشر ہو گیا ۔“

۱۸۵۷ء تک یہ محفل جیسی رہی اور دلی کا سپہاگ قائم رہا ۔
 اس سے پہلے کہ ہم ۱۸۵۷ء سے آگے نکل جائیں یہاں مجروح اور
 غالب کی شاگردی ، استادی پر بھی کچھ روشنی بڑی چاہیے ۔ ہمارے
 یہاں کسی چیز کا کوئی حساب تو رکھا نہیں جاتا اس لیے یاس اور
 گہاں ہی سے کام چلانا پڑے گا ۔ کسی تذکرہ نویس نے یہ نہیں لکھا
 کہ مجروح ، غالب کے حلقہٴ شاگردی سے کب پیوست ہوئے ۔ لیکن
 فنکار کو بھی غالب کے شاگردوں میں شمار کر لیا جائے تو کہا جا
 سکتا ہے کہ مجروح کی رسائی درِ غالب تک سولہ برس کی عمر میں
 (یعنی ۱۸۳۸ء کے لگ بھگ) یا شاید اس سے بھی سال ، چھ مہینے
 پہلے ہوتی ہوگی ۔^۱

خطوطِ غالب گواہ ہیں کہ غالب اور مجروح پہلی ہی ملاقات
 میں ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے تھے اور دونوں بڑے چڑھ کر
 ایک دوسرے کے دیوانے تھے ۔ مجروح لکھتے ہیں :

”اسی شوق میں بسر ہوتی تھی کہ یکایک اس چرخ
 کچ رفتار اور زمانہٴ ناہنجار نے ایک ایسا قند آٹھایا کہ
 ہنگامہٴ رستخیز کو بھی برے پٹھایا اور تندہاۓ حوادث نے
 اس گلدستہٴ احباب کو برگِ ریزانِ بخارا کی طرح درہم برہم
 کر دیا ۔ وہ غلہ ۱۸۵۷ء کا تھا کہ جس نے سردوں سے

۱۔ ”کلیاتِ نثر فارسی“ میں بھی مجروح کے نام دو خط موجود ہیں ۔ غالب
 نے ۱۸۵۰ء کے ہمد فارسی میں خط لکھنا چھوڑ دے تھے لہذا اس
 ظاہر ہے کہ دونوں ۱۸۵۰ء سے بہت پہلے ایک دوسرے سے مل چکے
 تھے ۔

خاک کا بیٹ بھر دیا اور دہلی کو آدمیوں سے خالی کر دیا ۔
 بیٹ سے برسرِ دار اور اکثر گرفتار اور باقی فرار ہو کر
 اطرافِ جہاں میں منتشر ہو گئے ۔“

۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ایک دلخراش
 داستان ہے جو نہو کے آنسو رلوانے کے لیے کافی ہے لیکن اگر یہ
 فتنہ نہ اٹھتا تو غالب اور مجروح کی خط و کتابت بھی وجود میں نہ
 آ سکتی ۔ کیونکہ غدر نے مجروح کو غالب سے جدا کر دیا اور دونوں
 پرستاروں کی آتشِ شوق بھڑک اٹھی ۔ ابھی میں مجروح کا تقاضا بھی
 تھا کہ غالب انہیں خط پر خط لکھتے چلے جائیں تاکہ یہ دوری
 ان پر شاق نہ گزرے ۔ غالب کی محبت اور شفقت کا تقاضا بھی یہی
 تھا کہ وہ اپنے اس پرستار کی آتشِ شوق فرو کرنے کے لیے آبِ نثر
 فراہم کرتے رہیں اور یوں مجروح کو دھڑا دھڑ خط پر خط لکھنے
 چلے جائیں ۔ یہ خطوط اب اردو نثر کی آبرو ہیں ۔ غالب کے پرستار
 اتنے خطوط لکھوانے کی وجہ سے ہمیشہ مجروح کے احسان مند
 رہیں گے ۔

”کاغذ لیڑ گیا ورنہ تمہارے دل کی خوشی کے واسطے ابھی
 اور لکھتا ۔“

”میری جان ! تم کو تو بیکاری میں خط لکھنے کا ایک
 شغل ہے ۔ قلم دوات لے بیٹھے ! اگر خط پہنچا ہے تو

۱۔ مظہر معالی : میر سہدی حسین مجروح ، ص ۸ ۔

۲۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سید پرشاد ، ص ۱۶۵ ، ۱۶۶ ، ۱۶۷ ۔

جواب ، ورنہ شکوہ و شکایت و عتاب و خطاب لکھنے لگے۔
 ”تمہاری شکایتہائے بیجا کا جواب یہ ہے کہ تم نے جو خط
 مجھ کو پائی ہٹ سے بھیجا تھا اور کرنال کی روانگی کی
 اطلاع دی تھی ، میں نے تجویز کر لیا کہ جب کرنال سے
 خط آنے کا تو میں جواب لکھوں گا۔“^۱

غالب ۲۶ اپریل ۱۸۶۳ء تک مجروح کو کم از کم ایک سو
 خط لکھ چکے تھے :

”واہ سید زادۃ بے پرواہ ! ہمارے ہاتھ کی خستگی کا بھی
 خیال نہیں ۔ خط کا جواب قلم انداز ۔ اگر اس خط کا
 جواب آ جاتا تو مجھے دوبارہ تحریر کی زحمت کیوں پہنچتی؟
 ... تمہارے پاس ، ہلا مبالغہ کہتا ہوں کہ ، سو سے
 خط کم نہ ہوں گے۔“^۲

استاد شاگرد کے درمیان بے تکلفی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ
 غالب مجروح کی ایک محبوبہ کا نام لے کر آئیں یوں چھیڑتے ہیں :
 ”بھائی ! تم نے بخار کو کیوں آنے دیا ، تب کو کیوں
 چڑھنے دیا ؟ کیا بخار میرن صاحب کی صورت میں آیا تھا
 جو تم مائع نہ آئے ؟ کیا تب ”ابن“ بن کر آئی تھی جو اس
 کو روکتے ہوئے شرمائے“^۳

۱۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۵۵ ، ۱۹۴۱ء ۔

۲۔ مکتوباتِ غالب و مجروح : آفاق حسین آفاق ، ص ۱۸ ، ”نامہ نو“ ،
 فروری ۱۹۵۵ء ۔

۳۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برہاد ، ص ۲۷۸ ، ۱۹۴۱ء ۔

”ابن“ کے سلسلے میں سہیش پرشاد نے ”خطوطِ غالب“ کے حاشیے میں لکھا ہے :

”میر سہدی کے ایک دوست سے معلوم ہوا ہے کہ صحیح

”عین“ ہے جو ان کی ایک محبوبہ کے نام کا سرِ حرف ہے۔“

غالب اور مجروح کے تعلقات پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔

یہ رشتہ ایک الگ کتاب کا متقاضی ہے اور اس سلسلے میں جو کام بھی

ہوگا اس سے غالب شناسی میں بہت مدد ملے گی۔ یہ غالب ہی کا

فیضان ہے کہ اس زمانے میں کئی شاعروں نے نثر کی طرف خصوصی

توجہ دی اور غالب کی پیروی کو اپنے لیے باعثِ فخر جانا۔ ان

لوگوں میں مجروح سرِ فہرست ہیں۔ غالب کے نام ان کے جو چند

خطوط آج تک چھپ سکے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ استاد

کے قدمِ مقدم چلنے کی پوری پوری کوشش کرتے تھے۔

”اردوئے معنی“ کے پہلے ایڈیشن پر ، جو اکمل المطابع دہلی

سے ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا تھا ، جو دیباچہ مجروح نے لکھا تھا وہ

پڑھنے کے لائق ہے۔ خود اپنے دیوان میں انہوں نے جو نثر لکھی ہے

وہ بھی لاجواب ہے۔

غالب ، جو کسی کو کم ہی داد دیتے تھے ، وہ بھی مجروح

کی نثر کے دلدادہ تھے اور بہت تعریف لکھا کرتے تھے :

”واہ واہ ! سید صاحب !

تم تو بڑی عبارت آرائیاں کرنے لگے ، نثر میں خود نمایاں

کرنے لگے۔“

”آفریں ! صد ہزار آفریں ! اردو عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ مجھ کو رشک آنے لگا۔ سنو ، دلی کی تمام مال و مناع و زر و گوہر کی لوٹ پنجاب احاطے میں گئی ہے۔ یہ طرز عبارت خاص میری دولت تھی ، سو ایک ظالم ، ہانی ہٹ ، انصاریوں کے بھلے کا رہنے والا ، لوٹ لے گیا۔“

”سید ! خدا کی پناہ ! عبارت لکھنے کا ڈھنگ ہات کیا آیا ہے کہ تم نے مارے جہان کو سر پر آٹھایا ہے۔“

غالب کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجروح کو استاد سے علم حاصل کرنے کا ایسا لپکا تھا کہ وہ ذرا ذرا سی بات کے لیے غالب کو خط لکھتے تھے اور ہر معاملے میں ان کی رائے جالتا چاہتے تھے۔ ان کے کسی استفسار کے جواب میں غالب کے خط کے یہ دو جملے ملاحظہ ہوں :

”مقدور“ مذکور اور ”تقدیر“ موافق ہے۔۔۔ تم کو تردد

کیوں ہوا ؟“

جن چند خوش قسمت افراد کو غالب کے شاگردانِ رشید ہونے

۱۔ ۲۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : مہیش پرشاد ، ص ۲۵۱ و ۲۵۸ ،

۱۹۳۱ ع۔

۳۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : مہیش پرشاد ، ص ۲۵۹ و ۲۶۳ ع۔

۴۔ خطوطِ غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : مہیش پرشاد ، ص ۲۸۲ و ۲۹۳ ع۔

کا لہجہ حاصل ہے مجروح ان میں سے ایک ہیں ۔ حالی لکھتے ہیں :

”مرزا صاحب کے شاکرد اطراںِ ہندوستان میں بے شمار تھے
 ... ہا ایں ہمہ اہلِ دہلی و نواحِ دہلی میں چند اصحاب ،
 جو مرزا کے فیضِ صحبت اور مشورۂ سخن سے زیادہ
 مستفید ہوئے تھے ، ان کے ارشد تلامذہ سمجھے جاتے تھے ؛
 جیسے قسرو (و) رخشاں ، عارف ، سالک ، مجروح ، علائی ،
 تفتہ وغیرہم ...“^۱

۱۸۵۷ء تک مجروح دہلی میں بالمراحت مشقِ شعر و سخن میں
 مصروف رہے ۔ اس وقت تک ان کی شاعری جوان ہو چکی تھی ۔
 آخر آئیں دہلی کو چھوڑ کر ہانی پت چلے جانا پڑا ۔ محمد اسماعیل
 ہانی بتی نے لکھا ہے :

”اپنے نہایت مخلص دوست حضرت مولانا خواجہ الطاف
 حسین کے پاس ہانی پت چلے گئے ۔ حضرت خواجہ صاحب
 نے نہایت ہی محبت کے ساتھ خوش آمدید کہا ۔ ان کے
 مکان ہانی پت کے محلہ ”انصار“ میں واقع تھے ۔ انہوں نے
 اپنے مکانوں میں سے ایک مکان دوست کو دے دیا اور
 وہاں مجروح نے پانچ برس کا طویل زمانہ نہایت سکون کے
 ساتھ گزارا ۔“^۲

-
- ۱۔ یادگار غالب ، مرتبہ : خلیل الرحمن داؤدی ، ص ۲۴ - ۲۵ ، مجلس
 ترقی ادب ، لاہور ، نومبر ۱۹۶۳ء ۔
 - ۲۔ میر سیدی مجروح : محمد اسماعیل ہانی بتی ، ’سایر لو‘ ، جنوری ، فروری
 ۱۹۶۶ء ، ص ۷۸ ۔

”دیوان مجروح“ کے دیباچہ نگار وحید کا بیان ہے :

”خود نے ببل کو چمن سے لکالا تو پانی ہت میں انوار نے
مدتوں نفرت کی۔“ (صفحہ ج)

پانی ہت میں مجروح کو سکون تو خیر کیا میسر آیا ہوگا کہ وہ دلی کی محفلوں کے دلدادہ تھے اور اپنے استاد اور یار و احباب سے بچھڑے ہوئے تھے؟ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ پانی ہت میں ان کو سر چھپانے کا آسرا مل گیا تھا۔ یوں بھی دلی کی نسبت وہاں اسن تھا اور ہر وقت جان کے لالچے نہیں بڑے رہتے تھے۔

مجروح دلی کی جدائی میں ٹوٹتے رہتے تھے۔ چنانچہ دلی کے بارے میں کہتے ہیں :

کر کے برباد اے ، کس کو ہسانے کا فلک
کیا کوئی اور بھی ہے شہر ہسانِ دہلی؟
سلی پنچہ، جلادِ تم ہے ، ہے ہے !
نذرِ بیداد ہوئے منتظرانِ دہلی
یا خدا ! حضرت غالب کو سلامت رکھنا
اب اسی نام سے باقی ہے نشانِ دہلی
کربتِ غربت و تنہائی و شبِ ہائے دراز
اور مجروحِ دل انگار ، ہسانِ دہلی

”خطوطِ غالب“ کے جو اقتباسات پہلے درج کیے جا چکے ہیں ان سے بھی پتا چلتا ہے کہ وہ پانی ہت میں ، بقولِ غالب ، ”درماندہ و عاجز“ بڑے ہوئے تھے۔ ان خطوط سے یہ پتا بھی چلتا ہے کہ پانی ہت میں ان کا قیام ”الصلابیوں کے محلے“ میں تھا اور حالی بھی

اس محلے کے رہنے والے تھے۔

قیام پانی پت کے دوران ہی میں ، ۱۸۶۰ء کے ابتدائی مہینوں میں ، مجروح کو آنکھوں کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا ۔ غالب لکھتے ہیں :

”میرے نور چشم کی آنکھ کیوں دکھی۔“^۱

(مئی ۱۸۶۰ء)

”تمھاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں ڈھائے گئے اور جہاں جہاں سڑکیں نکلیں ، جنی گرد اڑی اس کو آپ نے از راہ محبت اپنی آنکھوں میں جگہ دی۔“^۲

(جون ۱۸۶۰ء)

غالب کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ پانی پت میں قیام کے دوران مجروح کسی نہ کسی تکلیف میں مبتلا ہی رہتے تھے۔ مئی ۱۸۶۱ء کے ایک خط میں مہرن صاحب کی زبانی کہلواتے ہیں :

”... میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ اب وہ (مجروح)

تندرست ہو گئے ہیں ۔ بخار جاتا رہا ہے ، بیچش باقی ہے ،

وہ بھی رخص ہو جائے گی۔“^۳

عرض کہ جیسے ابھی کتے ، مجروح نے باج برس پانی پت میں کٹ ہی لیے۔ ۱۸۶۲ء میں وہ دہلی پلٹے تو اب وہاں کا نقشہ ہی کچھ

۱۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : مہینہ برشاد ، ۱۹۸۱ء ، ص ۲۶۳۔

۲۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : مہینہ برشاد ، ۱۹۸۱ء ، ص ۲۶۴۔

۳۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : مہینہ برشاد ، ۱۹۸۱ء ، ص ۲۶۶۔

اور تھا۔ دلی کا حلیہ بگڑ چکا تھا۔ یار و احباب کھنڈ چکے تھے۔ کوئی کہیں تھا اور کوئی کہیں۔ سب سے بڑی پریشانی یہ تھی کہ روزگار کا کوئی آسرا نہ تھا۔ ایسے میں گزر بسر کرتے تو کیسے؟ لہذا تلاشِ معاش کی فکر ہوئی۔ غالب، میر سرفراز حسین کو الور میں ملازمت دلوا چکے تھے اس لیے یقیناً انہی نے مجروح کو بھی وہیں قسمت آزمائی کرنے کا مشورہ دیا ہوگا۔ اس کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ غالب کا راجگانِ الور سے دور کا سہی مگر کچھ تعلق ضرور تھا۔ ”بزمِ غالب“ میں یہ بات عبدالرؤف عروج نے خود غالب کی نثر اور نظم سے ثابت کی ہے:

”... (غالب کے) والد نے گھبرا کر الور کا قصد کیا۔
راؤ راجہ بختاور سنگھ کا لوکر ہوا اور وہیں کسی لڑائی
میں مارا گیا۔“

”غالب نے شیو دھان سنگھ والی الور کی مدح میں جو
قصیدہ لکھا تھا اس کے ان شعروں میں اس واقعے کی طرف
اشارہ ہے:

در پنج سالگی شدہ ام چاکر حضور
رنگیں سخن طرازم و دیریں وظیفہ خوار
دارم بگوشِ حلقہ ز پنجاء و ہشت سال
اکنوں کہ عمر شست و سہ سالت درشاہار“

(ص ۲۳۴ - ۲۳۵)

حصولِ ملازمت کے سلسلے میں مجروح کے الور جانے کے بارے

میں غالب کے دو خط دیکھیے :

”سہارا ج اگر دورے کو گئے تو کیا اندیشہ ہے ؟ گرمی کا موسم ہے ، لمبا چوڑا سفر کیوں کریں گے ؟ آٹھ سات دن میں پھر آئیں گے ۔ یہاں کی تلاش کا نتیجہ دیکھو تب کہیں جائیو ۔“^۱ (۱۶ مئی ۱۸۶۲)

”آج ایک امن کی صورت نظر آئی ؛ کہا کہ آؤ میرمہدی کے خط کا جواب لکھو ۔ الوری ناخوشی ، راہ کی محنت کشی ، تب کی حرارت ، گرمی کی شرارت ، ہاس کا عالم ، کثرت اندوہ و غم ، حال کی فکر ، مستقبل کا خیال ، تباہی کا رنج ، آوارگی کا ملال ، جو کچھ کہو وہ کم ہے ۔۔۔ بارے رفیع مرض کا حال لکھو ۔ خدا کرے تب جاتی رہی ہو ، تندرستی حاصل ہو گئی ہو ۔“^۲ (۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ع)

اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ بھروح ملازمت کے حصول کے لیے کتنی بار الوری گئے ہوں گے تب کہیں کامیابی کی صورت نظر آتی ہوگی ۔

رام بابو سکسپہ لکھتے ہیں :

”کچھ عرصے بعد جب کہ غدر کا طوفان فرو ہوا اور دلی میں کوئلہ امن و امان کی صورت پیدا ہوئی تو پھر دلی

۱۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برشاہ ، ۱۹۶۱ع ، ص ۲۷۶ ۔

۲۔ خطوط غالب (پہلی جلد) ، مرتبہ : سہیل برشاہ ، ۱۹۶۱ع ، ص ۲۸۰ ۔

آگئے اور اپنے قدیم مشغلہ شعر و سخن سے دلچسپی لینے
اور شاعروں میں شریک ہونے لگے۔ بعد چند روز کے
یہ تلاشِ معاش الور گئے جہاں مہاراجہ شیو دھان سنگھ
والی ریاست کے ان کی قدردانی کی۔^۱

مالک رام کا بیان ہے :

”اب یہ وہ دہلی نہیں تھی جسے چھوڑ کے ہانی پت گئے
تھے۔ ناچار تلاشِ روزگار میں نکلے۔ بارے الور میں
مہاراجہ شیو دھان سنگھ قدردانِ کمال و اہلِ کمال
موجود تھے۔ وہاں چند دن کے لیے ٹھکانا مل گیا۔ پہلے
نائب تحصیلدار اور بعد میں تحصیلدار رہے۔“^۲

”داستانِ غدر“ میں تلپور دہلوی لکھتے ہیں :

”مہاراجہ نہایت درجہ خوش بیان ، شیریں گفتار ، خوش
تقریر تھے۔ . . . مہاراجہ شیو دان سنگھ چادر ، والی الور ،
یکٹھ بائی نے جو عیش و عشرت اور داد و دہش فرمائی
وہ ابوالحسن طعنہ (تانا) شاہ کو بھی نصیب نہ ہوئے
ہوں گے۔ اس چھوٹی سی ریاست الور کا جو جاء و تہمتل
میں نے دیکھا وہ بڑی سے بڑی ریاستہائے ہندوستان میں کہیں
نظر سے نہیں گزرا۔ . . . مہاراجہ صاحب بہادر کو شعر و سخن

۱۔ تاریخ ادبِ اردو : رام بابو سکھتہ ، مترجم : مرزا محمد عسکری ،

نظر ثانی : مرتضیٰ حسین فاضل ، ص ۳۰۱ - ۳۰۲ -

۲۔ تلامذہ غالب : مالک رام ، ۱۹۵۷ء ، ص ۲۵۲ -

کی جانب از حد رغبت تھی اور نہایت درجے کے سخن فہم ،
 عالی دماغ تھے ۔ مذاقِ سخن اتنا بڑھا ہوا تھا کہ اچھا
 شعر سن کر بے قلب ہو جاتے تھے اور فی الفور یاد فرماتے
 تھے ۔ . . . مہاراجہ صاحب کے رویو مشاعرہ ہوا کرتا ۔
 درباری شعراء کے نام یہ ہیں : میر مہدی حسین مجروح ،
 مرزا قربان بیگ سالک ، اسراؤ مرزا انور ، میاں غلام
 احمد تصویر ، میاں خدا بخش تنویر اور فقیر ظہیر . . .
 غرض کہ تین چار سال کے عرصے تک الور میں اسی
 عیش و آرام سے بسر ہوتی رہی ۔ اب فلکِ تفرقہ الذاکر کو
 یہ صحبت بھی ناگوار گزری اور دریغِ فطریہ ہوا . . .
 غرض کہ ہزار دقت سمجھا سمجھو کر ہم الور سے رغبت
 ہو کر دلی آ بیٹھے۔“ (منہیات ۱۵۷-۱۵۸ ، ۱۶۲ تا ۱۶۳)
 اُس زمانے میں والی الور کے شوقِ شعر و سخن کا بہت چرچا
 تھا ۔ کابلور کا ہفت روزہ ”شعلہ طور“ اپنی ۳ جنوری ۱۸۶۵ء کی
 اشاعت میں لکھتا ہے :

”راؤ راجہ صاحب والی الور کو آج کل شعر و سخن کا
 بہت شوق ہے ۔ ہر ہفتے میں ایک مشاعرہ ہوتا ہے اور
 چند شاعر دہلی سے بھی طلب کیے جاتے ہیں ۔ ان کی
 تسخواریں بھی پیش قرار مقرر ہو گئی ہیں۔“

یہ راجا مسلمانوں کا ہے حدِ گرویدہ تھا ۔ اس پر ہندوؤں کو سخت
 اعتراض تھا ۔ وہ راجا کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے جس پر راجا
 کی مرضی کے خلاف یہ لوگ ہا دلی ناخواستہ راجا کو ”سمجھا سمجھو“

کر الور سے چلے آئے تھے تاکہ اسے ان کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچے۔ ظہیر دہلوی کے بیان کے پیش نظر ”تلاذہ غالب“ میں مالک رام کا یہ لکھنا کہ مجروح کو ”سہاراجہ کی وفات کے بعد یہاں سے بھی لکھنا پڑا“ (ص ۲۵۲) درست نہیں ہے۔

اگر ظہیر دہلوی کے بیان کو صحیح ماننے میں قائل ہو تو پھر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے شیودان سنگھ کی معزولی کے بعد ریاست کو غیر باد کہا ہوگا جو ۱۸۷۰ء میں عمل میں آئی تھی۔

کچھ بھی ہو، مجروح کو الور سے لکھنا پڑا۔ ملازمت کیے بنا چارہ نہیں تھا اس لیے جے پور کا عزم کیا۔ یہ وہی جے پور تھا جہاں مجروح ۱۸۵۰ء سے بیشتر بھی آ چکے تھے۔ غالب کے ایک فارسی خط کا ترجمہ حاضر ہے۔ یاد رہے کہ ۱۸۵۰ء کے بعد غالب نے فارسی میں خطوط لکھنا چھوڑ دیے تھے اور صرف چند خاص لوگوں کو ہی فارسی میں خط لکھتے تھے :

”میر سہادی، میرے نور چشم جہاں ہیں ! شہر جے پور

۱۔ شیودان سنگھ کے نام کے بارے میں محققین نے احتیاط نہیں برتی۔ محققین کیا، خود غالب اور مجروح میں بھی اس بارے میں اختلاف ہے۔ مجروح کے ایک قصیدے کا شعر یوں ہے :

سری شیودان سنگھ البتہ خوش ہوں

کہ ان کے عیش فرمانے کے دن ہیں

جبکہ غالب نے اپنے قصیدے میں راجا کا نام یوں نظم کیا ہے :

کا شو دھیان سنگھ بہادر شود سوار — (مرتب)

کی خوبی اور والی جی پور کی خوش خلقی کا حال سن کر
بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں۔^{۱۶۱}

اُن دنوں رہاست جی پور شعر و سخن سے گونج رہی تھی۔
سہاراجا سوائی رام سنگھ شعراء کی عزت کرنے میں کسی سے کم
نہیں تھے چنانچہ انہوں نے از راہِ قدردانی مجروح کو شہر کا نائب
کوٹوال بنا دیا تھا۔ مجروح ایک عرصے تک با فراغت یہاں زندگی
بسر کرتے رہے۔ ان کی وجہ سے خستہ اور رونق کے مشاعرے دلی
کی بزموں کا سماں پیش کرتے تھے۔

۱۸۸۰ء میں راجا کے انتقال کے بعد ان کو پھر ایک طویل
بے کاری کا سامنا کرنے کے لیے دہلی واپس آنا پڑا۔ اس کے بعد
مجروح تقریباً سولہ برس تک دلی کا روڑا بنے پڑے رہے۔ نہ کام نہ
کاج۔ اچھے دنوں میں جو تھوڑی بہت ہولھی جمع کی تھی اسی کے
سہارے وقت کو ٹھیلنے رہے۔ بالآخر قدرت کو ان کی بے چارگی اور
درومانگی پر رحم آ گیا اور :

”خوش قسمتی سے نواب حامد علی خاں بہادر والی رام پور
نے قدردانی کی اور اپنے پاس بلا لیا۔ یوں ان کے آخری
اہام آرام سے گزر گئے۔“^{۱۶۲}

مالک رام کے اس بیان سے شیخ محمد اسماعیل ہانی بی بی کو اختلاف

۱۔ ہنچ آہنگ، مترجم : محمد عمر سہاجر، ۱۹۶۹ء، ص ۱۶۳۔

۲۔ تلامذہ غالب : مالک رام، ۱۹۵۵ء، ص ۲۵۲-۲۵۳۔

ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

”جب سولہ سال بیکازی میں گزر گئے۔ اور ۱۸۹۶ ع میں نواب حامد علی خان ریاست رام پور کے فرمانروا ہوئے تو انہوں نے از رہِ علم بروہی چالیس روپے ماہوار مجروح کا وظیفہ مقرر کر دیا جو ان کو گھر بیٹھے ملتا رہا۔“^۱

اکبر علی ابنِ عرشی رام پوری ، شیخ محمد اسماعیل ہانی پتی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

”وظیفے کے اجراء کے بعد شاید ایک آدمہ مرتبہ مجروح نواب صاحب کی خدمت میں قصیدہ پیش کرنے رام پور آئے ہوں ، مگر ان کے یہاں آ کر نواب صاحب کی صحبت میں رہنے اور رام پور میں چندے قیام کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔“^۲

اکبر علی کا بیان زیادہ ترین قیاس ہے۔ ایک تو مجروح ضعیف تھے ، دوسرے ان کی یثاقی بھی خاصی کمزور ہو چکی تھی لہذا بڑھاپے میں ان کے لیے مستقلاً دہلی سے دور رہنا ممکن نہ تھا۔ نہ جانے ”بزمِ غالب“ میں عبدالرؤف عروج نے کیسے یہ لکھ دیا ہے کہ :

”ان (مجروح) کی لاش رام پور سے دہلی بھجوائی گئی۔“

(ص ۳۳۶)

۱۔ ”ماہِ نو“ ، جنوری - فروری ۱۹۶۶ ع ، ص ۷۹۔

۲۔ ”ماہِ نو“ ، جنوری - فروری ۱۹۶۶ ع ، ص ۸۰۔

حالانکہ مجروح تو براہِ راست دہلی سے زیارتوں کے لیے کربلا
معلیٰ اور نجف اشرف بھی گئے تھے۔ ”دیوانِ مجروح“ کے دیباچہ نگار
وحید لکھتے ہیں :

”... اسی ولولے نے زیاراتِ کربلا و نجف اشرف سے
مشرف کرایا۔“ (صفحہ ۵)

یہ سفر میر سہدی حسین مجروح نے ایک ملازم کو ساتھ لے
کر کیا تھا۔ سفر سے فوراً واپسی کے بعد ان کی بصارت بالکل
جواب دے گئی تھی اور وہ چلنے پھرنے تک کے لیے دوسروں کے
محتاج ہو گئے تھے۔ وفات کے وقت وہ بے حد نحیف اور ضعیف ہو چکے
تھے۔ اسماعیل ہانی ہنی کے مطابق ”۱۷ صفر السظری ۱۳۲۱ھ بمطابق
۱۵ اپریل ۱۹۰۳ء کو بدھ کے روز وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔“^۱
مالک رام لکھتے ہیں :

”بروز جمعہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء (۱۷ صفر ۱۳۲۱ھ) کو
وفات پائی۔“^۲

علامہ رسول مہر رقبطراز ہیں :

”۱۷ صفر ۱۳۲۱ھ/۱۵ مئی ۱۹۰۳ء کو بروز جمعہ دہلی
میں انتقال ہوا۔“^۳

۱۔ میر سہدی مجروح : شیخ اسماعیل ہانی ہنی ، ’ماورِ نو‘ ، جنوری - فروری

۱۹۶۹ء ، ص ۸۰ - ۸۱ -

۲۔ تلامذہ غالب : مالک رام ، ۱۹۵۷ء ، ص ۲۵۳ -

۳۔ خطوطِ غالب (جلد اول) : ۱۹۶۹ء ، ص ۳۳۲ - ۳۳۳ -

”اے ہسٹری آف اردو لٹریچر“ (مطبوعہ ۱۹۳۲ء) میں گرامر
 ہیلی نے صفحہ ۱۷۷ پر مجروح کا سنہ وفات ۱۹۰۲ء لکھا ہے۔ اسی
 کی پیروی کرتے ہوئے ”ناذراتِ غالب“ میں آفاق حسین آفاق نے
 بھی (ص ۱۷۳) ۱۹۰۲ء ہی لکھا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

”غزن“ (مئی ۱۹۰۳ء) میں شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں :

”اس مہینے میں میر مہدی اس جہان سے آٹھ گئے۔“

(ص ۵۵)

مالک رام اور غلام رسول مہر نے مجروح کی جو تاریخِ وفات
 لکھی ہے وہ ہر لحاظ سے درست ہے۔

”تلامذہ غالب“ (ص ۲۵۳) میں مالک رام لکھتے ہیں :

”اتفاق کی بات کہ وفات سے پہلے چند بار ’اغفر لی‘ کہا

اور اسی حالت میں جانِ جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

یہی ’اغفر لی‘ ان کی تاریخِ وفات ہے۔ درگاہِ قدم شریف ،

دہلی کے صدر دروازے کے باہر ، فصیل کے متصل ،

جنوب میں قبر ہے۔ لوحِ مزار پر لواب احمد سعید خان

طالب کا لکھا ہوا یہ قطعہ تاریخِ کفہ ہے :

یادِ فکرِ غالبِ معجز بجاں

میر مہدی ، سیدِ والا تبار

’ہدِ کلامش سرِ سرِ آہ و فغان

چوں تخلص بود مجروحِ نگار

کرد از دلہا چو آہنگِ سفر
گفت : "اغفر لی اللہی" چند بار
طالبہا ! دیگر مرتبہاں فکر را
رازِ فوٹش خود ز "اغفر لی" برار

۱۳۲۱ھ

جہاں تک مجروح کی تصانیف کا تعلق ہے ان میں سے بعض کو تو چھپنا ہی نصیب نہیں ہوا ، جو چھپ گئی تھیں وہ نایاب ہو چکی ہیں ۔ بہر صورت ان کا دیوان ہی ان کی متاعِ خاص ہے :

(۱) مظہر معانی معروف بہ دیوانِ مجروح :

یہ دیوان آپ کے ہاتھوں میں ہے اور جو معلومات اس میں موجود ہیں انہیں تفصیل سے یہاں درج کرنا لا حاصل ہے ۔ صرف اسی قدر بتا دینا کافی ہے کہ اسے مجروح کی زندگی ہی میں میر افضل علی عرف میرن صاحب نے مرتب کر کے چھپوا دیا تھا ۔

یہ دیوان ۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ع میں سرافراز پریس دہلی سے ہسمی نوبان علی طبع ہوا تھا ۔ اسی دیوان کو "دیوانِ مجروح" کے نام سے عبدالعزیز تاجر کتب نے مطبع کرمی، لاہور سے چھپوایا تھا اور اس میں وحید کا دیباچہ بھی شامل ہے جس کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ اس دیوان پر تاریخِ اشاعت درج نہیں ہے ۔ اس میں مجروح

کے نثری دیباچے اور ’سببِ تالیف‘، قصائد اور تقاریر کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ اس میں اغلاط کی بھرمار ہے۔ ”مظہر معانی“ کا یہ نسخہ انہی دو دیوانوں سے مرتب کیا گیا ہے۔

(۲) انوارالاعجاز :

رسولِ پاکؐ کے معجزات کے متعلق مختصر سا رسالہ ہے۔

(۳) ہدیۃ الائمہ :

اس میں ائمہ کی شان میں چند قصائد شامل ہیں۔

(۴) مجموعہٴ سلام :

چند سلاموں پر مشتمل ہے۔

(۵) مثنوی :

اس مثنوی کے نام کا پتا نہیں چل سکا۔ ”دیوانِ مجروح“

میں وحید لکھتے ہیں :

”ایک مثنوی بڑی محنت سے لکھی تھی۔ وہ بھی علیحدہ

(صفحہ ۷)

شائع کی گئی۔“

(۶) تذکرہ طلسمِ راز :

شعراء کا تذکرہ ہے۔ غالب نے اس تذکرے پر فارسی

میں دیباچہ بھی لکھا تھا جو غالب کی ”کلیاتِ نثرِ فارسی“

میں شامل ہے۔ یہ کلیات پہلی بار ۱۸۳۹ء میں شائع

ہوئی تھی۔ اس کے پہلے ایڈیشن میں یہ دیباچہ شامل

نہیں تھا۔ یہ دیباچہ ”ہنج آہنگ“ کے دوسرے ایڈیشن

میں موجود ہے جو ۱۸۵۳ع میں شائع ہوا تھا۔ غالب نے اپنے دیباچے کے آخر میں جو فارسی قطعہ 'تاریخ' کہا تھا اس کا ایک شعر یہ ہے :

کردہ دلہا تر آفاق ہمایوں اثری
آن دو ششویں دہ و دو اینت شہارے عجبی

غلام رسول مہر نے فارسی "قطعات ، رباعیات ، ترکیب بند

ترجیع بند ، خمسہ غالب" مطبوعہ ۱۹۶۹ع میں لکھا ہے :

"کلیاتِ نثر فارسی (صفحہ ۹۰) میں یہ میر مہدی بھڑو

کے تذکرہ 'طلسمِ راز' کے دیباچے کا قطعہ ہے جو ۱۲۶۶ھ

میں مکمل ہوا۔"

غالباً یہ تذکرہ بھی کبھی نہیں چھپا۔

(۷) تاریخ گنجِ غرائب :

آفاق حسین آفاق اپنی کتاب "فاداتِ غالب" میں لکھتے ہیں :

"تاریخ گنجِ غرائب بھی آپ کی تالیف ہے جو ابھی تک

شائع نہ ہو سکی۔ میرے پاس محفوظ ہے۔" (ص ۱۷۳)

آفاق حسین آفاق ہی اپنے ایک مضمون "سکونیاتِ غالب و

بھڑو" مطبوعہ 'ماہِ نو'، فروری ۱۹۵۵ع میں رقمطراز ہیں :

"بھڑو کی اردو نثر میں ایک اور تصنیف بھی ہے جس

کا نام 'تاریخ گنجِ غرائب' ہے۔ یہ وہی تاریخ ہے جس کا

ذکر غالب نے اپنے خط میں ایک جگہ اس طرح کیا ہے :

'صاحب! آج تمہارا خط دوپہر کو آیا۔ اس میں تمہیں نے

مسودہ تاریخ کا بابا۔ قلمدان میں رکھ لیا۔'

”میر مہدی مجروح کی یہ تصنیف کب تک منظرِ عام پر آسکے گی ؟ اس کا مجھے خود بھی علم نہیں ۔ یہ مستقبل کی بات ہے ۔“ (ص ۲۱)

شیخ عبد اسماعیل ہانی ہتی اپنے مضمون میں اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :

”چھوٹی چھوٹی کہانیوں ، مزیدار حکایتوں ، دلچسپ قصوں اور مفید نصاب کا مجموعہ جسے مجروح نے ۱۲۸۶ھ مطابق ۱۸۶۹ع میں مرتب کیا ۔ کتاب اب تک چھپی نہیں ۔ اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری ، رام پور میں موجود ہے ۔ جن لوگوں نے لکھا ہے کہ یہ تاریخ کی کتاب ہے ، انہوں نے غلطی کی ہے ۔“^۱

(۸) آیاتِ جلی فی شانِ مولیٰ علی :

مرتضیٰ حسین فاضل لکھتے ہیں :

”جناب آغا محمد بانو صاحب (نیرۃ آزاد) فرماتے ہیں کہ ایک مذہبی قلمی کتاب بھی ہے جس پر مرزا کی تقریظ تھی ۔ یہ کتاب ان کے بقول جناب سلطان حسن مرزا بالقابہ کے پاس ہے ۔“^۲

۱۔ میر مہدی مجروح : شیخ عبد اسماعیل ہانی ہتی ، ’مدارِ نو‘ ، جنوری ۔

فروری ۱۹۶۹ع ، ص ۸۲ ۔

۲۔ عودِ ہندی ، مرتبہ : مرتضیٰ حسین فاضل ، ۱۹۶۷ع ، ص ۳۸۷ ۔

شیخ محمد اسماعیل ہانی اپنی لکھتے ہیں :

”اس کتاب میں قرآن مجید کی وہ آیات مع ترجمہ و تفسیر کے جمع کی گئی ہیں جو شیعہ اعتقادات کے بموجب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں لازماً ہونی تھیں۔ ہائے سو صفحات کی یہ کتاب ابھی تک زبور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔“^۱

(۹) مکتوباتِ غالب و مجروح :

”... منشا اس مراسلت کی جانب توجہ مرکوز کرانا ہے جو غالب اور ان کے عزیز ترین شاگرد میر سہدی حسین مجروح کے درمیان ہوئی۔۔۔ مرزا غالب اور میر سہدی حسین مجروح کی یہ مراسلت ہمارے تمدن کا عزیز سرمایہ اور پچھلی نسل کی امانت ہے جس کے تصرف و تمسک کا شرف مجھے حاصل رہا۔ اسے غالباً میر سہدی مجروح کے اہماء پر میر افضل علی عرف میرن صاحب نے ترتیب دیا تھا۔ اس مجموعے میں غالب و مجروح کی مراسلت کے علاوہ مرزا کے دیگر غیر مطبوعہ خطوط بھی ہیں۔۔۔ مجروح کے خطوط مرزا کے علاوہ میرن صاحب، نواب خاتون حسین خان عارف دہلوی اور نواب فرخ مرزا رئیس لوہارو کے نام ہیں۔۔۔ خطوط کے اس مجموعے میں مرزا غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی

۱- میر سہدی مجروح : شیخ محمد اسماعیل ہانی اپنی، ’امار نو‘، جنوری۔

تحریریں بھی شامل ہیں اس لیے یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اسے مرزا غالب کی زندگی میں ترتیب دیا گیا۔ خطوط کی ترتیب میں یہ بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ پہلے خط ۱ پھر اس کا جواب اور اس کے بعد اس کا جواب الجواب ہو۔ لیکن اکثر مقامات پر خطوط کو صرف ہکجا کر دیا گیا ہے۔ مجروح نے اپنے کسی خط پر تاریخ درج نہیں کی اس لیے ان کے خطوط کی تاریخ نگارش کا تعین مرزا کے خطوط کی روشنی ہی میں کرنا پڑا۔ مجھے خود احساس ہے کہ اس مجسوعے کو، جسے میں نے 'مکتوباتِ غالب و مجروح' کا نام دیا ہے، مناسب مقدمہ و حواشی کے ساتھ جلد از جلد شائع ہونا چاہیے۔^۱

مجروح بہت بڑے استاد کے شاگرد تھے اور غالب کو ان سے جو محبت تھی اس کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ غالب نے ان کی تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہوگی۔

یوں تو مجروح نے تقریباً سبھی اصنافِ سخن کو برتا ہے لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں۔ وہ نوجوانی ہی میں اس مرتبہ^۲ شعری تک پہنچ چکے تھے جہاں انھیں غالب کی نظر ثانی کی بھی ضرورت نہیں رہی تھی :

"غزلوں پر خود ہی نظرِ ثانی کر لیا کرو اور دیدہ و دل

۱۔ مکتوباتِ غالب و مجروح : آفاق حسین آفاق، 'سار لو'، فروری ۱۹۵۵ء

کو تحقیق میں مشغول رکھو۔“

خود مجروح بھی اپنے مرتبہ شعری سے آگاہ تھے اور اس کے
اظہار سے بھی نہیں چوکتے تھے :

شعر میں بے مثال ہے مجروح
معنی غالب و سلامتِ میر

بولِ سخن و رویت ہیں ہر مجروح
اور ہے اپنی کچھ مثال کی طرح

یہ طرزِ زمزمہ سنجی ہر ایک کیا جانے
ملے کا دوسرا ، مجروح سا ، کہاں مباد !

ثامل سے مجھے دیکھو تو جانو
کہ اک گنجینہ اسرار ہوں میں

لہٰذا تو مجروح ’بے مثال‘ ہیں ، لہٰذا ہی یہ ’طرزِ زمزمہ سنجی‘
الہی کی ملک ہے اور لہٰذا ہی وہ ’گنجینہ اسرار‘ ہیں لیکن وہ دوسرے
درجے کے اچھے شاعروں میں شمار کیے جانے کے لائق ضرور ہیں ۔ ان
کے کلام میں جو بات فوراً اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ ہے ان کی
محزلوں کی سادگی اور صفائیِ زبان ۔ اس سلسلے میں داغ کو بہت

۱۔ پنج آہنگ : غالب ۔ آہنگِ پنجم کا ترجمہ از ہد عمر مہاجر ،

شہرت حاصل ہے لیکن مجروح بھی کم نہیں - حیرت ہے کہ غالب کا شاگرد رشید اور والد و شہنا ہو کر بھی مجروح نے غالب کی فارسی آمیز ترکیبوں سے کس طرح رہائی حاصل کر لی - اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے یہاں فارسی تراکیب سرے سے لاپید ہیں بلکہ یہ کہ من حیث المجموع ان کا کلام روان ، سادہ اور سلیس ہے -

کہیں کہیں یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ مجروح ، داغ کے بہت قریب آ گئے ہیں - چند اشعار ملاحظہ ہوں :

میری بدخونی کے پہانے ہیں
رنک کچھ اور ان کو لانے ہیں

شبِ شم نے بھہادیے کانٹے
چین آتا نہیں کسی کروٹ

موسمِ گل ہے اور وہ گل ہے
باغ میں دوسری بہار ہے آج

یہاں کی بھی ہے سیر کرنی ضرور
سلفیے کو جانے دو گرداب میں

وہ بے چینیاں سر آٹھانے ہوئے ہیں
کہ بستر میں کانٹے بھھائے ہوئے ہیں

شاعر کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ ہو تو صرف صفاً زبان اور سادگی بیان سے کام نہیں چلتا - مجروح کو اس بات کا احساس تھا

اور وہ ایسا شعر کہنے پر بھی قادر تھے جو ایک طرف تو سادگیِ
اظہار اور صفائیِ زبان کا آئینہ دار ہو اور دوسری طرف اس میں معانی
کا ایک لگر آباد ہو :

سوزِ دل کر چکا ہے جسم کو خاک
اب ترا منتظر ، صبا ! ہوں میں
مجھ سے ہوگا نہ سخت جاں کوئی
کہ شبِ ہجر میں جیا ہوں میں
مثلِ فشتلِ ہسِ خارِ صحرائِ
اور وحشت ! پرہہ پا ہوں میں

چاک ہو جانے جاہِ ہستی
نہ مدد دے جو تار و بودِ نفس

رہوئے راہِ فنا ہوں ، مجھے کیا دیکھتے ہو !
قطرۂ اشک ہوں ، اک جنبشِ مژگاں میں نہیں
میں ہوں اُس صانعِ ایجاد کا گنجینہٴ راز
یوں ہی بیکار میں اس منزلِ ویران میں نہیں
بحرِ مَواج میں قطرے کا سنبھلنا معلوم
کچھ ہمیں انہی خبرِ جلوۂ جانان میں نہیں

۱۸۵۷ء کے بعد عبود کا دل غزلیہ شاعری کی طرف سے بھر
گیا تھا اور بعد میں وہ زیادہ تر مذہبی شاعری ہی کرتے رہے ۔ ان کے

دیوان میں حمد، نعت اور منقبت کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ایک الگ دیوان مرتب ہو سکتا ہے :

سدا گل چیں بین اس کے گل ہداں
سر و تازہ ہے بہستانِ ہدۂ

رہتی ہے اشتیاقِ مدینہ میں ساتھ ساتھ
اس قافلے میں گردِ ہر کارواں تھپ

مہرِ جبروح کے قصائد بھی گنجشک اور ادق نہیں ہیں۔ ان پر بھی مہرِ جبروح کی غزل کا ہرٹو صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ قصائد میں وہ بڑے جوش و خروش کا اظہار کرتے ہیں اور بعض اوقات بہت اچھا شعر نکال لیتے ہیں :

حسن وہ شے ہے کہ ہر رنگ سے کرتا ہے ظہور
مثلِ خوشبو ہو اگر سینکڑوں پردوں میں نہاں

خواہاں رنگ و بو ہے ضعیفی میں بھی یہ دل
اس آتشِ فسردہ میں اب تک شرار ہے
حالی نے مہرِ جبروح کے بارے میں یوں ہی تو نہیں کہہ دیا تھا کہ :

داغ و مہرِ جبروح کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
نہ منے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز

مہرِ جبروح کو دوسروں کی غزلوں پر غزلیں کہنے اور ان کے مضامین کو بطرزِ دیگر بالذہنی کا بے حد شوق تھا۔ ان کے یہ اشعار

بڑھتے ہی آپ کو غالب کی غزلیں یاد آتی چلی جائیں گی :
میں آہ ہوں تو خونِ جگر میں طہید ہوں
میں زخم ہوں تو سودۃ الہام دیدہ ہوں

کیا غصے میں آتا ہے جو کرتا ہوں گلا میں
خود آپ انہیں چھیڑ کے لیتا ہوں سزا میں

دل میں نوبت ، جگر میں تاب کہاں
اب وہ پہلا سا اضطراب کہاں

تری وفا سے تلافی کہاں تلک ہوگی
ہماری حسرت و ارباب کا کچھ حساب نہیں
یہ شعر پڑھیے ، آپ کو خواجہ میر درد کی مشہور غزل یاد
آ جائے گی :

آتا ترا یہاں نہ سقوت سے دور تھا
ذریعے کو آفتاب بنانا ضرور تھا

اسی طرح وہ اپنے ہم عصروں کی غزلوں پر ہلاتکلف غزلیں کہتے تھے -
یہ اشعار پڑھ کر آپ کو فوراً حالی کی غزلیں یاد آ جائیں گی :
قصرِ حالی کے حوالی میں ذرا تم بھروج
انہی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بنانا ہرگز

ہم چشم میری چشم سے ہوا ابتر تر کہاں
اس سے پہلا تراوشِ خونِ جگر کہاں

ان غزلوں کے تقابلی مطالعے سے فوراً پتا چل جاتا ہے کہ
مہجروح کی یہ سعی محض رسمی اور سطحی نہ تھی۔ ایسی ہر غزل میں
وہ چند اشعار ایسے نکالتے تھے جن پر ان کی اپنی چھاپ ہوتی تھی۔
مالک رام لکھتے ہیں :

”آپ دیکھیں گے کہ غالب کے شاگردوں میں بہت کم
اپنے استاد کے رنگ میں کہنے والے ہیں۔ اس کا سبب یہی
ہے کہ غالب اس لکھنے کو خوب سمجھتے تھے کہ چہرے
سہرے کی طرح ہر شخص اپنا خاص مزاج اور مذاق قدرت
کی طرف سے لے کر آتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی
بدلتے کی کوشش کرنا اسے مسخ کرنے کے مترادف ہے۔
صحیح طریقہ یہ ہے کہ شاگرد کے کلام کے ظاہری در و بست
اور فنی و لغوی استقام کی اصلاح کی جائے اور اس کے
طرز سخن کو جوں کا توں قائم رہنے دیا جائے تاکہ اس
کی انفرادیت پختہ ہو جائے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمیں
غالب کے شاگردوں میں اتنے زیادہ صاحب طرز شاعر
ملتے ہیں : انور ، تنہا ، ثاقب ، حالی ، رشکی ، زکی ،
سالک ، سخن ، شادان ، شہتہ ، عارف ، عرشی ، مہجروح ،
ناظم — ان میں سے ہر ایک کا رنگ الگ ہے اور اپنی
اپنی جگہ پر ایک پختہ کار اور صاحب فن استاد ہے۔“

سر عبدالقادر ، مہجروح کی شاعری کے بارے میں جو رائے رکھتے

تھے وہ انتہائی معقول اور صائب ہے :

”آردو شاعری کے لیے غالب مرحوم اور ان کے معاصرین کا زمانہ مدتوں مایہ ناز رہے گا۔ ان کے فیضانِ صحبت سے جن طبقوں نے جلاہ ہائی اور جن کی شاعری اوجِ کمال کو پہنچی ان میں میر سہدی مجروح نہایت بلند پایہ شاعر کہئے گئے ہیں۔ جو لوگ انہیں جانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایشیائی شاعری کا ایسا صحیح اور منجھا ہوا مذاق کسی اور میں بمشکل نظر آئے گا۔ اور کیوں نہ ہو؟ وہ بڑے بڑے باکالوں کی آنکھیں دیکھتے ہوئے تھے اور اس آسمانِ سخن کے تارے تھے جس پر میر نظام الدین مینوں ، مفتی صدر الدین آزرده ، حکیم مومن خان مومن ، شیخ ابراہیم ذوق ، نواب مصطفیٰ خان شیفتہ ، نواب ضیاء الدین خان نیئر اور نواب علاء الدین خان علائی جیسے مشاق سخن وروں کے نام آج تک چمک رہے ہیں۔ ان لوگوں کی ہم نشینی بے مذاق لوگوں کو بھی بامذاق بنا دینے کے لیے کافی تھی۔ پس اس شخص کے لیے ، جو قدوث سے طبعِ رسا اور شیریں سخنی حصے میں لے کر آیا ہو ، یہ صحبتیں ہارس ہی ہوتی چاہیں توہیں اور ایسا ہی ہوا۔“^۱

میں مجلسِ ترقیِ ادب کے ناظم جناب احمد ندیم قاسمی اور مجلس

کی ادبی کمیٹی کے اراکین کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس کام کو اشاعت کے لائق جانا ۔

اپنے دوست محمد سلیم الرحمن کے لیے بس اتنا لکھنا ہے کہ اس سلسلے میں اس نے میری ہر طرح مدد کی ۔

ریاض احمد

این ۶۳ / اسی ۔

سمن آباد ، لاہور

۲۸ مئی ۱۹۷۸ ع

بسم الله الرحمن الرحيم

حمدِ خدائے لایزال محال ہے ۔ اے دلِ سودا زدہ ! ابھی یہ کیا خیال ہے ؟ جس میدان میں کہ مفریانِ حضرتِ صمدیت کے پاؤں لڑکھڑائی اور قدم آگے نہ بڑھائیں وہاں آدمِ خاکی نہادی کیا بنیاد کہ قدم زن ہو ! اور جس ایوان کی رفعت کی رسائی سے سرِ سدرہ نشیں شکستہ بال و بریدہ شہر ہو وہاں پیکِ خیال کیوں کر کمد انگن ہو ؟ سبحان الله ! وہ خدائے یکتا جس کی کوئی جا نہیں ہے اور پھر ہر جا ہے ! آدمی کے حبل الورد سے نزدیک تر ہے اور پھر جدا ہے ۔ اس کی ادراکِ صنعتِ گوناگوں میں ہائے قیاس لنگ اور دامنِ اندیشہ زہرِ سنگ ہے ۔ عقل اس کی دریافتِ معرفت میں ایک برگِ کلمہ ہے جو گرداب میں پھنس جائے یا طائرِ کم کردہ آشیان ہے جو بصد سعی اہل مقام نہ پائے ۔ دیکھو ! کبھی شام ہے کبھی صبح کا ہنگام ہے ، کبھی شبِ سیاہ ہے کبھی نورِ ماہ ہے ، کبھی غزاں کا خار خار ہے کبھی موسمِ بہار ہے ، کبھی سردی کی گرم بازاری کبھی گرمی کی شعلہ باری ہے ! یہ ہجومِ نجوم اور یہ وعد و برق کی دھوم اور آفتاب کی درخشانی اور مانتاب کی تانانی اور اس چنبرِ واژگولہ کی استواری

اس قادرِ توانا کی شگرف کاری کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ اس کا ہر تلوِ خورشید لطفِ سنگ بے رنگ کو لعلِ گراں سنگ بنانا ہے اور اس کا نیشانِ عنایت قطرۂ آب کو درِ لایاب کر دکھانا ہے۔ اگر وہ توانائی بخشِ ضعیف ہو تو ابابیلِ ناتوان پہلِ دمان کو خاک فرسودہ اور ہشہ بے نمود بخروء و شانِ مخوف فروش کو نیست و نابود کر دے ، مور مار کا دمار لگائے اور کتجشک شاہین کو ہنچے میں دبا لے ؛ اور اگر اس کی لسمِ رحمت امتزاز میں آئے تو آتشِ سوزندہ کو گلزار بنائے اور شعلہ ہائے تیز کو گلِ لالہ کر دکھائے۔ اس حکیمِ دانا نے مشقِ خاک سے وہ گوہرِ تابناک بنایا جس کو وَلَدِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ فِي احْسَنِ تَقْوِيمٍ سے یاد فرمایا اور قوائے ظاہریہ و باطنیہ مثلِ لبِ گویا ، چشمِ بینا ، گوشِ شنوا ، تلوِ توانا ، بازوئے زور آزمایا ، ذہنِ رسا ، فہمِ فراست آشنا عنایت فرمائے تا انسان حیوان سے امتیاز پائے۔ دماغ کو فہم و ادراک و شعور کا خزینہ اور دل کو اسرارِ مکنونہ کا گنجینہ بنایا تا دلِ آگاہِ نعمت ہائے لامتناہی الہی کا شکر بجا لائے :

ہر چند از دست زبانی کہ ہر آید
کز عہدہ شکرش بدر آید

اور سب سے افزوں جو نعمت عطا فرمائی وہ یہ ہے کہ ہم کو امت اس برگزیدہ درگاہ کی بنایا جس کے حق میں لو لاک لہا خلقت الافلاک فرمایا۔ زمزمہٴ نعت :

احمدٌ کو احمد سے قربِ روحانی ہے
وہ فخرِ بشر ، حبیبِ ربانی ہے
کون اس کا نظیر ، کون اس کا ہمتا ؟
وہ بھی تو خدا کے بعد لائق ہے !

وہ باعثِ ایجادِ عالم ، وہ مہتر و بہتر نسلِ آدم : وہ آرزوئے
 دیرینہٗ ایزدِ غفار ، وہ آئینہٗ ذاتِ پروردگار : وہ گلشنِ ولایت کا غنچہ
 بشکفتہ ، وہ آسمانِ رسالت کا ماءِ دو ہفتہ : وہ آئینہٗ جلالت کی چلا ،
 وہ شہستانِ سیادت کی شمعِ پُر خیا : وہ چمنِ آرائے گلشنِ کن فکں ،
 وہ خسروِ لامکانِ مکن : وہ خاتمِ نبوت کا نگین ، وہ وسادۂ سعادت کا
 صدر نشین : وہ بھرِ نجابت کا مدرِ نمیں ، وہ اوجِ شرافت کا مہرِ میں :
 وہ محفلِ قدس کا سرِاجِ وہاج ، وہ شہنشاہِ بے تخت و تاج : وہ خاتمِ النبیین ،
 سید المرسلین ، محبوبِ رب العالمین ، قبلہٗ اہلِ یقین ، شفیع المذنبین ،
 مخاطبِ ہدایا و یسین ، سرورِ انبیاء حضرت ابوالقاسم حضرت محمد مصطفیٰ
 علیہ التحیۃ و الثناء - اسی و اہلِ عالم کا آموزگار ، انسان اور فرشتوں کا
 اقتدار - معراج اس کے لردِ بیانِ رفعت کا اولین پہاویہ اور نبوت اس کی
 نسبتِ ذاتِ بے گرانمایہ - معظم و مکرم و محترم و مقتدر ، ذی و
 اتی و طاہر و مطہر - اس کا قربِ خدا نے یہ رتبہ پڑھایا کہ خطابِ
 قناب قوسین او ادلیٰ کا پایا - کس کو یہ تاب و طاقت کہ اوصافِ
 جناب اس شہنشاہِ رسالت کے تھریر میں لائے یا اس کے لکھنے کو قلمِ
 الہائے - بیانِ عقلِ اول معترف بہ عجز و قصور ہے ، آدمی کا تو کیا
 مقدر ہے - بقول استادِ غالب :

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گزاشتیم

کل ذاتِ پاک مرتبہ ذاتِ محمدؐ است

بعد لغت کے کس کی مدحتِ سرائی کی جائے ؟ مگر اس کی جس

کی ذاتِ ہر تفسیرِ رسول کا اطلاق آئے - تہنیرِ مناقب :

حدیثِ نور سے روشن ہے کہ حضرت احمدؑ مختار و حیدرِ کرار

ایک جان و دو تن ہیں - یعنی ایک نور دو حصوں میں منقسم ہو کر

بجسم ہوا۔ وہ رسولِ حق پہ وصیِ مطلق، وہ پیغمبرِ آخر الزماں یہ
اسلامِ اولیٰ اہلِ جہاں، وہ صاحبِ اُم الکتاب یہ اہی قراب۔ کسی
شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

لمی* و علی* ہر دو نسبت بہم
دو تا و یکے چوں زبانِ قلم

خواجہ* عالم نے بالائے عرش معراج ہائی، جنابِ امیر کی مہرِ نبوت
پر ہاؤں رکھنے کی جگہ ہاتھ آئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے :

زہے نشرِ ہائے کہ بر دوشِ احمد*
ز مہرِ نبوتِ نرائے رشید

وہ پکا قازِ میدانِ لائسا، وہ صدرِ آرائے سیدِ انسا ولیکم اللہ ! وہ
خازنِ گنجینہ* سورۃِ حل الثی، وہ مخصوصِ آیہ* نبوی ! وہ مدینہ*
علومِ نبوی کا باب، وہ علمِ لدنی کی کتاب ! وہ کشندۂ عمرو و عترو،
وہ کشالندۂ درِ خیر۔ ہد اللہ، شیرِ خدا، مشکل کشا، مرتضیٰ،
غیر الوریاء، نجمِ الہدیٰ۔ شجاعت میں عظیم النظیر، سخاوت میں
بے پتا ! عبادت میں بے مثال، زہد و ورع میں یکتا۔ غالبِ کل غالب
جنابِ امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب۔ صلوات اللہ علیہ و آلہ الطیبین
الطاہرین۔ اس نے نوائے اسلام بلند کر کے بتوں کو گرایا، اس کی
شمعِ ابدار نے آئینہ شرک کو بجھا کر نورِ وحدانیت چمکایا۔ اگر
اس کی تیغِ کافر کش سے مہرب و عترو دو مارے نہ جاتے تو عرب
میں مسلمانوں کا نام نہ ہاتے۔ اس نے گردنِ کشانِ عرب کو پست
اور زبردستانِ کفار کو زبردست کیا :

اس نے تیغِ دو سر جو چمکائی
محب سے لائسا ندا آئی

یہ رتبہ اس کے سوا کس نے پایا جسے خدا نے نفسِ پیغمبر لرمایا ؟
 جس کا خدا و پیغمبر ثنا خواہ ہو
 مجھ پہنچ میرزے اس کا وصف کیا بیان ہو

سببِ تالیف

اب یہ قالب بے روح ، میر مہدی مجروح خدمت میں سخنورانِ والا نظر اور لکھ سنا جانِ پیر پرورد کی گزارش کرتا ہے کہ جب مشیتِ ایزدی مقتضی اس امر کی ہوئی کہ نیستی کو لباسِ ہستی سے ملبوس کیا جائے اور زمین و آسمان اور جن و انسان کو خلعتِ وجود دیا جائے تو اول لوح و قلم کو پیدا کیا اور اس پر احوال ، جو ازل سے ابد تک گزرنے والا ہے ، لکھا گیا ۔ ہر چند علمِ الہی کو حاجت لکھنے لکھانے کی نہیں ہے ، اس کا علم سب چیز پر حاوی ہے مگر یہ بھی ہندوں کی ہدایت تھی کہہ پر کام میں لکھنے پڑھنے کو اہم سمجھیں ۔ جب دلیا آباد اور لکھنے پڑھنے کی بنیاد ہوئی ، تحریر کی دو طرح مقرر ہوئیں : ایک نثر ایک نظم ۔ نثر پر ایک لکھ سکتا تھا اور نظم جس کو قنوتِ موزونی طبع ازل سے ملتی تھی وہ لکھتا تھا ؛ اور اب تک بھی یہی حال ہے کہ نظم بغیر موزونی طبع کے لکھی نہیں جاتی ۔ کچھ علم و فضل پر منحصر نہیں ہے ، بڑے بڑے عالم و فاضل مصرع تک موزوں نہیں کر سکتے ۔ جو کہ عالمِ شباب میں طبیعت شورش انگیز اور دل ولولہ خیز ہوتا ہے ، بندہ کو بھی اس عالم میں شوقِ شعر و شاعری نے سلسلہ جنائی کی اور عنایتِ الہی سے صحبت ان بزرگواروں کی نصیب ہوئی جو منتہیانِ دہلی میں سے تھے اور فنِ شعر و شاعری میں طاق اور شہرۃ آفاق تھے ؛ مثال :

جناب نیرالشعراء میر نظام الدین ممنون اور جناب استاد ی ، نظیری
 نظیر ، ظہوری ظہور ، رشک طالب ، نجم الدولہ ، دہر الملک ،
 میرزا اسد اللہ خان صاحب غالب اور جناب مفتی صدر الدین خان
 آزاد ، صدر الصدور دہلی اور جناب ملک الشعراء شیخ ابراہیم صاحب
 ذوق اور جناب حکیم مومن خان صاحب مومن اور جناب نواب مصطفیٰ
 خان صاحب شیفتہ اور جناب نواب ضیاء الدین خان صاحب نیر اور
 جناب نواب علاء الدین خان صاحب علائی ۔ ان کی ہوائے صحبت نے
 اور بھی آتش بھڑکائی جو کہ عالم خوش حالی اور فارغ البالی کا تھا ۔
 اسی شوق میں بسر ہوتی تھی کہ یکایک اس چرخ کج رفتار اور زمانہ
 لاپتہ جار نے ایک ایسا فتنہ اٹھایا کہ ہنگامہ " رست خیز گو بھی ہرے
 بٹھایا اور تند بادِ حوادث نے اس گلدستہ " احباب کو برگ ریزان
 غزائے کی طرح درہم برہم کر دیا ۔ وہ غلغلہ و وح کا تھا کہ جس نے
 مردوں سے خاک کا پیٹ بھر دیا اور دہلی کو آدمیوں سے خالی کر
 دیا ۔ بہت سے ہر سر دار اور اکثر گرفتار اور باقی فرار ہو کر اطراف
 جہاں میں منتشر ہوئے ۔ پھر تو کبھی تلاش معاش ، کبھی یادِ وطن
 جان غراش ؟ کبھی مرگِ احباب دل شکن ، کبھی زمانے کے رخ و
 بحن — اس میں کیسی فکرِ شعر و سخن ؟ برسوں تک یہی حال رہا ۔
 فی الجملہ جب کچھ اسباب دل چسپی فراہم ہوئے اور مجھے کچھ احباب
 فراہم ہوئے تو پھر وہی شوقِ پیشہ کی چھیڑ چھاڑ ہوئی ۔ کوئی غزل
 کی فرمائش کرتا ہے ، کوئی تاریخ کہنے کی خواہش کرتا ہے ۔ ہر چند
 کہا کہ وہ دفتر کاؤ غورد ہوا ، گھر لٹ گیا ، وطن چھٹ گیا ،
 تصنیف کا ذخیرہ خزانہ بظاہر ہو گیا ۔ اب السردہ دل (جو) ۱ ، حواس

عقل ، پراگندہ خاطر ، ذہن قاصر : ایسی کاپش میں یہ خواہش نئی بات ہے ۔ بلبلی شوریدہ مغز سے ترانہ سرائی کی امید غضب ہے اور ہڑمردہ دل سے کل ہائے تازہ مضامین کی طلب عجب ہے ۔ مگر کون سنتا تھا ؟ وہی اصرار برقرار رہا ۔ ناچار قولِ سعدی پر عمل کرنا پڑا :

کہ آزدنِ دلِ دوستانِ جہل است
و کفارہٴ یحییٰ سہل است

کبھی کوئی فرمائش کرتا اس کو بجا لانا پڑتا ۔ وہ بھی اس بے دلی سے کہ مسودہ تک بھی پاس نہ رکھا جاتا تھا ۔ بعد ایک عرصے کے ہارون نے یہ کہا کہ دیوان چھپواؤ ۔ میں حیران ہوا کہ دیوان تو ہے نہیں ، چھپواؤں کسے ؟ بنو ل شاعر :

ع دہن کا ذکر کیا یاں سر ہی غایب ہے گریباں سے

مگر میرے دوستِ دلی ، مشفق میر افضل علی عرف میرن صاحب نے کمر ہمت ہاندھی اور وہ ہرجے ، جو میرے حواس کی طرح منتشر اور میرے حال کی طرح پریشان پڑے ہوئے تھے ، ان کو جمع کر کے محنتِ شبانہ روزی سے چند سہ ماہ میں بیولا دیوان کا درست کیا اور صورت چھپوانے کی لکائی ۔ اس وقت بھی یہ عذر کیا گیا کہ کلام استادانِ پیشینہ چھپ کر شائع ہے ، اس کے آگے اس مزخرفات کی کیا قدر ہوگی ؟ نیز عالم آرا کے روبرو ذرۂ بے سر و ہاکی کیا نمود اور بحر طولانِ زا کے سامنے قطرۂ بے برگ و لوا کا کیا وجود ؟ مگر کوئی بات نہ مانی اور دیباچہ لکھنے پر مجبور کیا ۔ پیاس خاطر یہ چند سطریں لکھ دیں ۔ امید والا نظرائے بلند خیال اور ہنر پروانِ صاحب کمال سے یہ ہے کہ جب اس پرزہ دوائی کو ملاحظہ فرمائیں اور جہاں کہیں غلطی پائی تو اس کو تصحیح کر کے خاطرِ ذلوت ہوں نہ

ظاهر کننده عیوب :

غلامِ هست آن عارفانِ پاکرم ام
که یک صواب نه بیند و صد خطا بخشند

در امتِ سید المرسلین ، رحمۃ العالمین ،
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اعالیٰ اللہ ہوا قربِ خدا بھی اور اس حد کا
کہ تھا قوسین سے نزدیک تر زانو محمدؐ کا
اسامہ انبیاء وہ ہے ، حبیبِ کبریا وہ ہے
کہ حلِ آدمؑ سے عیسیٰؑ تک رہا ہے جس کی آمد کا
کیا سجدہ ملائک نے اسی کی دیکھ کر عظمت
ودیعت جبہٴ آدمؑ میں تھا جو نور احمدؑ کا
خدا نے سب سے افضل تر کیا اسلاف کو تیرے
خلیل اللہؑ القابِ ہابیوب تھا ترے جد کا
نوازد ہونے ہی حق سے طلب کی بخششِ آست
ادا ہوتا ہے کس سے شکر اس الطافِ بے حد کا
احمدؑ نے اپنے دل میں دی جگہ اسرِ مبارک کو
اشارہ کر رہا ہے دیکھ لو یہ ہم احمدؑ کا
کہاں تھا یہ ادبِ آدابِ ایثارِ جہالت میں ؟
ستارہ عہد میں حضرت کے چمکا سنگِ اسود کا
خدا نے حکمِ حضرت میں کیے ارض و سما دونوں
کہ روشن سب یہ ہے جو حال گزرا شمس کے رد کا

چمک نور میں کی جب کہ افزوں روز و شب دیکھی
 چراغِ عقل گل کیوں کر نہ ہو بولہب مرقد کا ؟

گلِ تر اور شمشادِ جنان ، دونوں کو دیکھا ہے
 نہ یہ ہم سر ہے اس قد کا نہ وہ ہم شکل اس خد کا

شمیر مشک و عنبر سے زمانہ عطر آگیا ہے
 کھلا ہے بیچ شاہد آپ کے زلفِ مجتہد کا

نہ پھر فرطِ ادب سے ہاؤں کوئی خاک ہر رکھنا
 اگر پڑتا زمیں پر سایہ اس سروِ سہی قد کا

در والا یہ کی لوگوں نے ہاں تک جتہ فرسائی
 کہ سنگِ در یہ ہر اک کو گہاں تھا سنگِ اسود کا

نرے نیر کا ادنیٰ ساہاں ہے چرخِ فیروزہ
 فرا تر عرش و کرسی سے ہے گوشہ قبری مستند کا

کسی کو نازِ دوزخ دے ، کسی کو باغِ جنت دے
 پتا اس بحرِ پہنار کے کیا ہے جزو اور مد کا

در اقدس یہ ہے دن رات مجھ کو شغلِ جاویں
 نہ برہم زن کہیں دارا ہو اس عیشِ مخلد کا

اگرچہ منزلِ اول بہت قریب ہے لیکن
 چراغِ راہ اپنا نور ہے حُجبِ مجد کا

یہ ہے اک اسر و جدائی ، سمجھ میں آ نہیں سکتا
 احاطہ کس سے ہو سکتا ہے قیرے شوقِ بے حد کا

در والا یہ آئے ہیں ساجت کر کے درہاں کی
 فرشتوں نے طریقہ مجھ سے سیکھا ہے خوشامد کا

مدینے دم میں پہنچایا مجھے شوقِ حضوری نے
 کہا طے جلد کتنا فاصلہ اس راہِ محمد کا
 وہی ہے پاک دامن جو مشرف ہو زیارت سے
 کہ عصیان سوز ہے فقاہرہ روئے پاکِ احمدؑ کا
 خدا نے ناسخ پر دیں کیا ہے آپ کے دیں کو
 نہ کیوں محکوم اک عالم ہو اس حکمِ مجددؑ کا
 اگر کھلتا ہے تو اسرِ مبارک ہی کے حرفوں سے
 دلِ سرستہ کو میرے سمجھ تو قفلِ اجداد کا
 قبولِ توبہؑ آدمؑ کا باعث جو کہ ٹھہرا تھا
 وہی تو مدعی نامِ مبارک ہے مجددؑ کا
 قوی بنادنا عشر رہے گی حکمِ حضرت کی
 جہاں میں توڑنے والا نہیں ہے کوئی اس سد کا
 شفیع روزِ عشر ہو ، فسیح لار و جنت ہو
 کوئی سے کام وابستہ ہے ہر اک نیک اور بد کا
 کوئی سردار جنت کا ، کوئی کوثر کا ہے ساق
 علوئے مرتبت حصہ ہے تیری آلِ ارشد کا
 تمہاری جمنِ رفعت کی عجب کچھ شان و شوکت ہے
 کہ اس کے گنبدوں میں اک یہ ہے گنبدِ زبرجد کا
 کیا اللہ نے سائند اپنے بے مثال اس کو
 ہوا ہے اور نہ اب ہوگا کوئی ثانی مجددؑ کا

قطعہ

زبانِ ہند کو وقت وہ بخشی تیری مدحت نے
 کلامِ فرس و تازی میں بڑھا ہے لطف جس حد کا
 زبانِ دہلی کی سر مشقِ سخن ہو اصفہانی کو
 اگر کھل جائے جوہرِ ان ہم اس غیرِ سہند کا
 میں ہے آرزو ان تک پہنچ جاؤں کسی ڈھب سے
 درِ اقدس ہے فتحِ الباب میرے اصل مقصد کا
 ولایتِ آلِ احمدؑ دافعِ آفات ہے ہر دم
 بھروسا ہم کو دلہا میں ہے اس قصرِ شہد کا
 تمنا ہے شہیدی کی طرح مجروح کو سولا
 دمِ مردان ہو نظارہ میسر تیرے مرقد کا

مثنوی در مناقب شایزادہ کونین
 سبط رسول الثقلین ، امام دارین حضرت
 ابی عبد اللہ الحسین صلوٰۃ اللہ علیہ و آلہ وسلم
 بہ ”گلِ صد برگ“

لو موسمِ گل ہوا جہاں گیر
 دیوالوں کی ٹوٹی ہے زنجیر
 سب باغِ گلوں سے لالہ گوں ہے
 نشترِ شکرِ رگِ جنوں ہے
 دہوائے جو دشت کو چلے ہیں
 یہ جوشِ جنوں کے ولولے ہیں
 ہاں آتشِ شوق کیوں لہ ہو تیز
 یہ فصلِ عجب ہے آرزو خیز
 جو مژدہ رساں ہمار کی ہے
 آواز وہ آبشار کی ہے
 موسم تو عجب ہے رنگ لایا
 ویرانے کو باغ کر دکھایا
 نیرنگ ہوا کا کیا بتائیں !
 گل ہو جو چراغ کو بھائیں

یہ جوشِ نگو کا دیکھا آثار
 ہیں بھولوں سے پہلے پہل نمودار
 ہو سبز ہوا سے بے تامل
 کل کا بھی اگر بنائے کل
 اس ایر میں کیا اثر بھرے ہیں
 دیکھو کلِ زخم بھی ہرے ہیں
 پڑتا ہے جو عکسِ لالہ انزوں
 ہانی کا بھی رنگ ہے شفقِ گوں
 یہ فیضِ نگو کا دیکھ انداز
 جھون کے ہوا ہے سبزہ آغاز
 خوشبو سے بھرا ہے باغ اتنا
 اب سچ ہے خلا محال کہنا
 از بسکہ مہا ہوں منت ریز
 ہے خاکِ چمن کی عنبر آمیز
 یہ فیضِ نگو سے ہے ابھرتا
 کل سرو کی ہماری ہے کرنا
 ہے سرو بھی مائلِ قدرِ یار
 آزاد بھی ہو گیا گرفتار
 ہماری گو کمرے ہے منیر فریاد
 شمشاد بھی ان دلوں ہے یہ شاد
 انزوں لالہ اس قدر ہے
 دب جائے نہ گوہ ، یہ خطر ہے

لالہ کے یہ عکس نے لکھارا
باقوت ہوا ہے کسوِ غارا

کیوں باغ میں جانے کوئی انسان
جب آئے صبا بھی گل ہدا سناں

ہروا نہ کس طرح ہو بلبل
سرسبز ہوا ہے شمع کا گل

ہوتا ہے نقاب روئے گل ہر
بالمدہ ہوا یہ سبزہ تر

اب باغ جو لالہ زار ہے یہ
گنجینہ صد چار ہے یہ

ہر فصل نیا ہے گل کھیلاتا
رنگینِ طبع ہے دکھیلاتا

لکلی ہیں طرح طرح کی کلیاں
بلبل کی بجا ہیں رنگ و لہماں

پھولوں سے بھرے ہیں سب خیاباں
ہر گل کی لپٹ ہے عطر الشاں

صنعت سے نہیں ہے کوئی غالی
ہر پھول کی وضع ہے نرالی

ہے سرخ کوئی ، کوئی بسودی
ہے رنگ کسی کا لاجوردی

جس پھول کو دیکھو ایک ہارا
صنعت ہو خدا کی آشکوا

وان جو ہے سو دلگ ہو رہا ہے
 کیا باغ میں رنگ ہو رہا ہے
 گھنگھور گھٹائی چھا رہی ہیں
 کیا سرد ہوائیں آ رہی ہیں
 سرخان چمن کے چہرے ہیں
 اور کبکِ دری کے تہقے ہیں
 بلبل کا وہ منہ ہے منہ سلاسا
 شرما کے کلی کا سکرالا
 گلشن میں سا دکھا رہا ہے
 عشاق کو لطف آ رہا ہے
 طوطی کے ترانہ شکر ریز
 بلبل کے وہ نغمہ دل آویز
 حضار کا ہوش کھو رہے ہیں
 اور نخل یوں محو ہو رہے ہیں
 سرسبز ہوا ہے نخلِ تصویر
 کیا بادِ بہار کی ہے تاثیر
 ہے جوش میں اس قدر رطوبت
 کر دی ہے کم آگ کی حوریت
 گلِ پروش کیا ہے سب زمیں کو
 دیکھو تو نہالِ آتشیں کو
 ستانہ غضب ہے چل رہا چال
 طاؤسِ زمردیں ہر و بال

رقاصی کا اس کی دھکے الٹا
ہے لب بہ گلوں کے خندہ ناز

اس اس سے میں بہت تھا حیراں
کیوں ایسا ہے یہ خوشی کا سماں
دل نے کہا : گو نہیں ہے آگاہ
ہے روزِ ٹوٹدِ شہنشاہ

وہ راہ نمائے دین و ایمان
وہ سبطِ لیلیٰ ، اسرارِ دوراں
وہ نورِ دو چشمِ مرتضیٰؑ کا
اسوارِ وہ دوشِ مصطفیٰؑ کا

وہ حضرتِ فاطمہؑ کا لرزد
وہ دودہٗ ہاشمی کا دل بند
وہ گوہرِ مخزنِ رسالت
وہ جوہرِ معدنِ جلال

نویاۃٗ گلشنِ سیادت
گلشنہٗ روضہٗ اہلبیت
سرچشمہٗ لطفِ لائقِ انبیا

کنچہٗ رحمتِ الہی
وہ صاحبِ ائقا و تطہیر
وہ حجتِ حق ، جنابِ شہبیر

حقِ دوستِ حسینؑ ما کہاں ہو
جو ماں کے شکم میں حملِ حواء ہو
وہ صاحبِ ائقا و تطہیر
وہ حجتِ حق ، جنابِ شہبیر

تابندہ عرش تھا جو اختر
 اب اس سے ہوتی زمیں مشور
 جلیبِ خفا تھا جس کا ستر
 وہ نور ہوا سیوں پہ ظاہر
 سردار جناب ہوا تولد
 مختار جناب ہوا تولد
 تھا حکمر خدا یہ از روِ سہر
 دایہ بنے لعبہ کمن چہر
 حاضر ہوئیں حوریاں جنت
 سولود کی تا کریں وہ خدمت
 تھا حکم کہ بے طلب نہ جانا
 کاشانہ ہے سیدالتسا کا
 اس در سے جب اذنِ بار پائیں
 جبریل بھی لب قدم بڑھائیں
 وہ خاک پہ جب ہوا قدم زدن
 گھر ہو گیا بے چراغِ روشنت
 روشنت ہوا نورِ حق سے سب گھر
 اور ہام سے تا بہ درِ مشور
 اس حسن کی کیا بیان ہو عظمت
 تھی شمع و چراغ کی نہ حاجت
 تھی چہرے سے یہ تیراوشِ نور
 پڑتا تھا گہاں شعلہ طور

کاشانہ خاص شاہِ مردان
تھا اور جہیں سے شرقستان

ہو روئے حسیں جو نور افشان
چھپ جانے فلک یہ مہرِ تابان

پلے ہی جو لوشِ جان کیا تھا
وہ آبِ دہانِ مصطفیٰ تھا

جو وحیِ خدا تھے لانے والے
جھولے کے تھے وہ جھلانے والے

منظور تھی زینتِ تنِ پاک
جنت سے خدا نے بھیجی ہوشاک

جبریلِ امیں زمیں یہ آئے
اور فرجِ ملائکہ بھی لائے

آئے دُرِّ احمدیؑ یہ شادان
مولود کے سب تھے تہیتِ خواب

ان کے ہی سبب ہوا یہ الفضل
فطرس کو عطا ہوئے ہر و بال

مبذول تھا ان یہ لطفِ داور
دو ٹکڑے نہ کسی طرح ہو گوار

یہ مرقبہ پائے گا کوئی کب
جس کا کہ بنے رسولؐ مرکب

ہر ایک طرح وہ ذاتِ عالی
تھی مہبطِ لطفِ لایزال

ہیں جمع سؤرخیت اس ہر
 حضرت ما نہیں کوئی دلاور
 جامع تھے شجاعت و سخا کے
 دریا ہی بہا کیے عطا کے
 اس ہڈل و - نوال میں سراسر
 محتاجوں کو کر دیا تولکر
 وہ دست کرم جو ہو دم ویز
 ہو جائے زمیں کی خاک زر ویز
 ہے ہوجھنا کیا بہادری کا
 رہتے تھے سدا نبرد آرا

ق

اور واقعہ کر بلا ہے مشہور
 ہے السنہ جہاں یہ مذکور
 کیا زور بہادری دکھایا
 لاکھوں سے ہراس کچھ نہ آیا
 تھی کس کو مقابلے کی طاقت
 واں ورئے میں آتی تھی شجاعت
 روہاء و شوں سے کب ہو پابند
 ہو شیر خدا کا جو کہ فرزند

تھا بغض یہ فوجِ اشقیاء کو
پانی نہ دیا شرِ بدئی کو

چوبیس پہر کی جس کو ہو یہاں
کچھ جنگ ہے اس کو ہو نہ وسواس

اس حال میں جنگِ فوجِ شر ہے
باہر ہے یہ طاقتِ بشر ہے

خلاق نے 'خلق' وہ دیا تھا
غیروں کو عزیز کر لیا تھا

گفتارِ شکرِ فاشاں سے ہر بار
تھا 'خلقِ عہدی' نمودار

بے چاروں یہ واعظ کی راہی
مسکینوں یہ لطف کی نگاہی

اللہ نے دو جہاں کی خوبی
سب آلِ نبیؐ پہ ختم کر دی

کیا اس کی صفات کا ہو پایاں
ممدوحِ رسولؐ ہو جو ذی شان

ہر موئے بدن اگر زباں ہو
تو بھی تو نہ وصف کچھ بیان ہو

القصہ یہ روزِ عشرتِ انزا
طالب ہے سرور و خیر کا

ہے حق بھی خوشی ، رسولؐ بھی خوش
حیدر بھی ہیں خوش ، بتول بھی خوش

ان کے جو عجب ہامنا ہیں
 وہ اہل جہاں سے خوش سوا ہیں
 ہر ایک کی خاطر طرب خیز
 ہے فرطِ خوشی سے زمزمہ ریز
 جو ہے سوشلٹ کے قریں ہے
 یہ روزِ نو عیدِ سونیں ہے
 گر اور نہ دست گاہ پائیں
 تو صلِ علی ہی لب پہ لائیں
 اب لاکھ نیاز و التجا سے
 ہے عرضِ اسارِ دو سرا سے
 مجروح کو یہ صلہ عطا ہو
 ہو خاکِ تو خاکِ کرپلا ہو
 سر پر مرے حشر میں خدایا
 ہو ہرچہر احمدی کا سایا

قصیدہ در مناقبِ امام العصر والزمان ، خليفة الرحمن حضرت امام مہدی علیہ السلام

خاک ہوں کو جگر و دل مگر اے ضبطِ فداں
دیکھنا آتشِ حس ہوش سے اٹھتے نہ دھواں
کر دیا مجھ کو الگ غیرِ معبودِ اس نے
دل ہی کچھ اس کے سبھتا ہے اشارتِ نہاں
ہم سہری آس دہنِ تنگ سے کس طرح کرتے
غنجہ ظاہر میں تو خوشبو ہے یہ وہ بات کہاں
میں جو کہتا ہوں تجھے قتل ہے میرا منظور
کس صفائی سے وہ بے ساختہ کہتا ہے کہ ”ہاں“
دل مرا توڑتے رہتے ہو جو پر بات یہ تم
کیا کہیں اس کو معبود رکھتا ہے اپنا بہاں
پردہ ہی یار کا بہتر ہے کہ چوں شبیم و سہر
وہ اگر سامنے آئے تو یہ بے تاب کہاں !
حسن وہ شے ہے کہ ہر رنگ سے کھڑا ہے ظہور
مثلِ خوشبو ہو اگر سینکڑوں پردوں میں نہاں
چستجو اس کی ہو کیا اور پتا کیوں کہ ملے
وہ تو ہے حسن کی بخوت سے خدا جلتے کہاں

جہد لازم ہے ہر اک کام میں ، گر غور کرو
 نہ تو مشکل کوئی مشکل ہے ، نہ آسان آسان
 بے سبب مجھ کو غمنا ہو کے نکلا گھر سے
 واہ صاحب ! یہ مرا خوب نکلا ارمیاں
 باد رہتی ہے فقط نام سے ، دیکھ عناق کو
 نام رہنے کے لیے اس نے مٹایا ہے نشان
 ناتواں دل یہ مرا ، اس کے ستم کی بوچھاڑ
 کیا بسر کیجیے ہے جمیع شدتیں یہاں
 خوش دل کے ہم اسباب کا ہونا معلوم
 دل کہاں ، وقت کہاں ، عمر کہاں ، یار کہاں ؟
 دلِ عاشق کے سوا کس کو سزا ہے اس کا
 غنڈہ زہریلی میں جو حالات ہے نہاں
 دیکھ کر یار نے خوش مجھ کو لعوب سے کہا
 کیا سبب ہے کہ تجھے دیکھتے ہیں ہم شاداں
 میں نے تب اس سے کہا ، کیا تجھے معلوم نہیں
 آج ہے اس کی ولادت کی خوشی کا سماں
 کہ جو ہے لختِ دل احمدؔ و زیبراؔ و علیؔ
 حاکمِ خلقِ خداؔ ، پشتِ ہنارِ دو جہاں
 وہ ولیِ الہیؔ ولیِ یمنیؔ محمدؐ مہدیؑ
 جس کی ہے ذاتِ مقدس شرفِ انزائے جہاں
 تجھ میں وہ اخترِ مسعود ہوا ہے طالع
 جہذا اے شبِ یکِ لیمہؔ ماہِ شعبان

دافعِ جور و ستم ، رافعِ اعلامِ ہدا
 لایزالِ شرکِ خدا ، ماحرِ ظلم و طغیان
 وہ شہنشاہِ جہاں ، روزِ ازل سے جس کا
 ہے لقبِ منتظر و قائم و مہدی زمان
 حافظِ علمِ یقی ، عالمِ تحریرِ چہیں
 شارحِ علمِ نبیؐ ، کاشفِ سرِ فرقان
 آیدِ رحمتِ حق اور اسمِ برحق
 شافعِ روزِ جزا ، ہادیِ راہِ ایمان
 مدحتِ شاہِ میں لکھ مطلعِ ثانی اے طبع
 ہاں نوا منج ہو اے طوطیِ دلکشِ احباب

مطلع

جس کے ہوں درگاہِ اقدس کے ملائک دربان
 اس کو کیا کہیے فلکِ منظر و کیوانِ ایوان
 ایک ہی نورِ مقدس ہیں لی اور اسم
 وہی اک فیض کا چشمہ ہے بہاں ہو کہ وہاں
 ایک ہی نور سے پیدا ہوئے چودہ معصوم
 کیوں نہ ہو نورِ نبیؐ چہرہٴ اقدس سے عیان
 سب یہ ہیں واقعہٴ گنجینہٴ اسرارِ ازل
 سب یہ ہیں مظہرِ الطافِ خداوندِ جہاں
 ہیں یہی بساعتِ ایجادِ زمین و افلاک
 ان کے ہی خوانِ کرامت یہ ہے عالمِ مہاں

آپ کی ذات نہ ہوتی تو نہ ہوتا کوئی
 آپ کے فیض سے مربوط ہیں ارکانِ جہاں
 بقدری آپ کے جب حضرت عیسیٰؑ ہوں گے
 سب یہ کھل جائے گا تب آپ کی عظمت کا نشان
 اور یہ امر بھی تحقیق بخوبی ہوگا
 کہ جو منصب ہے اسامت کا، نہیں کچھ آسان
 اک مجددؑ یہ ہوتی ختم رسالت حق کی
 ایک کی ذات ہوتی ختم اسامت کا نشان
 کون دلیا میں ہے ہم پہاڑِ آلِ احمدؑ
 جن کی الفت کو خدا نے کیا جزوِ ایمان
 ہادیِ راہِ ہدایا، سرورِ اقامِ کشا
 اسرارِ دارلن میں ہیں آپ سلالتِ زمان
 جلد دریائے ہدایت کی روانی ہو جائے
 خس و خاشاکِ ضلالت سے ہے لبریز جہاں
 جلد اب جلوۂ جلالِ بختی دکھاؤ مولا
 میں بھی اور ہوں مرے ماں باپ بھی تم پر قربان
 نور آگیں جو یہ ظلمت کدۂ دنیا ہو
 سہرِ تابان کی طرح چہرۂ الدس ہو عیاں
 منکرِ غیبتِ حضرت جو ہیں اکثر جہلا
 یہ مثلِ ان کو سنائیں کہ عیاں را چہ یاب !
 آرزو دل کی یہی ہے قدمِ حضرت سے
 جلد تر تختِ حکومت کی بڑھے عظمت و شان

اہل عدوان کی قہیہ کو اے خاصہ رب
 ہوں گے جب زیبِ دوِ اشہبِ گردوں جولان
 ہوں گے فی السار سبھی تیغِ بد القہی سے
 اسی تلوار کا جوہر ہے قیامِ ایمان
 فوجِ حضرت سے نہ کسی طرح گریزاں ہوں عدو
 سامنے مہر کے تھم سکتی ہے خفاش کہاں
 جمعِ اسبابِ بغاوت میں ہے گو غرقِ عدو
 اس کے بھی رفعِ حوائج کا یہاں ہے سامان
 ہو اگر بھوک تو کھانے کو ہے شمشیر کا بھل
 اور جو ہو پیاس تو موجود ہے آبِ ہسکل
 فتح کسی طرح نہ ہو پیشروِ لشکر دیں
 ہے نشانِ فوج کا گویا مددِ حق کا نشان
 ہو ادھر قلعہ آہن تو سرک جاتے وہیں
 ہو جہدِ شدہ کشا پرچمِ نصرتِ عنوان
 داستانِ رستمِ داستان کی فراموش کرے
 فوجِ حضرت کا کوئی دیکھ لے گر ایک جوان
 اے خوشا آپ کا وہ عہدِ ہدایت فرجام
 جس میں مشرک کا ملے گا نہ کہیں نام و نشان
 شرکِ ناپائیدار یہ ہوگا کہ کہیں گا ہر ایک
 بت تو بت خانے میں ملتے نہیں ، ملتی ہے اذان
 رشہ دالہ تسبیح بنے گا زنار
 دستِ کفزار سے ناقوس بھی ہوگا نالان

جب یہاں غورِ دارین ہو حاصل تو پھر
 جھوٹ کر اس درِ دولت کو گدا جائے کہاں
 دامنِ طمع کو اک دم میں کرے سالامال
 ہو دُور ریز جو اس کا کفِ گنجینہ فشان
 نزع کی عہ کو کشاکش ہے چھانا سولا
 مشکلیں آپ کیا کرتے ہیں سب کی آسوں
 آپ کی مدح کی کب تاب زبان کو میری
 سہرِ پُرنور کہاں ، ذرۂ لاجیز کہاں !
 ہے ادب مانعِ انصافِ سخن لے مجروح
 اب دھائے شہِ والا یہ کرو ختم یہاں
 تاکہ ہو بادِ بحرِ مروجہ چٹانِ چمن
 تاکہ ہو نگہتِ گلِ عطرِ فروشِ بہتان
 تاشکفتہ ہوں گلِ ولالہ و نسربین و سن
 تاکہ ہو بادِ بہاری چمنِ آرائے جہاں
 بسنرِ گلِ یہ ہوں آسودہ عینانِ حضور
 خارِ حسرت کی کوٹک ہے رہے دشمنِ نالاب

در مناقبِ حضرتِ موصوفِ الذکر

گل کھل رہے ہیں ، باغ میں جوشِ بہار ہے
 بتا ہے بھول کر کہیں اُڑتا شہار ہے
 اب کے دیا بہار نے یہ رنگ و بو کو زور
 خود گل یہ رنگِ فرطِ نراکت سے ہار ہے
 جزوِ کدورت ایسا کیا ابرِ تر نے صاف
 گتھے میں جو کہ ہو ہے نہاں ، آشکار ہے
 بادِ صبا ہے کما نفسِ عسوی اثر
 جو شاخِ نخلِ خشک پُر از برگ و ہار ہے
 ارژنگ کی مصوّر قدرت نے سب زمیں
 مصروفِ کار کلکِ ہدایع نکار ہے
 جو جائے شورہ کار تھی واں گل ہیں کھل رہے
 جس جا کہ خارزار تھا واں لالہ زار ہے
 سودائیوں کو کہیں نہ ہوں شورشِ لڑائیاں
 جو سر میں ہے جنوں وہ چمن میں بہار ہے
 گل کا غضب بہار سے نکھرا ہوا ہے رنگ
 بلبل کا کیا قصور اگر بے قرار ہے
 عاشق بھی اب کے فعل میں خالی نہیں رہے
 داغوں سے ان کا سینہ پُر از لالہ زار ہے

جو گل کہ کھل رہا ہے وہ شیشی ہے عطر کی
 جو لہجہ ہے وہ لافہ مشکِ تنار ہے
 یہ دلبری ہے سرو میں اور گل میں دل کشی
 قمری رقیبِ بلبلِ شوریدہ کار ہے
 بلبل ہزار جان سے ہے مبتلائے گل
 گل چپ کا اس کو باغ میں آنا بھی خار ہے
 خواہاں رنگ و بو ہے ضعیفی میں بھی یہ دل
 اس آتشِ فسرہ میں اب تک شرار ہے
 گل میں نے جا کے باغ میں دیکھا کہ زیب ہیں
 صحتِ چمن نمونہ روئے لکار ہے
 دل سے کہا یہ میں نے کہ اے خضر ، راہبر
 اس درجہ اب کے کس لیے جوشِ بہار ہے
 سن کر کہا یہ دل نے کہ اے تنک عقل و ہوش
 تو اس قدر بھی کیا نہیں آگاہِ کار ہے
 ایام ہیں یہ اس کی ولادت سے مقرب
 دنیا میں جو کہ رحمتِ پروردگار ہے
 پیدا ہوا وہ افضلِ عالم جہاں میں
 نا حشر جو اسمِ ذوی الاقدار ہے
 الحق کہ لطفِ حق کی جہاں میں ہوتی نمود
 اب باغِ دہنِ مصطفوی کی بہار ہے
 اس کے قدم سے آج جہاں کو ہوا فروغ
 خود ذات جس کی خاتمِ ہشت و چہار ہے

یعنی امام مہدی ہادی کہ جس کی ذات
 رہبر ہے ، پیشوا ہے ، ہدایت شعار ہے
 وہ ”در“ درجِ عظمت و بحر فیوضِ حق
 وہ جس کی ذات مفتخرِ روزگار ہے
 تختِ دلِ رسول و جگر گوشہٴ بتول
 شیرِ خدا کا دہر میں وہ یادگار ہے
 وہ آفتابِ عز و جلالت کہ جس کا نور
 ہر ذرۂ حقیر پہ غور شد بار ہے
 مطلع لکھا ہے مدح میں اس آب و تاب کا
 شرمندہ جس سے سلکِ ”در“ شاہوار ہے

مطلع

کچھ جنت و انس پر نہیں موقوفِ کار ہے
 اس در کا جبرئیل بھی خدمت گزار ہے
 الحق کہ آپ لطفِ خدا ہیں جہان میں
 فیضِ قدم سے گردشِ لیل و نہار ہے
 چاہو جسے نعمِ دو ، چاہو جسے جہنم
 گھر میں خدا کے آپ کو سب اختیار ہے
 مختص خدا نے تم کو اولوالامر میں کیا
 طاعت تمہاری طاعتِ پروردگار ہے
 آئینوں پر نہ کیونکہ پھرے گردِ آسماں
 میری طرح حضورِ ہم یہ بھی نثار ہے

میدانِ بہشتِ شہِ والا میں یہ فلک
 استادہ اک بہ چوہہ زریںہ کار ہے
 کشور کشائے مشرق و مغرب نہ کیوں ہوں آپ
 اول ہی سے یہ مصلحتِ کردگار ہے
 غالب ہر ایک دیں یہ ہو دہنِ رسولِ پاک
 ہوگا وہی جو مرضیٰ ہروردگار ہے
 رہتے ہیں کام ہی میں سدا دستِ حقِ پرست
 گوہرِ نثار ایک ہے ، اک گنجِ ہار ہے
 جاتا ہے رائیگاں ہی یہاں گنجِ شائیکاں
 حضرت کی بخششوں کا بھلا کیا شمار ہے
 تسکینِ فزائے مضطرباں ہے یہ عدلِ شاہ
 سیابِ آگ پر بھی نہیں بے قرار ہے
 حضرت کے اخلاص میں ہے یہ بہید ، تا کھلے
 راہِ یقیب میں کس کا قدم استوار ہے
 دکھلاؤ جلد چہرہٴ عالمِ فروز کو
 خادم جو آپ کے ہیں الٰہی انتظار ہے
 چمکاؤ آفتابِ عدالتِ جہان میں
 مصروفِ جور و ظلم ہر اک لیرہ کار ہے
 رخ سے نہ کیوں ہو دہدہٴ چہری عیاں
 کٹ رکش کمر میں وہی ذوالفقار ہے
 کس طرح سے جلو میں نہ ہو نصرت و ظفر
 بابِ شاہِ لافانی کا وہی ورثہ دار ہے
 کب مورچوں کے غول بھیں زیرِ ہائے ہیل
 کیا نعم ہے گر سپاہِ عدو بے شمار ہے

ہرچم کشا جدمر ہو نوائے ظفر نسب
 جس کی سنو وہاں سے جدا الفرار ہے
 کیا ہے سپاہِ شاہ جو ظاہر میں ہے قلیل
 فوجِ ملائکہ تو یمن و یسار ہے
 کس طرح سے وہ طائرِ چاب کو بھا سکے
 حضرت کا جو خدنگ ہے دشمنِ شکار ہے
 وہ تخت ہے اگر تو سلطانِ وقت یہ
 جیسا کہ راسوار ہے ویسا سوار ہے
 کیا تاب شیرِ شرزہ کی آگے جو آ سکے
 پہلے ہی اس کو آپ کے ڈر سے بھار ہے
 کیوں کر تمھاری شانِ جلالت کا وصف ہو
 الکف یہاں زبانِ مدیحت گزار ہے
 مجروحِ دادخواہ ہو کس سے بجز حضور
 عقدہ کشا ہیں آپ تو یہ ہستہ کار ہے
 اب دقتوں کو غم کرو اس غلام سے
 کون اس کا جز حضور کے حاجت ہراز ہے
 اب ختم ہے ، زبان یہ آئے نہ کیوں دعا
 شاہا تری دعا یہ اثر بھی نثار ہے
 جب تک ثبات ہے فلکِ سبزہ رنگ کو
 جب تک جہاں میں گردشِ لیل و ناز ہے
 احباب تکیہ زن ہوں بساطِ نشاط پر
 دشمن تو عمر بھر سے سدا سوگوار ہے

در مناقب ممدوح الصدر

باد گل ہو و عطربار ہے آج
صبح آئینہ ہمار ہے آج
آسمان پر شفق کی سرخی ہے
کیہل رہا باغِ لالہ زار ہے آج
سہری کچھ جھلک ہے باران میں
آبِ آتش ہے ہم کنار ہے آج
ہیں نواسنج ہبلانِ چمن
گل ہم شبنم گہر نشا ہے آج
نہیں تسبیحِ خوانِ فقطِ منجھ
حسد میں تر زبانِ خسار ہے آج
بے دوا ہو گئے مہیضِ ایمنے
کچھ ہوا ایسی سازگار ہے آج
ہر نسیمِ شمال کا جھولکا
فرحت افزائے جانِ زار ہے آج
ایسے موسم میں ساقیِ مسہ و ش
ہوادہ لا ، رغصتِ ہمار ہے آج
وہ مٹے لالہ رنگ و عصیان سوز
جس کا مستون کو انتظار ہے آج

کچھ سداوت کی نہیں حاجت
 شیخ خود سے کا خواستگار ہے آج
 وہ منے حسبِ آلِ مصطفوی
 جو کہ سرخوبِ دین دار ہے آج
 اور خصوصاً پھر ایسا روزِ سعید
 جس میں سرورِ کردگار ہے آج
 روزِ میلاد اس کا ہے جس سے
 ہوئی تکمیلِ ہشت و چار ہے آج
 وہ تولد ہوا زمانے میں
 جس کو دنیا کا اختیار ہے آج
 وہ تولد ہوا کہ جس کے سبب
 حصنِ دین اپنی حصار ہے آج
 وہ تولد ہوا جو دنیا میں
 لائبِ آفریدگار ہے آج
 وہ تولد ہوا کہ جس کی ذات
 باعثِ اس روزگار ہے آج
 اس ہد کا ہے ظہور ہوا
 جو ہد کا یادگار ہے آج
 یعنی حضرت ہدیٰ مہدی
 جو زمانے کا افتخار ہے آج
 اس کے پاؤں سے یہ شرف پایا
 کہ زمینِ آسمان وقار ہے آج

'ہرج ہارہ جو ہیں اسامت کے
 ان کا اس طرح سے شمار ہے آج
 ہارہوں ہرج کا جو صاحب ہے
 چمکا وہ سہرِ نور ہار ہے آج
 مومنین کیوں لبہوں مسرت منج
 خوش دلی خود گلے کا ہار ہے آج
 راہ ہائی نہیں فسرہ دلی
 غمِ سی کا یہ انثار ہے آج
 جلد جلوہ دکھاؤ یا مولا
 صرف رہ چشم انتظار ہے آج
 پڑھو صلوات اور درود ہم
 کہہ بھی بہترین کار ہے آج
 ہے کھلی راہِ خیر، بند جو ہے
 وہ زبانِ زبوں شعار ہے آج
 کارِ دنیا میں تجھ کو اے مجروح
 فکرِ آئندہ کیوں بکڑ ہے آج
 وہ تو قائم رہے گا تا محشر
 جو سرا آرزو ہرار ہے آج
 اس کو بھی ہائے قبول ملے
 عرض کرتا جو خاکسار ہے آج
 اے جلدی نجات دو مولا
 جن ہکھڑوں میں جانِ زار ہے آج

اب دعا ہے کہ ہو سدا سرور
جو کہ حضرت کا دوستدار ہے آج

اور سدا دشمنِ زیورِ سیرت
رہے ویسا ہی جسے خواہ ہے آج

در مناقب حضرت ممدوح الصدر

اہنا جوہر یہ کیا بادِ بہاری نے عیاں
 شجر خشک بھی گلشن میں ہوا گلِ اشیان
 ہے زمیں جوشِ گل و لالہ سے ہم رنگِ چمن
 دشت ہے سبزۂ لوزیز سے رشکِ بستان
 اہر نے صاف کیے جزوِ کدورت از بس
 کیا عجب دل کے نظر آئیں اگر رازِ نہاں
 بوجہ سے قطرۂ شبنم کے گرا پڑا ہے
 گل میں افراطِ نراکت سے ہے یہ تابِ کہاں
 تازگی بخشی موسم سے تعجب کیا ہے
 زندہ ہو جائے اگر دیگ میں مرغِ ہریاں
 تم کو اس فصل میں گر میرِ چمن ہے منظور
 نذر کو پہلے سے لے آئیے باغِ رضوان
 ہے خم و پیچ میں وہ سنبلِ تر سے افزوں
 آج گلِ منقلِ آتش سے جو اٹھتا ہے دھواں
 دیکھ لو آبِ رواں صاف ہے آئینہ مثال
 سچ کہا ہے یہ کسی نے کہ عیاں را چہ عیاں !
 کیا عجب ایر سے گر سبز ہو للوار کا پھل
 کیا عجب ناسیم سے تازہ ہو گر شاعرِ کہاں

اللہ اللہ وہ سرین و سمن کی لہیں
 عطر آلود ہوا جس سے مشامِ انسان
 بسکہ اس فصل میں گلزار کی آرایش ہے
 سرو کے پاؤں میں خلخال ہوا آبِ رواں
 شمع خاموش جو ہوتی ہے تو گل ہوتی ہے
 کیوں نہ پروانہ صفت اس پہ ہو بلبل قربان
 ہے گل سرخ کے نزدیک بہارِ سنبل
 دیکھ لے آئینہ گل کا جو نہ دیکھا ہو دھواں
 دیکھ کر یہ طرب افزائی فصلِ نوروز
 یہ کہا دل سے کہ اے کلیدِ عقل کی جانب
 یہ زمانے میں ہمیشہ سے رہا ہے دستور
 ہے کبھی فصلِ بہار اور کبھی فصلِ خزاں
 اب کے کیا سالحدہ تازہ ہوا ہے حادث
 جس سے اس درجہ ہوا عیش و طرب کا سامان
 سن کے یہ بات سری سخت تعجب کر کے
 یوں کہا دل نے کہ سن اس کا سبب اے ندادن
 مقتون اب کے ہے اس فصل سے اس کا مولود
 جو ہے اس دائر فنا کا سببِ امن و امان
 ہادیِ اہلِ جہان یعنی محمد مہدی
 قرةالعينِ نبی ، جلالتِ علیہ السلام
 وہ جگر بندِ حسن ، چشم و چراغِ زہرا
 وہ گلِ تازہ گلزارِ حسینِ ذی شاد

وہ کہ ہوتا نہ زمانے میں اگر وہ قائم
 ہونے معدوم بعض شش جہت و چار اڑکھ
 وہ کہہ ہیں جس کے درِ پاک کے خدام ملک
 وہ کہہ دلیا میں ہے جو حجتِ خلاقِ جہاں
 نورِ شمعِ احدی ، مظہرِ ذاتِ صدی
 اشعہ "سہرِ ولا ، لہمہ" طورِ عرفاں
 سن کے یہ مژدہ جاں بخش بہت غوش ہو کر
 مطلقِ مدحتِ ظاہر میں ہوا رطبِ لسان

مطلع

جاوہ دکھلائیے اب جلدِ اسامِ ذی شان
 منتظر کب ہے غلاموں کی ہے چشمِ نگران
 سرد سہری میں زمانہ ہے نہایت سرگرم
 ہردہ ابر میں تاجند رہے سہرِ نہاں
 ظلمتِ جہل نے عالم کو کیا تیرہ و نار
 نظرِ سہر سے چمکائے نورِ ایمان
 زندگی شخصِ جہاں کی ہے تمہیں ہر موقوف
 جان کی طرح ہے گو آپ ہیں نظروں سے نہاں
 "بت کریں کلمہ" توحیدِ زباں سے جاری
 آئیں جنبش میں جو تیرے لبِ اعجاز یسار
 دستگیرِ ضلعا ہو جو ترا بازوئے عدل
 دہنِ شیر میں آہو کو ملے جائے اماں

سجھے کچھ اس میں ہے یہ داغ سیاہی کیسا !
 جبہٴ ماہ میں ہے شد کی علامت کا نشان
 اس درِ پاک کی رفعت نہیں ہوتی معلوم
 ڈھونڈتے پھرتے ہیں بڑے بڑے کہتے وہم و گمان
 جوشِ زلفِ قلزمِ مدحت ہے نہایت جی میں
 کیوں نہ ہو مطلعِ ثالث سے ”دور ریز زبان“

مطلع

خالداں کا ترے کیا وصفِ جلالت ہو یہاں
 سہدِ جنابِ ترے جد کا ہے اسیرِ یزداں
 نرغ کی آپ کی الفت ہے خدا نے سب پر
 میرے اس قول کا ہے شاہدِ عادل قرآن
 جو کوئی آپ کا پیرو ہے وہی ہے ناجی
 کشتِ نوح سے جو اترے وہ جائے گا کہاں
 آؤ اے طالبِ حق ! کیوں ہو بھٹکتے پھرتے ؟
 وہیں ایمان ہے وہ ذاتِ مبارک ہے جہاں
 نہ تو جمشید سے مطلب ہے نہ دارا سے غرض
 جزدِ آلِ نبیؐ اپنا ٹھکانا ہے کہاں
 جاننا اپنے اسموں کا ہے سب پر واجب
 آپ کو جو کہ نہ جانے وہ میرے ہے ایمان
 اے ولیِ ابنِ ولیؐ ، نورِ چراغِ ازل
 طالبِ دید کو دکھلائیے روئے رعشان

تاکہ ظلمت کدہ چہل سے ہو کر آزاد
 مقبوس نور ہدایت کے ہوں سب اہل جہاں
 جتنے ظالم ہیں وہ سب رہتے ہیں لغزوں میں گئے
 عدل و انصاف کی ہے ہاتھ میں تیرے میزبان
 جلد دکھلائیے اب زور ہدایت کو
 منتظر ہاتھ میں لینے کی ہے تیغِ دو زبان
 ہوں سزایاب مضلینِ شرارت ہمیشہ
 دیکھ لیں کیفرِ کردار کو اہلِ طغیان
 دو ہر کہے خلاق نے ایسے پیدا
 جن سے وابستہ ہے سب سلسلہ کون و مکان
 ایک وہ صاحبِ لولاک و سپرِ افلاک
 کہ ہوا جس کا قدم باعثِ ایجادِ جہاں
 دوسرا وہ ہے کہ اس ذاتِ مقدس کا ظہور
 آمدِ محشرِ ماعود کا رکھنا ہے نشان
 الغرض اول و انہام کے دیکھنے سے کھلا
 خاندانِ نبوی کی ہے عجب عزت و شان
 خسرو! دادگرا! دینِ پناہ! شاہا!
 اہلِ عصیان کے لیے در ہے تیرا دارِ اسان
 عرضِ مقبول ہے اس ذرۂ ناچیز کی ہو
 اے کہ تو اوجِ اسامت ہے مہرِ رخشاں
 وا کرو پھر شفاعت لبِ اعجاز کا
 غنہ زن کا ہوں ثوابوں ہے ہمارے عصیان

اٹھے اس بندہ مجروح سراپا غم سے
 اہل دنیا کا نہ الہوائیے بارِ احساں
 دہر کہوں کشتِ مینا کی ہے سیرابی میں
 ابرِ دربار ہے تیرا کفِ گنجینہ فشاں
 تیرے اوصافِ محاسن ہیں یہاں سے باہر
 بحرِ ہر شور کی کوزے میں سہاں ہو کہاں !
 ہے دعائیہ حضرت یہ اب امامِ مہین
 تشہیدِ فکر کی کس طرح نہ رک جائے عیاں
 تاکہ ہو نعلِ پہاڑی سے چمن آرائی
 تاکہ نوروز سے ہو رونقِ باغ وستان
 کلِ مقصودِ محبتوں کا شگفتہ ہو سدا
 اور ہو باغِ مہمانے عدوِ وقتِ خزاں

قصیدہ در مدح حضور مہاراجہ شیودان سنگھ صاحب بہادر والی ریاست الور

یہ تو بہ لب پہ کیا آنے کے دن ہیں !
خوشی سے مست ہو جانے کے دن ہیں
گئی گر فصل گل ، ہے ابر موجود
ابھی کیا آپ میں آنے کے دن ہیں
نہ دے آو قطرہ قطرہ سے کا ساق
یہ ساحر کے چھلک جانے کے دن ہیں
جوانی میں کوئی "بھتی" ہے رندی
بھلا ناصح یہ سمجھانے کے دن ہیں !
ہونہیں افسردہ کیوں بٹھے ہو زاہد
الہو ، یہ مے کے پی آنے کے دن ہیں
چلو مے خانے ، چھوڑو کنچ عزت
طیعت کے یہ بھلانے کے دن ہیں
کھلے ہیں جایا گل ہائے الواب
یہ بلبل کے تڑپ جانے کے دن ہیں
نہ ہو غنچے میں ہناب شاہد گل
"رخِ زیبا کے دکھلانے کے دن ہیں

لکنا گھر سے کیسا فصلِ گل میں
 یہ آپ سے نکل جانے کے دن ہیں
 خسرِ مے کی طرح سے بے خودانہ
 ہمارے جوش میں آنے کے دن ہیں
 نئے عشرت سے سرشاری ہے سب کو
 سرادوں کے یہ بھر آنے کے دن ہیں
 نہ لینا نامِ ہشیاری کا یارو
 یہ مستی میں گزر جانے کے دن ہیں
 ہے ایسی کثرتِ عیش و طرب کیوں ؟
 مگر خلعت کے یہ آنے کے دن ہیں
 یہ آیا حکم سے لندن کے خلعت
 یہ اقبال و شرف پہانے کے دن ہیں
 سری شیودان سنگھ البتہ خوش ہوں
 کہ ان کے عیش فرمانے کے دن ہیں
 نہ ہو کیوں جشنِ جمشیدی مراتب
 علوِ شان دکھلانے کے دن ہیں
 منادی عیش و عشرت کی ہے ہر جا
 سبھی خوش ہیں ، سرور آنے کے دن ہیں
 زمیں ہے میعت کی عام تاثیر
 زحل کے سعد ہو جانے کے دن ہیں
 نہ سمجھو اور دن ما ان دنوں کو
 یہ رقبے کے بڑھا جانے کے دن ہیں

نہ کیوں کر چرخ لائے سہرِ خورشید
 یہ اس کے لہر دکھلانے کے دن ہیں
 وہ دستِ جود ہے گنجینہ افشاں
 گدا کے شاہ ہو جانے کے دن ہیں
 ظہورِ بخشش و وقتِ کرم ہے
 ہر اک کو گنچ زر ہانے کے دن ہیں
 مگر افشاں ہو رہا ہے دستِ فیاض
 گھر کے ڈھیر ہو جانے کے دن ہیں
 شریکِ جشن ہوں ، خوشیاں سنالیں
 ہواخواہوں کے بلوانے کے دن ہیں
 نہ ہو کیوں جلوہ فرما شاہدِ عیش
 سروِ حسرت دکھلانے کے دن ہیں
 بس اے مجروح اب وقتِ دعا ہے
 اجابت کے یہی ہانے کے دن ہیں
 سہارا چہ سدا ہوں غم و شاد
 کہ یہ سرور ہو جانے کے دن ہیں
 ہمیشہ محفلِ احباب ہو گرم
 کہ یہ حامد کے جل جانے کے دن ہیں
 گزاری فخر و فائز میں ہمیشہ
 بس اب اعدا کے غم کھانے کے دن ہیں

ایضاً در مدح مہاراجہ محمود الصدر

کچھ نئے رنگ سے اس فصل میں ہے جوش بہار
 باغبان کی نہیں کچھ سہی گلوں کو درکار
 عام ہے تازگی ابر بہاری ازیں
 دشت ہے سبزہ نوخیز سے رشک گلزار
 رخ بہ رخ ، یوں گل و بلبل ہیں بہم کلشن میں
 جس طرح عاشق و معشوق میں ہو بوس و کنار
 اس قدر باغ میں ہے غنچہ و گل کی کثرت
 کہ ہوا بیدار صبا کا بھی گزرتا دھواں
 ابر کے جوہر قابل سے تعجب کیا ہے
 ہو تر و تازہ و سر سبز اگر تھم و شرار
 سبز عالم کو کیا ابر و ہوا نے ایسا
 آسمان بننے کو بلبل کے نہیں ہیں خس و خوار
 ابر نے جو کچھ جزو کدورت یہاں تک
 ہو کیا صاف اگر تھا کہیں آنکھوں میں غبار
 معتدل فضا ہوا سے ہے یہ طبع عالم
 کوئی لرگی کی صفت میں نہیں لکھتا بہار
 جوش ابر یہ دیکھ کے سے خانے میں
 گہر ساق کے کھڑے آکے ہوئے ہیں سے خوار

کوئی کہتا ہے کہ اک جام ہلا دے جلدی
 کوئی کہتا ہے کہ خم منہ سے لگا دے یک بار
 کوئی مستانہ روش دیکھ پسا جاتا ہے
 کوئی دل تھام کے کہتا ہے گہا صبر و قرار
 کوئی سو جان سے قربان کہاں ابرو
 تیرے دل دوزمڑہ کا کوئی ہوتا ہے شکر
 کوئی کہتا ہے کہ اس شرم و حیا کے بدنے
 کوئی کہتا ہے کہ ان لیچی نگاہوں کے فشار
 ہائے خم ہر ہے سر عجز کسی سے کش کا
 سایہ ساں مست پڑا ہے کوئی زہر دیوار
 آہ بھر کر کوئی خمیازہ کشر بادۂ شوق
 یہی کہتا ہے کہ اے ساقیِ خورشید عذار
 ایک دو جام سے بھرتی ہے کوئی آنشِ شوق
 گر زیادہ نہ سہی خم ہی ہلا دے دو چار
 مے کدے میں وہ بڑے ہیں جو بڑے تھے ملان
 ہیں وہ سرمست جو پڑھتے تھے بہت استغفار
 ڈھولکے ہے تولیہ شکستن کے بہانے زاہد
 فہر ہے سبزۂ سیراب و شراب گل ناز
 چیت سے عمر گزرتی ہے سہ مستی میں
 کون جھکڑوں میں پڑے ، کس کی ہلا ہو ہشیار ؟
 دیکھ کر محوِ گل و سیرِ گلستان ہر دم
 دل سے اس میں نے کہا یہ کہ سن اے واقفِ کار

کیوں تو اس درجہ ہوا غنچہ و گل پر مسائل
 یہ تو دو چار ہی دن کا ہے فقط نقش و نگار
 اور جو سیر سے مقصد ہے تو حاضر ہو وہاں
 جس کا دربار ہے اک گلشن جاوید بہار
 غفلت ہو سکے ہے اس بزم کی آرائش کا
 دل میں رضوان کے یہ حسرت ہے کہ دیکھوں یکبار
 بہرہ اندوز ہو اس بزم طرب میں شاید
 اسی اسد میں پھرتا ہے سکندر پر بار
 مشک ہو عطر کی لہٹوں نے کیا ہے ایسا
 کہ گل شمع بھی محفل میں ہوا غیر ہار
 کیوں کہ اس بزم کی اس درجہ نہ ہو شوکت و شان؟
 ہے یہ کس صاحب اقبال و حشم کا دربار !
 جس کی سرکار میں جمشید سے لاکھوں چاکر
 جس کے دربار میں دارا و سکندر سے ہزار
 جس کے دروازے پہ حاضر ہیں سنا جاہ و جلال
 جس کی محفل میں ہیں اقبال و حشم خدمت گزار
 کون وہ ؟ یعنی مہاراجہ راجہ سور
 جس سے عالم کو شرف ، جس سے زمانے کو وقار
 عہد میں اس کے ہستی ہو شرافت ایسے
 کہ کبھی آتش سوزندہ سے الھے نہ شرار
 مدح غائب سے تو سیری نہیں اے بلبل طبع
 مدح حاضر میں سنا مطلع رنگیں یک بار

مطلع

فہر انسان سے انزوں ہے ترا عز و وقار
 یہ وہ دریا ہے کہ جس کا نیب ملتا ہے کنار
 عہد میں تیرے ہوا ہو تغیر اتنا
 ایک حالت یہ سدا رہتی ہے لبخِ ہزار
 ہے ترے عہد میں یہ دست تعدی کوٹا
 کہ سرِ شمع ہے کل گیر سے کشا دشوار
 گرچہ اس عہد پر آشوب میں نزدِ عقلاء
 جمع اشداد کا ہوتا ہے نہایت دشوار
 ہر ترے رعبِ عدالت سے تعجب کیا ہے
 آب و آتش میں ہم ربط ہو جوں دائہٴ نار
 جو ترے دفترِ علمی کے ہیں آسان مطلب
 ان کا ہوتا ہے ارسطو کو سمجھنا دشوار
 چشمِ خورشیدِ فلک کیوں ہے منور اتنی ؟
 اس کی آنکھوں میں لگا کیا ترے قدموں کا غبار !
 پاؤں پھیلا کے نہ کیوں چین سے سوئے ہر ایک
 حافظِ خلق ہے کیسا ترا بختِ ہمدار
 ہائی ہائی ہو خجالت سے نہ کیوں کر لہساں
 دیکھ کر دستِ گہر ریزِ عطائے سرکار
 غلغلہ تیری سخاوت کا ہے ازسکہ بلند
 کیا عجب ہوں جو سرے طالعِ خفتہ ہمدار

تیری اس ہنسنے پر روزہ کی افزائش پر
 روح ہوتی ہے سدا حاکم طاق کی اشار
 لاکھ تکرار سے حبشہ نہ کوئی دے جس کو
 اس کو ملتا ہے یہاں گنچے گھر بے تکرار
 اس در فیض یہ یہ داد و دہش ہے جاری
 کہ وہاں لاکھ کی گنتی نہ ہزاروں کا شمار
 گر سرا سن لے وہ احوالِ وقار و تمکین
 کیا تعجب ہے کہ سیلاب کو آ جانے قرار
 بحرِ مواج بھی قطرے میں ماتا ہے کبھی ؟
 تیرے اوصاف کا لکھنا ہو نہ کیوں کر دشوار !
 اب زبان کو نہیں پارائے سخن اے مجروح
 کر دعا خالقِ اکبر سے ہیں لیل و نہار
 تاکہ یہ کتبہ گردنہ رہے گردش میں
 تاکہ ہوں سہرِ جہاں تاب سے پیدا انوار
 شاد و خندان رہیں احبابِ حضوری پر دم
 اور اعدا کا چکر خنجرِ غم سے ہو تکرار

قصیدہ در مدح گردوں فر ، ہلال رکاب جناب نواب
 محمد حامد علی خاں صاحب بہادر فرمان رواٹے
 دارالسرور رام پور دام ملکہ و حشمۃ

بہار آئی ، ہوا عالم معطر
 شمعِ گل ہے رشکِ مشکِ عنبر
 تعجب کیا ہوئے نامیہ سے
 اگر شاعر کہاں ہو بار آور
 خود آرا کیوں نہ ہو سرور لبِ جو
 کہ آبِ آئینہ آسا ہے منور
 ہر اک قطرہ ہوا دریا در آغوش
 رطوبت خیز ہے یہ ابرِ آذر
 ہوئی جنبشِ عظامِ مردگان کو
 قیامت ہے نسیمِ روحِ پرور
 نہیں یہ سبز زار شبنمِ آلود
 زمرہ پر چڑھے ہیں لولوئے قر
 تماشائی فروشِ گل ہے ، صحنِ گلشن
 مگر نازک مزاجوں کا ہے بستر

ہوئی یہ باغ میں کثرت گلوں کی
 کہ چلتی ہے نسیم صبح بچ کر
 ترنم ریز ہیں سرخاں گلشن
 تراوت خیز ہیں گل ہائے احمر
 نشاط افزا یہ موسم ہے کہ غنچہ
 ساکنا ہی نہیں جاسے کے اندر

ق

غضب لائبر ہے آب و ہوا کی
 کہ زاہد نے کہا ماق سے ہنس کر
 بھلا اس فصل میں اتنا تغافل
 لبالب کر مئے دلگیں سے ساغر
 یہ لکھرا دیکھ لے جب چہرہ گل
 بھلا بلبل تڑپ جائے نہ کیوں کر ؟
 ہوا سے سبز ہو، گر کوئی رکھ دے
 زمین پر دائرہ تسبیح دم بھر
 گلوں کی یہ جھلک ہلڑی ہے ہم
 کہ اک سرخی سی ہے موجر ہوا پر
 کھلے ہیں ہر طرف گل ہائے الوان
 چمن ہے لعبتِ ترمج ہیکر
 ہوا ہے باغ کیوں اتنا مزین ؟
 مگر ہے اندر نواب با صر

وہ ذی رتبہ کہ جس کا نقشِ اجلال
 رقم ہے قیصر و دلاور کے دل پر
 وہ ہے سر پہنچہ قوت کہ جس سے
 سدا گنتائے سہرابِ دلاور
 وہ ہے دستِ قوی اس کا کہ جس سے
 سدا تھرائے زلِ پیل پیکر
 اس ابرِ جود کے دستِ کرم نے
 کیا ہے دامنِ امید ہر زور
 بیاں ہو اس کی کیا شانِ جلالت
 کہ جس کے قصر کا دریاں ہے قیصر
 فریدوں مرثیت، نوابِ ذی جہاں
 وہ ہے حامدِ علی خانِ دلاور
 جوانِ سال و جوانِ بخت و جوانِ عمر
 ملکِ خوان و ملکِ شان و ملکِ فر
 نہ آئندہ بنایا اس کے قابل
 بھلا منہ کیوں کہ دکھلائے سکندر
 نہیں قہرِ گر اس کی وہ سن لے
 تو گواڑ جلنے یوگِ کاہِ بن کر
 نہیں کچھ مدحِ غایب سے تسلی
 یہ مطلعِ مدحِ حاضر میں رقم کر

مطلع

تری شمشیر ہے وہ عدل گستر
 کرے احدا کے دو ٹکڑے برابر

یہ ڈر ہے کٹ نہ جائیں حرفِ توصیف
 غضب ہے شرشِ سیفِ دو پیکر
 چمک اس کی وہ آئینہ کہ اعداء
 خود اپنی دیکھ لے مرگِ مقدر
 ٹڑپ کر ہوں گرے اعداء کی صف پر
 کہ جسے ابر میں ہو برقِ مضطر
 ہوا یہ عدل تیرا باعثِ اس
 کہ اس کے ڈر سے اے الصافِ گستر
 کیا خواہاں نے ترکِ جورِ عشاق
 جہاں میں تا نہ کھلائی ستم گور
 اگر تمکین سرا دے حکمِ نسکین
 نہ ہو پھر آگہ ہر سیابِ مضطر
 ترے سر پر جو دیکھا چترِ زرین
 حسد سے جل گیا مہرِ منور
 تعالیٰ اللہ وہ کلکونِ سبک خیز
 جو اسپر وہم سے چلتا ہے بہتر
 بیان ہو اس کی کیا چابکِ خرامی
 وہ جب چلتا ہے بھل کے برابر
 تو برق اس سے کہیں دلی ہے پہچلے
 یہ رکھتا ہے قدم اس سے بڑھا کر
 گزر جاتا ہے وہ اسپرِ سبک ہے
 بسطِ آب سے مانندِ سرسبز

نہ پہنچے زیرِ ہا اس کے کچھ آسیب
وہی ثابتِ حسابِ ہر یک سر

ہیں اب ختمِ سخن لازم ہے مجروح
کہ عاجز ہو گئی طبعِ ثناگر

سداغِ حضرتِ نواب والا
نہ لکھی جائے کو لاکھ دفتر

انہیں کافی ہے اپنی خوبی ذات
کہ کلی خود اپنی ہو ہے ہے معطر

خدا دے عمر میں اتنی فزونی
بحاسب اس کا گر ہو چرخِ اغضبر

گئے جس پر سینِ عمرِ نواب
تو اس تسبیح کے دائے ہوں اختر

ردیف الف

(۱)

فاتحِ کارِ جہاں ، نام ہے یزداں تیرا
 فاطمہ شرک ہے اول ہی سے بچاں تیرا
 جنت و کوثر و طوبیٰ و قصور و انوار
 کچھ نہیں مالکتا توہ جو کہ سے خواہاں تیرا
 خوانِ شاہانِ جہاں کی نہیں پروا اس کو
 سیر رہتا ہے سدا جو کہ ہے مہاں تیرا
 کیوں نہ ہو رنگِ مذاہب کے ہوں انسان پیدا
 خالصہ دہر ہے گویا کہ گلستاں تیرا
 جانتا ہے تری زحمت نہ رکھے گی محروم
 جمعِ خاطر نہ ہو کس طرح پریشان تیرا
 لڑکھڑاتے ہیں تری رہ میں رسولوں کے قدم
 کیسے حولوں سے ہے لبریز بیاہاں تیرا
 وہ ٹوا ملک ہے جس کو کہ نہیں ہم و زوال
 دستِ تاراج سے ایمن ہے گلستاں تیرا
 زخمیرِ عشق وہ کامل ہے کہ لذت ہائے
 جب تک ریز ہو زخموں نہ تک دلی تیرا

ذاتِ اقدس ہے تیری کارِ برادرِ عالم
 زرِ فشان سب یہ ہے گنجینہٴ احسان تیرا
 طور و موسیقی کی حقیقت یہ نہیں کرتے نظر
 دیکھنا کیا ہیں سمجھ رکھا ہے آساں تیرا
 سلسلہ گھر متناہی ہو تو آگاہی ہو
 نہ تو اول تو معلوم نہ پایاں تیرا
 کیوں نہ سہاں ہوں ترے خوانِ کرم پر دونوں ؟
 سچ ہے ، بندہ ہے ہر اک گبر و مسلمان تیرا
 میں رضامند ہوں ، تو دوزخ و جنت ، جو دے
 ایک ہے عدلِ ترا دوسرا احسانِ تیرا
 اول و آخر و پیدا و نہاں سب تو ہے
 جلوہ ہر رنگ میں تازہ ہے ہر اک آبِ تیرا
 جستی جانتے ہیں آپ کو اہلِ دوزخ
 ہے یہ تسکینِ فزا لطفِ فراواں تیرا
 جن و انسان و ملک ہیں ترے در کے ساجد
 کیوں نہ ہو ، واجبِ تعمیل ہے فرمانِ تیرا
 سایہٴ نطقِ زباں ہے ، سو عطا ہے تیری
 کون سے منہ سے ہو مجروح ثنا خوانِ تیرا ؟

(۲)

ثنا و حمدِ ایزد ہو رقمِ کیا
 ہمارا ناطقہ کیا اور ہم کیا

مجھے درپیش ہے توصیفِ وحدت
 مرکب سے کروں اس کو رقم کیا
 حیات اپنی ہے وابستہ نفس سے
 عطائے خاص ہے یہ دم بدم کیا
 نہیں کثرت سے کچھ نقصانِ وحدت
 محیط اک قطرے میں ہوتا ہے کم کیا
 جو ہے موجود پر جا اس کے طالب
 کریں پابندیِ دیر و حرم کیا
 زبانِ نکتہ سنج و سحر پرداز
 یہاں اس کا کرے فیضِ اتم کیا
 پہلا اک قطرۂ ناچیزِ مویوم
 کرے پیاشر پہنائے ہم کیا
 یہاں لا تقطوا وردِ زباں ہے
 گناہوں کی فراوانی کا غم کیا
 توحشِ طالبِ طاعت نہیں ہے
 مرا محتاج ہے اس کا کرم کیا
 کیا خشک لب ہے چشمِ ہر راہ
 پہلا اب دیر ہے اہرِ کرم کیا !
 جیہی فرسودگانِ درگاہِ قدس
 یہ کہتے ہیں کہ ہے اکیلے جم کیا
 وہاں سے گنجِ زرملا ہے سے رخ
 طلب سے دیتے ہیں اہلِ کرم کیا

زبان و نطق سب اس کے دیے ہیں
 کریں اس کا ادائے شکر ہم کیا
 وجودِ نستی پر اس قدر ناز ا
 بھلا ہمدانی نقشِ قدم کیا
 درِ ششیر پر ہے راہِ الفت
 الہیں اے حضرتِ موسیٰ قدم کیا
 زبانِ مجروح کی اور حمدِ باری
 مہانے کا بھلا قطرے میں ہم کیا

(۳)

اللہ دے نور روئے تجلی نقاب کا
 پر ذرہ کر دیا ہے نظیرِ آفتاب کا
 یہ کس سے ہو سکے ہے بجز فیضِ مصطفیٰ
 جو معصیت میں رنگ دکھائے ثواب کا
 ہے ہانگی دورِ ہاشمِ ادب بہرِ عرشِ فرش
 روضہ ہے یہ جنابِ رسالت مآب کا
 کچھ ماجرا نہ ”سہرِ لبوت“ کا پوچھیے
 نقطہ ہے حق کے یہ قلمِ انتخاب کا
 اُسی ہوا اگرچہ بظاہر ، یہ اصل میں
 کشاف ہے حقائقِ ام الکتاب کا
 کر لیں بہت سے جرم اکٹھے کہ حشر میں
 ہونا ہے سنا کدھر بے حساب کا

لو آؤ سورِ وادیِ اربع کو دیکھ لو
سُرکا ہے روئے پاک سے گوشہ نقاب کا

الطائف حق نے ہزاروں رحمت رکھی سدا
ساتھ ہشا نہ آپ کے سر سے محاب کا

حاضر ہیں ہم ، سوال کریں منکر و نکیر
یہاں محبِ احمدی ہے خلاصہ جواب کا

ہم بھی تو خواجہ تاش ہیں ، بگڑیں نہ کس طرح
تھانبا ہے جبرئیل نے حلقہ رکاب کا

رحمتِ خدا کی عام ، ٹہی شائعِ انام
بہر خوف کس لیے ہو حساب و کتاب کا

یثرب کی راہ ، تھم کے کہیں ، پوچھتا نہیں
اللہ رے شوق اس دل پر اضطراب کا

اس اسرِ مرحمت کی ترشح ضرور ہے
دوزخ بنا ہوا ہوں تب سینہ تاب کا

افتادگی کسی کی نہ تھی آپ کو پسند
ساتھ اسی لیے نہ پڑا اس جناب کا

صلیٰ علیہ کا شور جو ہے آسمان تک
آیا ہے لب پہ نام مرے کس جناب کا

کبھی تعب فشار کی ، کیسا عذابِ قبر
مرقد میں چین سے ہے محبِ پوتراہ کا

خورشید زار کیوں نہ کرے گوشہٴ لحد
یہ داغِ عشق ہے خلفِ پوتراہ کا

عذر گنہ میں سمع خراشی سے فائدہ ؟
 دفتر ہے ، دیکھ لو ، مرے حالِ خراب کا
 حاضر ہو جب خودی تو حضوری کہاں ہے ہو؟
 ہم ہو گئے ہیں آپ ہی باعثِ حجاب کا
 چشمِ کرم دریغ نہ ہو اس سے یا نبیؐ
 مہدی کو آسرا ہے تمھاری جناب کا

(۴)

ہم سر جہاں میں کب ہے رسولِ کریم کا
 لٹائی کبھی سلا نہیم درِ بہیم کا
 وہ گلشنِ وقار کہ جس کے درخت ہر
 ہے آسمانہ بلبلِ سدرہ مستقیم کا
 وہ شاہِ عدل دوست ، کہ یہ بندوبستِ شرح
 ہے آگِ بھولہ آپ کی رائے سلیم کا
 وہ ہادیِ الطریق ، کہ جس کے کلام کا
 ہر حرف رہ نما ہے رہِ مستقیم کا
 حاکم وہ اس جہاں میں ہر اک جن و انس پر
 ناسم وہ دین میں ہے نعیم و جہیم کا
 شائقِ کلیم تھا ، سو رخِ پاکِ شاہ نے
 جلوہ دکھا دیا اسے حسنِ قدیم کا
 فرزندِ رہِ حضور ہو ، اس کی یہ چاہ ہے
 رہِ بلند کیوں نہ ہو عرشِ عظیم کا

اکھڑی سی کچھ ہوا نفسِ عیسوی کی ہے
 یثرب سے آگیا کوئی جھونکا نسیم کا
 آؤ درِ حضور پہ اے طالبانِ حق
 رستہ دکھایا رہا ہوں رہِ مستقیم کا
 اب فکر کیا ، شفاعت و رحمت ہے ایک جا
 نالاب بھی ہے کریم ، خدائے کریم کا
 حضرت کے واسطے سے لہ کی التجائے دید
 مقصود کس طرح سے ہر آقا کلیم کا
 ہر اک ہنرِ ظرف ہے اس در سے کامیاب
 وہ ذاتِ پاک چشمہ ہے لبِ ضرعیم کا
 مجروح اہلِ کیں کی عداوت سے کیا خطرا
 ’کو تو محب ہے آلِ نیرِ کریم کا

(۵)

وہف کیا ہو یساں ہمد کا
 ہے خدا مدحِ خواں ہمد کا
 عرشِ امن کو سمجھ نہ روحِ امیں
 بہ تو ہے آسناں ہمد کا
 تھی زمیں عرش کی لہ ہم پہلو
 ساہو پہڑا کہاں ہمد کا

حاصلِ عرش بھیجتے ہیں درود
نام آیا جہاں ہمد کا

ہات میں مردے کو جلاتا ہے
لبِ معجز بیاں ہمد کا
ہے بہت کہنہ ، ورنہ کہتے ہیں
فرش ہے آسماں ہمد کا

ہوا آہن گداز قلبِ عرب
معجزہ ہے بیاں ہمد کا
باہمہ قرب حق ہے روحِ امیں
خادمِ آسماں ہمد کا

ہے وہ رازِ نہاں کا گنجینہ
حال ہو کیا عیاں ہمد کا
ہے وہ ذاتِ خدا میں مستغرق
حق ہے ، جو ہے بیاں ہمد کا

سال جلتے ہیں وان فرشتوں کے
ہے گزرگاہِ جہاں ہمد کا
فخر اس ہے ہی کہ اے مجروح
تو ہوا مدحِ خواں ہمد کا

(۶)

ہے ملکِ آسماں ہمد کا
ہے ملکِ ہاسباں ہمد کا

جب رہو اے مستحانِ فلک
ہو رہا ہے بجاں ہمد کا

لوگ کہتے ہیں لامکاں جس کو
ہے وہیں تو مکاں ہمد کا

جز خداوند ، ایزدِ متعال
کون ہے رتبہ داب ہمد کا

دل میں پتھر کے نقشِ پا دیکھو
حشر تک ہے نشانِ ہمد کا

ہو بھگانا جہاں سے شیطاں کا
نام لے لو وہاں ہمد کا

اس کی کائنات ہے خود شبِ معراج
فرش ہے آباں ہمد کا

اسمِ اعظم کی ہے تلاش تو رکھ
نامِ وردِ زیباں ہمد کا

دیکھ سکتا ہے ہم کو دوزخ میں
کب دلِ مہرباں ہمد کا

کرتا ہر زہے دامنِ اسید
دستِ گوہرِ فشاں ہمد کا

تختِ شاہی سے کام کیا مجروح
میں ہوں اور آستانِ ہمد کا

(۷)

یاب کیوں نہ سائبان ہو نورِ الہ کا
 روضہ ہے یہ جنابِ رسالتِ پناہ کا
 اہم ہے بسکہ ریزشِ انظارِ زائران
 ہے فرشِ صحتِ خاص میں تارِ نگاہ کا
 محشر میں دیکھ جوشِ شفاعتِ حضور کا
 طاعت بھی ڈھونڈتی ہے وسیلہ گناہ کا
 حضرت کی یاد و حسرتِ دیدار ہے یاب
 غایتِ بہ دل کی ہے ، وہ نتیجہ نگاہ کا
 دریائے بے کراں ہے صفاتِ بھدی^۴
 جبریل اس میں قصد نہ کرنا شہاہ کا
 شوقِ قعر بھی اس نے کیا ، ردِ شمس بھی
 سالکِ شمعِ رسل ہے سپید و سیاہ کا
 وہ پتکِ چرخ ، جس کا لقب ہے بہ منیر
 داغی غلام ہے یہ تری بارگاہ کا
 ہوں جس زمیں پہ بالِ ملائک بچھے ہوئے
 وہ ہی نشانِ سمجھیے سدینے کی راہ کا
 حضرت کی راہِ فطر میں ہے فرشِ جاہل
 دارا کی شوکتوں کا ، سکندر کی جاہ کا
 حیرانِ عقل کیوں نہ ہو وصفِ حضور میں
 دریائے پُر غروش میں ہے برگِ کاہ کا

امیدِ شیت و شو تیرے ابر کرم سے ہے
 نامہ بہت عیاں ہے اس رو سیاہ کا
 رحمت بہانہ مجھ سے گندہ گار کے لیے
 بخشش ہے واں جواب لبِ عذر خواہ کا
 کیا اس کے آگے دشمنِ شیطان نسب تھمے
 لشکر ہے یہ خدیوِ سلاطین سیاہ کا
 کیا رہبری کی اس سے رکھیں گے امید ہم
 پیر و خضر ہی خود ہے سرے خضر راہ کا
 مجروح سر کو نیمرو و دارا سے کیوں جھکا لیں؟
 یہ بھی تو ہے غلامِ شہِ دیہِ ہنسا کا

(۸)

ایسا جب نام ہم نامِ خدا کا
 بنا سزۂ حصولِ سعادت کا
 جھکیں سر کیوں نہ پاں گردن کشوں کے
 یہ در ہے شاہِ سوارِ لا فتا کا
 ہوئے روشن جو ایسے چشمِ غور شد
 لکھیا سرمہ کیا اس خاکِ پا کا؟
 ہوا یہ لعلِ لعلی سے ثابت
 کہ حیدرؑ جزوِ تن ہے مصطفیٰؐ کا

ہوئے کمیہ میں جب پیدا ہوا
 قوی بازو ہوا خیرالوراء کا
 وہ نکلے قتلہ ربہ کو دو انگشت
 نشان پھر دیکھ لیجے لاش کا
 نہ جھلکے کیوں کہ نور لا تنہا
 وہ آمنہ ہے ذات کبریا کا
 فرمانِ خداوندِ دو عالم
 علیؑ ہے فخرِ ناطقِ مصطفیٰ کا
 نہ کہوں زورِ ہدایتی دکھائے
 یہ ہجہ ہے شہِ غیرِ کشا کا
 جسے کہتے ہو تم لاسوسِ اکبر
 وہ خادم ہے علیؑ مرتضیٰ کا
 عدو کے خوف کا مینہ برسا رہی ہے
 کھولا جوہر یہ تیغِ برق زا کا
 نہیں تصویر بھی اس کی ٹھہرتی
 یہ نقشہ ہے سجدہٴ تیز پا کا
 ہوئے سب عقدہٴ دشوار آسان
 لیا ہے نام کیا مشکل کشا کا
 خدایا! سائرِ عیال ہے مجروح
 مہا دلت ہے آلِ عبا کا

(۹)

یہ دل شائق ہے اس کے روئے روشن کی زیارت کا
 کہ جو ہے مہرِ انور ہار ہوئی بسرجِ امامت کا
 اسامِ مہدی ہادیؑ، سرورِ مہنہؑ زہراؑ
 دل و جانِ نبیؐ، نورِ بصرِ شاہِ ولایت کا
 اگر ظاہر کرے وہ احتسابِ دین و ایمان کو
 تعجب کیا جو بت پڑنے لگے کلمہ شہادت کا
 جہاں کو تنگ کر رکھا ہے اہلِ کفر و بدعت نے
 دکھا ان کو نمونہ شاہِ مردان کی شجاعت کا
 پڑے یہ لطفِ جب ذوالفقارِ حیدری چمکے
 کہ حق ظاہر ہوا اب کو بج ہے اہلِ ضلالت کا
 دکھا ہر وقع کشا اس چہرہؑ ہر سور کو یارب
 شبِ ظلماتِ زحمت میں چمکا نورِ راحت کا
 اٹھا دے گا عملِ عالم سے سب کشور ستاروں کا
 ولایتِ گہر ہے وہ لختِ دل شاہِ ولایت کا
 امامت اور شاہی ہے مبارک جاں نثاروں کو
 کہ گنچِ زر کے ہے ہمراہ گنجینہ سعادت کا
 نبی ہوں مقتدی جن کے ، اسام و ہیشوا وہ ہیں
 ہنسی ٹوٹھا معجزہ رکھا ہے کیا منصبِ امامت کا ا
 قطعہ

ہوا پسدا جہاں حضرت کے نورِ جہدِ احمد سے
 قدم سے آپ کے وابستہ ہے آنا قیامت کا

غرض خلاقِ عالم نے ہمیں کے گھرانے کو
 کیا باعثِ زمانے کی بدایت اور نہایت کا
 اس امرِ عصر کی غیبت میں یہ اک سر پہنایا ہے
 کہ تا ہو حال ظاہر منکر و اہلِ ارادت کا
 غلاموں میں رہے محسوب یہ مجروح یا مولا
 یہ خادم آپ کا خواہاں ہے ہر دم اس عنایت کا

(۱۰)

کوئی آہاں کیا سوا ہو گیا
 کہ افزوں نزولِ ہلا ہو گیا
 وہ جانے ہیں دامنِ بھانے ہوئے
 تجھے جرأتِ شوق کیا ہو گیا ؟
 ڈرو نالہٗ حسرتِ آلود ہے
 غضب ہو گیا گر رہا ہو گیا
 نہ ہلنے دیا سہرِ صیاد نے
 رہا قید میں گو رہا ہو گیا
 کبھی میرے دل سے لکھتا نہیں
 یہ غم تو مزا وصل کا ہو گیا
 ہونے بال و پر بند ، اب ہم کو کیا
 اگر عقدہٗ دام وا ہو گیا
 بڑھے اور بھی بخت کی تیری
 اگر سر یہ ظلِ ہما ہو گیا

لگا ہالہ میں کس کا شور آبِ اشک
 جو پھیکا سا رنگِ حنا ہو گیا
 کہا میں نے: لے جاں! تو بولے: چہ خوش!
 کہو، کب سے میں لے وفا ہو گیا؟
 وہ آئیں جاں، اک نئی بات ہے
 مجھے بختِ بد آج کیا ہو گیا؟
 کہا حالِ دوری جو آفت کو رقم
 تو ہر حرفِ غط کا جدا ہو گیا
 کہنکسا ہے پہلو میں دن رات دل
 یہ ہیکل لرے تیر کا ہو گیا
 کھلا جب یہ نامہ میرا تو پھر
 شبِ تار روزِ جزا ہو گیا
 ہیں اس تند خو سے یہ گستاخیاں
 تھمو، تم کو بھروح، کیا ہو گیا؟

(۱۱)

وہ مرے پاس گر آئے بھی تو پھر کیا ہوگا؟
 یہی ہوگا کہ کوئی خونِ مینا ہوگا
 زندگانی ہے تو کیوں دیکھنا اُن کا ہوگا
 گردِ بستی سے مرے بیچ میں پردا ہوگا
 کہتے ہیں: کون سا مطلب مجھے کہتا ہوگا
 اور ہوا بھی تو کوئی شکوہ لے جا ہوگا

اے خوشا بخت ! جو معشوق کو دیکھے ہم دوش
 آرزو خیز غضبِ خوابِ زلیخا ہوگا
 اپنا عشاق میں ہم سرِ بسہ آس دم جانوں
 جب یہ سمجھوں کہ کوئی دوسرا تم سا ہوگا
 سخت مضطر دلِ ہنگامہ طلب ہے یا رب
 آج ہی کیوں نہ وہ ہو جائے جو فردا ہوگا
 دیدہ دجلہ فشان ! اشکِ فشان کب تک ؟
 ان کو اک یہ بھی نہ آنے کا پھانا ہوگا
 ہر طرف ہم کو یاب ہوئے وفا آتی ہے
 یہ تو مرید کسی مقولِ جفا کا ہوگا
 لالہ ! نیم شب و آہِ سحر ہیں بیکار
 کوئی ہنگام بھی تاثیرِ دعا کا ہوگا
 تا کجا یہ دلِ ہر شرم نہ ہوگا گستاخ
 جب کہ ہر لائز ترا حوصلہ فرما ہوگا
 اور ہے کون جو پاس اس کے ذرا جا نکلے
 بابِ مگر دم ترے عاشق کا نکلتا ہوگا
 نہ بٹے دشتِ جاں گیر مرے پہلو سے
 شبِ فرقت میں اسی کا تو سہارا ہوگا
 اپنی ہنگامہ فزائی کو رکھے گا عشر
 وہ ہی فتنہ جو تری چشم سے پیدا ہوگا
 صبح گو ہو شبِ وعدہ مگر آنا کیسا
 ابھی وہ بٹے سنوئے میں خود آرا ہوگا

ہائے وہ دن کہ شبِ وصل پر اکہ کھٹکے پر
ان کا گھبرا کے یہ کہنا کہ بس اب کیا ہوگا ؟

رشتہ اعدا تو مسلم ہے ولے سچ یہ ہے
جب وہ اپنا نہ ہوا دوست تو کس کا ہوگا !

آہ ! جس درد کے انجم میں بھٹتا ہے جگر
پھر وہ آواز میں فرمائیے کیسا ہوگا !

یہ مرا عقدِ دل بند تھا ہے تیرا
جز تمھارے یہ کسی اور سے کب وا ہوگا

طعنہ" غیر سنے ، دوری جانناں دیکھنے
اے ملک اور ثواب اس کے سوا کیا ہوگا

فرش رہ دیدۂ محنوں میں زمیں پر ہزارو
کیونکہ لعلِ قدمِ ناقہ" لیلِ ہوگا

شوق کہتا ہے اے دیکھ تو لو ہجرِ غیر
رشتہ کہتا ہے مجھے کب یہ گوارا ہوگا

یہ لٹاں یاد رکھو تم کہ مہے لائے میں
خوں میں ڈوبا ہوا ہر حرفِ محنتا ہوگا

اس کی شوخی وہ ہلا ، اس کا ٹڑپنا یہ کچھ
کب تصور کا ترے دل میں ٹھہرنا ہوگا

نہ تو دلیا ہی میسر ہے نہ دیں کے اسباب
ہائے مجروح ! کہاں تیرا ٹھکانا ہوگا ؟

(۱۲)

نہ وہ لالوں کی شورش ہے نہ غل ہے آہ و زاری کا
 وہ اب پہلا سا ہنگامہ نہیں ہے بے قراری کا
 طلب کسی ، ہلانا کیا ؟ وہاں خود جا پہنچتے ہیں
 اگر عالم بھی چندے رہا بے اختیاری کا
 وہاں وہ ناز و عشوے سے قدم کن کن کے رکھتے ہیں
 یہاں اس منتظر کا وقت پہنچا دم شہازی کا
 کبھی چشمِ بخارِ آلود کی مستی نہیں دیکھی
 یہاں ہے حضرتِ ناصح کو دعویٰ ہوشیاری کا
 بھلا کیا ایسی روتی شکل پاس آ کر کوئی بٹھنے
 اٹھے آخر وہ جھنجھلا کر ، برا ہوا شک باری کا
 عجب کیا ہے کہ قاصد بھول جائے اس کا لیے جانا
 لکھوں جس نامے میں شکوہ تری غفلت شعاری کا
 مثال نخل دیکھا ہے اسی کو بھولتے بھٹتے
 کیا جس شخص نے حاصل طریقہ خاکساری کا
 ہر اک شے کا ہے اندازہ ، مگر ہایاں نہیں ہرگز
 تری غفلت شعاری کا ، مری امیدواری کا
 زس آنکھوں میں رنگت چھا رہی ہے لالہ و گل کی
 خزاں میں لطف آتا ہے ہمیں فصلِ بہاری کا
 کبھی سر ہاؤں پر رکھنا ، کبھی قربان کہہ الھنا
 ہمیں ٹھوڑا سا ڈھب آتا تو ہے مطلب ہر آری کا

چھپا کل گوشہ سے خانہ میں مجروح نے دیکھا
یونہی شہرہ سنا تھا شیخ کی پرہیزگاری کا

(۱۳)

موسلی لہ غش میں آئیو ، اک بار دیکھنا
آساں نہیں ہے یار کا دیدار دیکھنا
محفل طرازیان وہ کہاں ، اب تو کام ہے
گھر میں پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا
ساق کی چشم مست کا گرد دور ہے یہی
زابد کو آج کل ہی میں سے غوار دیکھنا
ہیں ہمدیہ سرگ بھی وہی آنکھیں کھلی ہوئی
عاشق کی اپنے حسرت دیدار دیکھنا
گر چشم تر کی ہیں یہی غولنابہ باریاں
اس گھر ہی میں لگا گل و گلزار دیکھنا
ہے کسی سے تاک جھالک ، کہ خالی نہیں ہے یہ
سوراخ در سے آپ کا سر بار دیکھنا
چندے یونہی ہے عشق زلیخا کی گر کشش
یوسفؑ کو آج کل سر بازار دیکھنا
ہو تھر پا کہ سہر ، کوئی یہ بھی ڈنگ ہے
سو ہار منہ کو پھیرنا ، سو بار دیکھنا

قطعہ

میں اپنی جان یہ کھیل کے کل قتل گاہ میں
کہنے لگا کہ قاتل خوب غوار دیکھنا

کیا قتل کرنے میں یہی انصاف شرط ہے
 بے جرم دیکھنا نہ گنہگار دیکھنا ؟
 کہنے لگا یہ سن کے وہ شوخ ستیزہ کار
 آجاؤ تم بھی ، سو جو کوئی وار دیکھنا
 اس امر کو تو اس نے کیا اس قدر محال
 آسان ہے مرگ اور ہے دشوار دیکھنا
 ظاہر ہے یہ کہ جانبِ شبنم ہے آفتاب
 کالی ہمیں ہے یار کا آگ بار دیکھنا
 میں ہوں جو بے قرار تو معذور جالیے
 آسان نہیں ہے دل کا گرفتار دیکھنا
 سر دکھ کے اس کے زانو پہ رویا وہ ماہ و ش
 یارو عدو کے طالبِ بیدار دیکھنا
 شاید ہمارے دل کے اڑانے کی فکر ہے
 محال نہیں ہے اب کا یہ ہر بار دیکھنا
 برگِ گیاہ ہو نہیں سکتا حریفِ برق
 مجروح کی طرف نہ کہیں بار دیکھنا

(۱۴)

بے عدو وعدہ قتل کا نہ ہوا
 ظلم بھی حسبِ مصلحت نہ ہوا
 روکنا اس کا سہل تھا لیکن
 شوق ہی جرأتِ آزما نہ ہوا

کیا شکایت کریں رفییوں کی
 وہ ہی جب ہم سے آشنا نہ ہوا
 تھی گمراہ ہسکہ آرزوئے وصال
 سر مرا تیغ سے جدا نہ ہوا
 مجھ کو درکار تھے ہزاروں دل
 ایک دل وقفِ ہر ادا نہ ہوا
 ہوں تو سو بار واں گئے لیکن
 ڈھب ہی کچھ عرضِ شوق کا نہ ہوا
 نہ سہی دل ، چکر کے ہار ہوا
 تیر تو آپ کا خطا نہ ہوا
 یاس اس درجہ ہو گئی ہے کہ اب
 وصل ہی آرزو قرار نہ ہوا
 ہم نے "اے جان" سدا کہا اس کو
 خیر گسری وہ بے وفا نہ ہوا
 ہوں نکلتا نہ ان کی محفل سے
 ہائے میں اپنا مدعا نہ ہوا
 کتنا نا آشنا ہے وہ ، جس کا
 لب سے شکوہ بھی آشنا نہ ہوا

۱۔ اصل اسطے میں یہ شعر ایک شعر کے بعد دوبارہ بھی چھپ گیا ہے
 لیکن دوسرا مصرع ہوں ہے : "شکوہ بھی لب سے آشنا نہ ہوا۔"
 اسطے" وحید میں شعر کی یہ تکرار نہیں ہے ۔

کیا رعایت جفا کی ہے اس کو
 وعدہ قتل بھی وفا نہ ہوا
 کام آئی شکر لی ان کی
 جب مرا لب ملا ، جدا نہ ہوا
 تھا درِ یار میرا عقدِ دل
 لاکھ تدبیر کی یہ وا نہ ہوا
 ہے ہلاخیز وہ رورِ الفت
 خضر بھی جس میں رہ نہ ہوا ؟
 ظلم بے جا ہیں اس کے سب لیکن
 کون یہ کہہ سکے : بجا نہ ہوا
 چیر کر سینہ داغ دکھلانے
 تم کو اب بھی یقین کیا نہ ہوا ؟
 ہم بھی ہائیدِ وضع تھے کتنے
 سر گئے ، ان سے ہر گلا نہ ہوا
 اس کے ممکنِ ناز سے مجروح
 لطف کچھ چھیڑ چھاڑ کا نہ ہوا

(۱۵)

آنا ترا یہاں نہ سروت سے دور تھا
 ذرے کو آفتاب بنانا ضرور تھا
 مارا یہ اپنی چشمِ دویں کا تصور تھا
 ورلہ پر ایک جزو میں کل کا ظہور تھا

کہتے ہیں دردِ ہجر سے کیوں مر گئے نہ تم
لو اور سنئے ، یہ بھی ہمارا قصور تھا !

تم اک جھلک نہ دیکھ سکے ، ورنہ اے کلیم
وہ جلوہ برق انگنِ صد کوہِ طور تھا
اعداء کا گھر سمجھ کے مرے گھر وہ آگئے
جاگے نصیب یوں کہ نشے میں وہ چور تھا

بے وقرب مجھ کو روز کے جانے نے کر دیا
اخلاص رفتہ رفتہ بڑھانا غرور تھا
زاہد کا زہد دیکھ لیا ہے ، سال ایک
میں مستِ بادہ اور وہ مستِ غرور تھا

دیوانہ بن کے مطلبِ اصلی کیا حصول
محنتوں بھی عاقلوں میں بہت ذی شعور تھا
اس حور و ش کے عشق سے مانع ہوا مجھے
واعظ کی آج عقل میں بے شک شور تھا

اس تند خو سے رنجش بے جا کا کیا کام
وہ کمب کہنے کا یہ کہ ہمارا قصور تھا
ہم سے رہا جو دور ، نہیں یار کا قصور
برہم زلفِ اسور دلِ ناصبور تھا

کیوں کر رہ حصولِ مقاصد نکالتے
سالم ادھر ادب تو ادھر کو غرور تھا
بے عشق شیخ کیونکہ پہنچنا حضور تک
نزدیک تھی جو راہ سو اس سے وہ دور تھا

کامل ہو جذب اور وہ نہ آئے ؟ حال ہے
 یہ شوقِ لالچام کا اپنے قصور تھا
 کو مر گئے یہ یار تو ہے بدگاہ ہنوز
 جہان یہ بندھا کہ اسے شوقِ حور تھا
 صروحِ حالِ بد کو چھپانا رہا سدا
 مفلس ضرور تھا یہ نہایت غیور تھا

(۱۶)

بہتر یہ ہے کہ اس کا نہ انداز دیکھنا
 ورنہ ہزار قتلے کے در باز دیکھنا
 اب تک یہی یہ خیال پریشاں ہے عرشِ سیر
 اس مرغِ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا
 بے پادہ اک نگاہ میں بے ہوش کر دیا
 اس چشمِ نیم مست کا انداز دیکھنا
 دعو کے میں وہ جنم مرے گھر میں خود آگیا
 ہمدم ذرا یہ کارِ خدا ساز دیکھنا
 نوریدگانِ عشق کو دیوانہ کر دیا
 مرغِ ترانہ سنج کی آواز دیکھنا
 میری جو آج ہے شبِ وعدہ ، تو بند ہے
 کل شام ہی سے باز کا در باز دیکھنا
 نیکالہ ہو کہ یار ، لگاؤ ہے ایک سی
 اس شوخِ قصہ ساز کا انداز دیکھنا

یہ دل لگی کا بیہید نہ کھل چلنے اور ہر
 اس کی طرف نہ ہزم میں ہم راز دیکھتا
 دم میں جلایا خرمن صبر و شکیب کو
 اس برق و ش کا شعلہٴ آواز دیکھتا
 سیارِ چور ہوش کو شاید نہیں ہند
 سرخِ چمن کو زمزمہ پرداز دیکھتا
 پیرِ مغان نے پہلو میں اپنے بٹھا لیا
 مجروحِ مے ہرمت کا اعزاز دیکھتا

(۱۷)

غیروں کو بھلا سمجھے اور مجھ کو برا جانا
 سمجھے ابھی تو کیا سمجھے، جانا ابھی تو کیا جانا
 اک عمر کے دکھ ہانے، سوتے ہیں فراغت ہے
 اے غفلتِ محشر، ہم کو نہ چکا جانا
 مانگوں تو سہی ہوسہ، ہر کیا ہے علاج اس کا
 پاں ہونٹ کا ہل جانا، واہ بات کا ہا جانا
 گو عمر بسر اس کی تحقیق میں کی تو ابھی
 سہایتِ اصلی کو ابھی نہ ذرا جانا
 کیا ہمار کی بدخوق، کیا غیر کی بدخواہی
 سرمایہٴ صد آفت ہے دل ہی کا آ جانا
 کچھ عرض کننا میں شکوہ نہ ستم کا تھا
 میں نے تو گنہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا !

اک شب نہ اسے لائے ، کچھ رنگ نہ دکھلائے
 اک شورِ قیامت ہی ناٹوں نے اٹھا جانا
 چمن کا الٹ جانا ظاہر کا بہانہ ہے
 ان کو تو ہر صورت اک جلوہ دکھا جانا
 ہے حق بہ طرف اس کے ، چاہے سو ستم کر لے
 اس نے دلِ عاشق کو مجبورِ وفا جانا
 انعام ہوا اپنا آغازِ محبت میں
 اس شغل کو جاں فرما ایسا تو نہ تھا جانا
 مجروح ہونے مائل کس آفتِ دوروں پر
 اے حضرتِ من اتم نے ، دل بھی نہ لگا جانا

(۱۸)

ہجر میں طرفہ ساچرا دیکھا
 زیست میں موت کا سزا دیکھا
 جب اسی کونہ جلوہ زا دیکھا
 پھر یہ کہنے کہ ہم نے کیا دیکھا
 اس کی نیرنگ سازیاں ہیں غضب
 فہر بھی آرزو فزا دیکھا
 ہجر کے رنج ، وصل کی راحت
 لطف پر ایک کا جدا دیکھا
 جس کی جا ہی نہیں ، ان آنکھوں نے
 جلوہ اس کا ہر ایک جا دیکھا

دل کے لئے میں کیا ادا کیا لاز
 ایک ہے ایک کو سوا دیکھا
 آسمان و زمین کا ہے فرق
 مہا ہے اس کو شب ملا دیکھا
 ہر نمنائے مردہ ہے زندہ
 کس کا یہ روئے جاں فزا دیکھا
 زخم کلری لگا دیا اس نے
 نہ ٹڑھنے کا کچھ مزا دیکھا
 اس کے کوچے کے جلد جانے میں
 پاؤں سے آگے نقش ہا دیکھا
 عشق یکالہ وار کے صدقے
 دل کو جس میں نہ آشنا دیکھا
 جان بھی مفت میں گئی مجروح
 دل لگانے کا کچھ مزا دیکھا ؟

(۱۹)

کو ہر اک حال ہے واں ہم سے چھپایا جاتا
 رنگ محفل کا ہر اچھا نہیں پایا جاتا
 واں مرا نامہ نہ کیوں ہرزے اڑایا جاتا
 غطر تقدیر کو کس طرح مشاہد جاتا
 عقلِ یار میں کیا مجمعِ اختیار ہوا ؟
 ہوں جو تاکید ہے ہے ہم کو بلایا جاتا

نالتوانی سری ان روزوں ہے اس زوروں پر
 کہ تصور میں نہیں پار کے جایا جاتا
 غم کے کھانے سے فراغت ہی نہیں ہے ورنہ
 ہم سے کیا زہر بھی فرقت میں نہ کھایا جاتا ؟
 دل لگی کی کوئی صورت ہی نہ تھی کچھ میں
 میں صنم خانے میں کیوں کر نہ خدایا جاتا ؟
 مؤدہ اے شوقِ شہادت کہ بن آئی اب تو
 زہر میں خنجرِ قاتل ہے بچھایا جاتا
 لاکھ گو جمع ہیں سامان طرب انگیزی کے
 کنچر غم بھی تو نہیں چھوڑ کے جایا جاتا
 مجمعِ عام میں سائندہ زلیخا ہرگز
 ہم سے تو پار کو اپنے نہ دکھایا جاتا
 حاملِ بارِ اسالت فقط اسان ٹھہرا
 سچ ہے یہ بار کسی سے نہ اٹھایا جاتا
 بھولے بھولے سے جو رہتے ہو کہو خیر تو ہے
 یہ تو کچھ عشق کا انداز ہے پایا جاتا
 سوزِ دل کو تو ہوتا نہیں مطلق آرام
 گرچہ دریا ہے ان آنکھوں سے بھایا جاتا
 نقص تھا جتن و ملک میں ، جو نہ ہوتا انسان
 اشرفِ خلق بہلا کس کو بنایا جاتا ؟
 رندِ بے غوار ہے بھروج ، یہ کیوں کر مانوں ؟
 وضع سے اس کی تو ایسا خوب پایا جاتا

(۲۰)

عدو ہر ہے یہ لطفِ دم بہ دم کیا ؟
 ہونے وہ آپ کے قول و قسم کیا ؟
 ملیں اس تند خو سے جا کے ہم کیا
 یہ سچ ہے آب و آتش ہوں ہم کیا
 ذرا ذرے کی تم مقدار دیکھو
 ہارا بیش و کم کیا اور ہم کیا
 کھڑے ہیں چوکنڑی بھولے جو آہو
 نظر ان کا بڑا اندازِ رم کیا ؟
 نہاب ہر شکر میں ہے سو شکایت
 مگر سمجھیں گے وہ طرزِ رقم کیا
 وہ میری لاش پر بولے یہ ہنس کر :
 ”بھلا صاحب ہمیں دیتے ہو دم کیا ؟“
 جھپکنا آنکھ کا منزل رساں ہے
 یہاں سے دور ہے ملکِ عدم کیا
 معطر ہیں غضب جھونکے ہوا کے
 کھلی ہے ان کی زلفِ خم بہ خم کیا ؟
 سزا ہے جب کہ خم منہ سے لگا ہو
 ہارے کام کا ہے جامِ خم کیا !
 جیسے سو بار اک ہوسہ جو دے کر
 وہ جانے شیوہ اہلِ کرم کیا

کہا میں نے کہ ”مر جاؤں؟“ تو بولے
کہ ”تم جیسوں کے مر جانے کا غم کیا؟“

جفا بھی ے محل ہے مسمیٰ ہر
وہ کیا جانے کہ ہے لفظِ ستم کیا
نہ ملنے کی قسم کھاتی تو بولے :
”ارے تو کیا ہے اور تیری قسم کیا؟“

وہ اک بوے بہ بھی لیتے نہیں دل
بھلا قیمت کریں اس سے بھی کم کیا ؟
ہوا قربِ خدا ، چھوڑی خودی جب
کریں ہم اپنے مر جانے کا غم کیا
ہمارے دل سے ہو چھو اس کی لذت
رقیبوں کا بھلا ذوقِ ستم کیا
کہا سچ حضرت ناظم نے مجروح :
”ہماری زلدگی کیا اور ہم کیا“

(۲۱)

کل نشے میں تھا وہ بت ، مسجد میں گر آجاتا
ایمان سے کہو یارو ، پھر کس سے رہا جاتا ؟
مردے کو جلا لیتے ، گرنے کو اٹھا لیتے
اک دم کو جو یاب آئے تو آپ کا کیا جاتا ؟
بہ کہتے کہ دھیان اس کو آتا ہی نہیں ورلہ
بھڑ سے تو سولتے وہ دم میں اٹھا جاتا

محفل میں مجھے دیکھا تو ہنس کے لگے کہتے :
 ”آنے سے ہر اک کے ہے صحبت کا مزا جانا“

ایذا میں یہ پائی ہیں ، مشغور اگر ہوتا
 میں رسمِ تعشق کو دنیا سے الٹا جاتا
 کیوں پاس مرے آکر یوں بیٹھے ہونہ پیرے
 کیا لب ترے مصری ہیں ، میں جن کو چبا جاتا ؟
 کیا جلوہ نما وہ نہ کوٹھے پہ ہوا آکر ؟
 کچھ آج سویرے سے سورج ہے چھپا جاتا
 یہ کاشیں کیوں ہوئیں ، کھبرا کے اگر یہ دل
 پہلو سے نکل جاتا ، آرام سا آجاتا
 اچھا ہوا محفل میں مجروح نہ کچھ بولا
 وہ حال اگر کہتا تو کس سے سنا جاتا ؟

(۲۲)

تصورِ رخِ جلال میں شب یہ حال ہوا
 کہ رشکِ خوابِ زلیخا مرا خیال ہوا
 مجھے کلیم ، ہوا طورِ جل کے خاکِ سیاہ
 کہیں وہ جلوہ چال اور کہیں جلال ہوا
 تمہاری چال کے فتویٰ کی کس کو آگاہی
 یہ اس سے پوچھے دل جس کا ہائِ مال ہوا
 وہ مجھ سے کہتے ہیں تو نام تو ہوا اہنا
 تمام عمر کی محنت کا یہ سال ہوا

کہا جو اس کے لبِ شکریں کو لعلِ خوش آب
 تو کیسا قسطِ غضب سے وہ عجب یہ لال ہوا
 یہاں کمال کی وقعت کہاں ہے ، بدر کو دیکھ
 بھنسا وہ قفس میں جب صاحبِ کمال ہوا
 نظرِ فریب نہیں کوئی حسنِ گندم گون
 مگر زمانے میں ات سورقوں کا کال ہوا
 فروغِ حسن نے تیرے یہ اس کو کاش دی
 کہ بدر رشک سے گھٹ گھٹ کے ہے ہلال ہوا
 شروعِ شکوۂ اعدا میں اس قدر خفگی
 یہ ایسی بات تھی کیا جس کا یہ سلال ہوا ؟
 اسی کا نام ہے آنا ؟ تمہیں کرو انصاف
 کہ آ کے اٹھتے ہی جانے کا سوال ہوا
 دل اس کے وصل سے محروم ہی رہا ، سچ ہے :
 وہ بے نصیب ہے جو طالبِ محال ہوا
 حواسِ باخشد ہیں ، تن بدن کا ہوش نہیں
 تیرا جدائی میں مجروح کیا یہ حال ہوا !

(۲۳)

چہاں اناں سے دل کو ، فائدہ کیا ؟
 بھلا چھوڑے گی وہ باتی ادا کیا ؟
 لہ تھے تم غیر کے گھر ، سچ ہے ، لیکن
 یہ چرچے سو رہے ہیں جا بجا کیا ؟

میں عاشق ہوں ، یہ تم بھی جانتے ہو
پھر اس کا پر گھڑی ہے پوچھنا کیا ؟

ایسا محشر میں ہے اک تازہ محشر
رخ جاناب سے پردہ آٹھ گیا کیا ؟

وفا ہی میں نہ ہو جب اپنی تاثیر
تو اس کی بے وفائی کا گلا کیا ؟

بہاں تو جات ہی پر آئی ہے
تسری وہ ہی چلی جاتی ہے کہا کیا

چلے تو ہیں کہ دیکھو آئیں صنم کو
مگر دیکھو ہیں ، دکھاتا ہے خدا کیا

دل و جان ، صبر و طاقت جا چکے سب
فلک ! ہوگا بس اب اس کے سوا کیا ؟

کہا جب : ”دل نہ لے جاؤ“ تو بولے
کہ ”میرا اور تیرا ہے جدا کیا ؟“

بہارِ بساخ روح افزا ہے لیکن
شگفتہ ہو دلِ درد آشنا کیا

نہ کہہ سکتے ہیں ہاں اس کو نہ دشمن
نہیں معلوم ہے یہ ساجرا کیا

تلافی آپ کو کرنی پڑے گی
نہ پوچھو حسرتیں ہیں مجھ کو کیا کیا

مرا غلط دیکھ کے قاصد سے پوچھا :
”سری فرقت میں وہ جیسا رہا کیا ؟“

رکاوٹ ہم سے اور سب سے لٹکاوٹ
شرارت خیز ہے اس کی حیا کیا
نہ ہو مجروح جب نائل نمک ہواش
تو پھر زخموں کے کھانے کا مزا کیا ؟

ردیف ب

(۲۴)

اس سے لیہنے کے کچھ نہیں اسباب
وہ تفائل شعار و میں بے تاب
واجب التل ہے دل بے تاب
کشتہ ہوا ہی خوب ہے سیاب
ابر کی تیرگی میں ہم کو تو
سوچنا کچھ نہیں سوائے شراب
اپنی کشتی کا ہے خدا حافظ
بچھے طوفان ہے ، سامنے گرداب
یوسف سائکا تو یہ جواب ملا :
”سیکھے پہلے عشق کے آداب“
اس کو پھرتا ہے ڈھولتتا ہر سو
کیوں کر آنکھوں سے اڑ نہ جائے خواب ؟
دردِ الفت جو ہوتے ہی مرتے
یہ اذیت نہ کھینچنے احباب

نہیں ممکن کہ جمع ہوں دونوں
 ساقِ مہر و ش ، شبِ مہتاب
 سامنے اس کے جو ٹھہر جائیں
 نہیں لے لایوں کو اتنی تاب
 اہلِ عالم سے چاہتا ہوں ولہ
 اس کا طالب ہوں جو کہ ہے نایاب
 عشق کے ساتھ ہی گئے دل و دیہ
 آگنی میل ، یہ کیا اعیاب
 صاف فقرے ہوں اور ہمیں ہر ہوں
 شیوہ اچھا تو ہے ، مرا آداب
 ہوتی گر اس جہان میں کچھ غوی
 کہتے کیوں پھر صفت میں اس کی خراب ؟
 آزمائے نہ دل کو سختی سے
 ٹوٹ جائے نہ یہ درِ لایاب
 کس طرح بصرِ عشق سے نکلوں ؟
 یہ تو دریا کہیں نہیں ہایاب
 شعلہٴ حسن ! تیرا کیا کہنا
 بیونک دے اس کے پردہ ہائے حجاب
 اس کی شوخی کا ہے تعجب کیا ؟
 حسن یہ کچھ اور اس پہ عینِ شباب
 غالب آئے ہیں ، لاؤ اے مجروح
 یادہ تاب میں ملا کے گلاب

(۲۵)

مانگم نہ ہم بہشت نہ ہو واپ اگر شراب
 دوزخ میں ڈال دیجیے ، دیجیے مگر شراب
 زاہد کے بخت بد کی ہے خوبی و گولہ کیوں
 چھوڑے کوئی شراب کی امید پر شراب
 توبہ تو ہم نے کی ہے ہر اب تک یہ حال ہے
 پانی بھر آئے منہ میں ، دکھا دیں اگر شراب
 گویا شراب ہی سے بھرا عمر کا قلع
 موت اس کی خوب ہے جو ہے عمر بھر شراب
 سمجھا نہیں کہ جینے ہیں مردے اسی طرح
 چھڑکے و گولہ کیوں وہ مری خاک ہر شراب
 ہے لطفِ زیست یہ کہ وہ بٹھا ہو رو برو
 بکھرے ہوں بھول ادھر تو دھری ہوا دھر شراب
 بے خود کیا جہاں کو تیری چشمِ مست نے
 نہیں کسی اس پسالے میں اے فتنہ گو شراب ؟
 چشمِ میاں مست ، نگہ مست ، آپ مست
 بٹھا ہے دل لگی کو بتِ عشوہ گر شراب
 توبہ میں ہم نہ کھالیں گے الزام ، کیا ہوا
 اک آدم ہمارے گئے گھر بھول کر شراب

بمراوح بیش و کم سے چالب کچھ غرض نہیں
سمجھے قنوج غیب ، ملے جس قدر شراب

(۲۶)

حرفِ رخصت لبِ شہریں پہ نہ لانا صاحب
بیٹھے بیٹھے کہیں قنہ نہ اٹھانا صاحب
بعدِ مردن بھی چالب دستِ نمنا ہی بلند
بے خبر ہوں میرے مرقد پہ نہ آنا صاحب
ذکرِ اغیار مجھے دیکھ کے کرنا کیا تھا
ڈھونڈتے آپ ہی لڑنے کا پھانا صاحب
تم خوشی دوست ہو ، احوال نہ پوچھو میرا
درد انگیز بہت ہے یہ لسانا صاحب
کچھ قیامت تو نہیں ، جس کا ضرور آنا ہے
چشمِ بد دور ! یہ ہے آپ کا آنا صاحب
کچھ شب وعدہ ہی مہندی کا لگانا تھا ضرور
خواب ہاتھ آپ کے آیا یہ پھانا صاحب
سہر انگیز لگاہوں سے ٹپکنے تھے کرم
ہائے وہ اگلے محبت کا زمانا صاحب
عشق جو کرتے ہیں پتھر کے جگر ہیں ان کے
ایسا آسان تو نہیں دل کا لگانا صاحب
شبِ فرقت میں کسی طرح سے آتا ہی نہیں
ہو گیا خواب بھی کیا آپ کا آنا صاحب ؟

آنکھ لڑنے لگی غیروں سے جو بیٹھے بیٹھے
 کیا ہوا مگر نظر میرا اٹھانا صاحب ؟
 مجھ کو الدورِ جدائی سے سمجھنا بے دم
 آپ کا جانا ہے بس موت کا آنا صاحب
 نو غلطی میں ہمیں سر مشقِ ستم کر لیجے
 باتھ آئے گا نہ پھر ایسا زمانا صاحب
 ہم ٹڑپتے رہیں اور آپ نظر بھی نہ کریں
 اس رُکھائی کو خزا بھول نہ جانا صاحب
 رندِ گستاخ ہے ، کچھ دستِ درازی نہ کرے
 پاسِ مجروح کو ہرگز نہ بٹھانا صاحب

ردیف پ

(۲۷)

لڑ کے اغیار سے جدا ہیں آپ
 مجھ سے بے وجہ کیوں خفا ہیں آپ ؟
 میں اور الفت میں ہوں کہیں پایند ؟
 وہم میں مجھ سے بھی سوا ہیں آپ
 غمزدے سے ، باز سے ، لکاؤٹ سے
 ہر طرح آرزو فرما ہیں آپ
 ہاں تو دل ہی نہیں ہے ، پھر کیا دیں ؟
 یہ تو سانا کہ دل رہا ہیں آپ
 کون سا دل نہیں سمجھاری جا ؟
 جلوہ فرما ہر ایک جا ہیں آپ

دل نہ دینے ، جو منہ نہ دکھلائے
 خود تمسق کی ابتدا ہیں آپ
 ہم نے ہاں لگے خودی کو ہو کیا
 میں نہیں اب تو میری جا ہیں آپ
 کیا سنا حال تلخ کاموں کا ؟
 حد سے افزوں جو بد مزہ ہیں آپ
 واں خبر ہی نہیں تو پھر بھڑوچ
 کیوں مصیبت میں مبتلا ہیں آپ ؟

ودیف ت

(۲۸)

چندؔ عطرِ ریحانِ رسالت
 سہی سروِ گلستانِ رسالت
 اسی کی بات برہانِ نبوت
 اسی کی ذات شایانِ رسالت
 وہ ہے شیرازہ بندِ جزوِ ایمان
 وہ ہے تفسیرِ قرآنِ رسالت
 کیا مہرِ نبوت نے ہم ثابت
 کہ ہے اب ختمِ فرمانِ رسالت
 اسی اک نور کا پرتو ہے ہر جا
 وہ اول ہو کہ پایانِ رسالت
 نہیں بے اذن آسکتے ملائکہ
 ادب ایسا ہے دربانِ رسالت

ہوئی کس ذات سے ہے اس کو نسبت
زہے صلی علی شافِ رسالت

بنے اس کے طفلی آدم و نوح
نہ ہونے کیونکہ مہانتِ رسالت

جالِ شرک سوزِ احمدی نے
کیا روشن شہستانِ رسالت

اسی کے گزرتے کفار کش نے
کھے مضبوط ارکانِ رسالت

ق

نہ بے جاں ہوئی تھی بعدِ عسی
وہ آہنجا دل و جانِ رسالت

وہ ختمِ العوسلیب ، یعنی محمدؐ
کہ جس کی شانِ شایانِ رسالت

الحص الخاصِ درگاہِ الہی
شکوہ افزائے ایوانِ رسالت

وہ فخرِ انبیاء ، جس کے قدم سے
بڑھی کچھ اور ہی شانِ رسالت

ملی تھی اس لیے مہرِ لبوت
کہ تا آخر ہو فرمانِ رسالت

مگر نایاب ہے ایک ایک معصوم
جو اہر خیز ہے کانِ رسالت

یہ ہے عرض مجروحِ حزیب کی
 یہ درگزر جہاں ہاںِ رسالت
 شرر افگن ہو جس دم سہرِ محشر
 یہ سر ہو زیرِ دامنِ رسالت

(۲۹)

ابھی موجود ہے دارِ محبت
 نہ کر منصورِ اظہارِ محبت
 ہزاروں کھر ہوئے ہیں اس سے ویران
 رہے آباد سرکارِ محبت
 کہیں ملتی ہے یاں جنسِ وفا بھی !
 چلو ، دیکھو نہ بازارِ محبت
 گئی ے کار سب معرِ مسیحا
 بڑا جاں نیر نہ تیارِ محبت
 ہمارے دوست کو کوئی نہ چاہے
 نہ ہو دشمن کو آزارِ محبت
 باری جوئے چشمِ تر سے ہا رب
 رہے شاداب گلزارِ محبت
 بڑا لازم ہتکے کا جلا لیا
 کما ہے اس نے اظہارِ محبت
 نہ جس سے کوہ کن بھی سر نہ آیا
 کچھ ایسا سخت ہے کارِ محبت

نہ ہو کس طرح مغز جاں معطر
 یہ ہے بوئے سم زارِ محبت
 ادھر واسقِ ادھر فرہاد و مجنوں
 بھرا رہتا ہے دربارِ محبت
 غصہ لکھنے سے کیوں کہہرا گئے ہو ؟
 ابھی باقی ہے طومارِ محبت
 اے کیا بسترِ گل پر ہو آرام
 کھٹکتا جس کے ہو خارِ محبت
 ہر اک کو پیش آتا ہے لیا رنگ
 کھلے کس طرح اسرارِ محبت
 فلک جس کے اٹھانے سے ہے عاجز
 غضب سنگین ہے ہمارِ محبت
 نفس میں سرگیا بھروح ، سچ ہے
 نہیں چھٹا گرفتارِ محبت

(۳۰)

ایذا ہی دردِ ہجر سے پائی تمام رات
 کل ایک لمحے ہم نے نہ پائی تمام رات
 بیدار ایک میں ہی فراقِ صنم میں ہوں
 سوئے ہے ورنہ ساری خدائی تمام رات
 اپنی شبِ وصال تھی یا جنگِ غیر تھا
 تھی ہر سخن پہ ان سے لڑائی تمام رات

ہمارے اس اضطراب کا کچھ تو اثر ہوا
 گھر میں انہیں بھی لہند نہ آئی تمام رات
 وہ اور ان کے منہ کا دکھانا تو اک طرف
 صورت نہ موت نے بھی دکھائی تمام رات
 کیا تازی ہے واہ! کہ گجروں کے بوجھ سے
 دکھتی رہی وہ لہوم کلائی تمام رات
 بٹنے سنورنے ہی میں الہیں صبح ہو گئی
 فرصت نہ عرضِ شوق کی پائی تمام رات
 اپنی نہ کوئی شب ہوئی آرام سے بسر
 رہتا ہے فکرِ روزِ جدائی تمام رات
 زخمِ دل و جگر میں رہی ٹیس اس قدر
 مجروح مجھ کو لہند نہ آئی تمام رات

(۳۱)

غیر سے ملے نہ صاحبِ بحر و شام بہت
 دیکھو، اس وضع سے ہو جاؤ گے بدنام بہت
 زندگی اپنی میں اس واسطے کہتا ہوں اے
 تلخ ہے ذائقے میں بادلِ گلِ فام بہت
 نہ وہ ہر دم کا ٹڑپنا نہ وہ شورش نہ وہ آہ
 دل کے جھانے سے ہوا جانِ کو آرام بہت
 میں اور ان سے طلبِ ہوسہ ؟ نہیں منہ ہڑاتا
 مجھ سے کم ظرف کو ہے لذتِ دشنام بہت

بد مزاجی سے کبھی ، عریضہ سازی سے کبھی
 ہم کو بے چین ہی رکھتا ہے دل آرام بہت
 آپ حیوان عوضِ مے ہے کبھی ، گہ زم زم
 دھوکے دیتا ہے مجھے ساقی گلِ فام بہت
 رندی و مستی و مے خواری و شاہد بازی
 فرصتِ عمر تو کم اور مجھے کام بہت
 تھوڑی سی دولتِ دنیا یہ ہے منعم مغرور
 سچ ہے ، ہوتا ہے تنگ طرف کو اک جام بہت
 جی میں ہے آہ سے احوالِ دگرگوں کر دوں
 تنگ رکھتی ہے مجھے گردشِ ایام بہت
 درمے خالصہ کیا بند مغالے نے شاہد
 آج گھبرائے جو پھرتے ہیں سے آشام بہت
 سدہ نہ لی آنے کی میعادِ چٹا پیشہ نے
 میں ٹوٹتا بھی رہا گو کہ تیرِ جام بہت
 افس کا ہنس بول ہی کے کالسا پتھر جانو
 گو کہ مجروح زمانے کے ہیں آلام بہت

(۳۲)

اپنی ہستی ہے خواب کی صورت
 بود ہے یہ حباب کی صورت
 خواب میں بھی نظر نہیں آتی
 شبِ ہجران میں خواب کی صورت

رال ٹپکنے کی شیخ صاحب کی
 نہ دکھاؤ شراب کی صورت
 اور بھی کچھ ہکڑی جاتی ہے
 اس جہانِ خراب کی صورت
 دل جو کھچتا ہے ہمدردِ کامل پر
 ہے یہ کس کے شباب کی صورت
 شیخ ، رلدوں کو حشر میں بھی خدا
 نہ دکھائے جناب کی صورت
 دل تو ہر ہے لکاتِ رلکیں سے
 گو ہیں خاموش کتاب کی صورت
 مرا گئے ، ہر نظر میں بہرہ ہے
 اس خانہ خراب کی صورت
 سہرے حشر کو دیکھنا ہے اگر
 دیکھ اس کے شباب کی صورت
 میں تو کیا ہوں ، نقاب نے نہ کبھی
 دیکھی اس ہر حجاب کی صورت
 روئے جالان کے درمیان مجروح
 ہوں میں حایل نقاب کی صورت

(۳۳)

منہ ہمہ رکھنے لکے نقاب بہت
 آج کل پڑھ گیا حجاب بہت

ہم بھی امید وصل سے خوش ہیں
 ہے زمانے کو انقلاب بہت
 جان بچتی نظر نہیں آتی
 آج ہے دل کو اضطراب بہت
 دارِ فانی میں کیا ہو خاطر جمع
 خود پریشان ہے یہ خواب بہت
 لہ جا رنگ اشک خوں کے حضور
 یوں تو پراسا کیا محاب بہت
 کیوں لہ گھبرائیں آہ سوزاں سے
 ہے گلِ رخ پہ آب و تاب بہت
 خوار و رسوا، ذلیل و سودا
 مل چکے ہیں ہمیں خطاب بہت
 دیکھ سکتا نہیں وہ مصحفِ رخ
 اس میں ہیں آیتِ حجاب بہت
 سب بھلایا ہے ضعفِ پیری نے
 یاد آتا ہے ہر شباب بہت
 پہلے ہی ٹرے ہم تو سمجھتے ہیں
 یہاں ہے تھوڑا ہی سا عتاب بہت
 دوست گنتے ہو غیر کو اپنا
 ہے غلط آپ کا حساب بہت
 جان و دل کو کباب کر ڈالا
 گرم ہے آہِ شعلہ تاب بہت

دہشتِ قبر ہے اگر اے دل
 ورد رکھ نامِ بوسلراب بہت
 صبح بے ہوش تھے پڑے بھروسہ
 بی گئے رات کو شراب بہت

(۳۴)

ہے یہ جانِ لزار کی صورت
 جیسے اجڑے دیوار کی صورت
 ہو کے سیلاب بھی نہ ہوں کشتہ
 قاتلہ نکلے قرار کی صورت
 کس کی دیکھی تھی آئیے نے شکل
 صبح دیکھی جو پار کی صورت
 ہم ہوئے صدمہ "خزاں سے تمام
 کس نے دیکھی بہار کی صورت
 کاوشِ غم یہ ہے کہ پہلو میں
 دل کھٹکتا ہے خسار کی صورت
 مرنے خود ہی جب تو کیا حاصل
 گھر بنے بھی مزار کی صورت
 حور ہر طبع کب ہونی راغب
 کوئی دکھلانے پار کی صورت
 میری تصویر دیکھ کر بولے :
 "ہے یہ کس سوگوار کی صورت ؟"

موسمِ گل میں اپنے چہرے کی
کچھ نہ نکلی ، ہزار کی صورت

ہوئیں بے نائدہ جیسے مجروح
ہم چراغِ مزار کی صورت

(۳۵)

نہیں اچھی الگ جانے کی عادت
کرو جو بے گل آنے کی عادت

رہا سر کر بھی زیرِ ہائے معشوق
ہمیں بھائی یہ پروانے کی عادت

ڈرو اے شیخِ ولد بے ادب سے
ڈرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت

ہمیں ہے نعمتِ الوان سے کیا کام
ہڑی ہے ہاں تو غم کھانے کی عادت

جو دل لینا ہے تو شاہد بھی لاؤ
کہ تم کو ہے مگر جانے کی عادت

عدو کی غور سے باتیں نہ سنئے
ہے اس شیطان کو بھکانے کی عادت

گنہ ہو یا نہ ہو ، بے وجہ اے زلف
نہیں تو ہے الجھ جانے کی عادت

نصیحت پر نہ تم ناصح کی جواز
کہ ہے اس خر کو چلانے کی عادت

لکالے جاؤ گے اس گھر سے مجروح
نہ چھوڑی گر وہاں جانے کی عادت

ردیف ٹ

(۳۶)

دل کو میرے اڑا لیا جھٹ پٹ
واہ، کیا خوب آپ کی ہے جھپٹ
فرطِ گریہ نے کچھ نہ چھوڑا، ہائے
لختِ دل آنکھ سے گرے کٹ کٹ
شبِ غم نے بچھا دیے کاٹھے
چمن آنا نہیں کسی کروٹ
کتنا ڈھونڈا مگر ہتا نہ لگا
دل کو لے ایسا کر دیا تل پٹ
کیا ہنسی غیر کی اڑی شب کو
کیا کے ٹھوکر جو میں گرا چوہٹ
ہوسہ مالکا لو کسی رعولت سے
کہتے ہیں: ”چل، اڑے پرے کوہٹ“
کون مہاب ہوا کہ بستر سے
آج بھولوب کی آ رہی ہے لٹ
اب کا خادم ہم یہ تناسا ہے
نہ رہے فرشِ خواب میں سلوٹ
ایسا میری طرف سے ساقِ بزم
جب صراحی میں رہ گیا تلچھٹ

کو تو میں نہیں کرو نہ اس سے شیخ
 رندِ مے خوار ہے بہت منہ بھٹ
 صاف دل سے کہی نہ مل بیٹھے
 ان کو مجھ سے سدا ہی کھٹ پٹ
 میرے مرے سے پٹ کے یوں بولے :
 ”یہ ہلا ہے ، کہیں نہ جائے پٹ“
 زندگانی کا کیا بھروسہ ہے
 سارے جھگڑے فیڑ تو جھٹ پٹ
 موسمِ گل ہے ، باغ میں دیکھو
 گلِ عزاروں کے ہر طرف جھرمٹ
 شبِ وصلت میں چولک پڑتے ہیں
 ہو ہوا کی بھی کر ذرا آہٹ
 کب مرے دام میں وہ آنا ہے
 ہے وہ عیار اک بڑا نٹ کھٹ
 نہیں جاتا مزاج کا بھین
 اس کو ہر بات پر وہی ہے پٹ
 گل ہے اشکوں سے سارے گھر کی زمیں
 کہیں اس کا نہ پاؤں جائے پٹ
 نہیں جاتا ہے ہویر قسمت کا
 آگے یاں پھر گئے وہ گھر کو پٹ
 کچھ ہو مجروح ، کہیں چلو گھر میں
 آج در اس کا ہے کھلا چوہٹ

ردیف ت

(۳۷)

فکرِ تعمیرِ سقف و خاتمہ عبت
جو کہ بگڑے اسے بنانا عبت

کیا لیا خضر نے جو ہم لیں گے؟
خواہشِ عمرِ جاوداںہ عبت

ہے غارِ شبیہ باعثِ خواب
دردِ سر کا ہے یہ ہالہ عبت

غم کے کھانے سے ہو چکی فرصت
ہے ہمیں فکرِ آب و دالہ عبت

گہات میں ہے لگی ہوئی جیلی
ہم بناتے ہیں آشیانہ عبت

عمرِ دو روزہ کا گزرتا کیا
رہنے کو ڈھونڈنا ٹھیکہ عبت

شوخی و شرمِ نسبہ نہیں سکتی
منہ دکھا کر ہے پھر چھپانا عبت

حیدِ لاغر پسند ہو کس کے
میں بنا یار کا نشانہ عبت

جب وہ رلکیں مزاج ہو فاعوش
چشمِ نر سے ہے خون بہانا عبت

جب کہ فانی جہان ہے تو بہر
یہ عبت، اس کا کارخانہ عبت

شمعِ بزمِ عدو ہے وہ مجروح
تیرا ہر دم ہے دل جلانا عبت

ردیف ج

(۳۸)

شبِ مہِ روشنیِ فشاں ہے آج
ساقیِ مہر و شِ کہان ہے آج ؟

شبِ مہ اور سرد سرد ہوا
شورشِ انگیزِ مے کشاں ہے آج

توبہ وہ ہے جو ابر میں ٹہم جائے
زہدِ زاہد کا امتحان ہے آج

کل وہاں تھے بہار کے جلوے
برگِ ریزِ خزاں جہاں ہے آج

ہے جو افزوئیِ ستم ، شاہد
گنہ کیا اس سے آسائ ہے آج

کس نے آغوشِ شوق میں کھینچا
کہ جیوں اس کی غمے ' فشاں ہے آج

لے چکا دل مگر ہے خواہشِ جاں
یار کیوں مجھ پہ مہربان ہے آج ؟

گم نہ سرشتہٗ سخن ہو جائے
ذکرِ معدومِ جہاں ہے آج

گفتگو کی ہے سہمندانہ غیر
کہیں دھیان آپ کا کہاں ہے آج ؟

پردہ خود ہو گیا ہٹاؤ کہ وہ
جلوۂ حسن میں نہاں ہے آج

ہو جہاں اجتماعِ شاہ و گدا
وہ مضاف ہی کا آستان ہے آج

کونٹ ہی مالدہ رہ گیا کہ جسے
ڈھولتقی گردِ کارواں ہے آج

نظم

اس تلون کی کوئی حد بھی ہے
ہو چکا جس کا استحباب ہے آج

جس کو در تک نہ ہار تھا کل تک
آپ کا وہ مزاج داب ہے آج

ابر آگے سے ٹل گیا ڈر کر
جوش پر چشمِ خوں نشان ہے آج

گر تے بھلی چلا گئی شاید
یاد آتا جو آشیاب ہے آج

شورِ نالہ سے حشر ہے برپا
کل جو ہو کا وہاں ، یہاں ہے آج

جان اس پر نثار کر نہ سکا
چپ جو بھروسہ لم جاں ہے آج

(۳۹)

جوش ہر اہرِ لوبہار ہے آج
 مست بے ہادہ سے گسار ہے آج
 موسمِ گل ہے اور وہ گل ہے
 باغ میں دوسری بہار ہے آج
 تو اگر ہے تو میں نہیں تا شام
 بے قراری سے یہ قرار ہے آج
 ہاتھالی کو کیا ملا نہ کوئی
 کچھ مکدر وہ شہسوار ہے آج
 گل وہ آنے کو کہہ گیا اور باب
 دل نہایت ہی بے قرار ہے آج
 کیا کوئی ظلم آزمانا ہے ؟
 یاد میری جو بار بار ہے آج
 لکڑی در سے ہو لکائے ہوئے
 سچ کہو، کس کا انتظار ہے آج ؟
 واہ اہرِ لوبہار کی تاثیر
 شیخِ خود سے کا خواستگار ہے آج
 رنگِ اہلِ جہان کا یہ ہے
 گل ہی دشمن ہے جو کہ یاد ہے آج
 سامنا سہر نے کیا شاید
 گرم وہ آتشیں عذار ہے آج

کل کیا تم نے کوئی سا پورا
 کس کو وعدے کا اعتبار ہے آج ؟
 کیا ہوا اس کو عزمِ خاصہ ؟
 دل دھڑکتا جو بار بار ہے آج ؟
 وعدہ قتل کی یہ کیوں رکھو
 الہو ، حاضر یہ جابِ نثار ہے آج ؟
 غبر نے کیا یہاں ہے شہرتِ وصل
 زہر کیوں مجھ کو خوش گوار ہے آج ؟
 کیا وہ نظروں سے چھپ گیا مجروح
 کیوں تری چشمِ اشک بار ہے آج ؟

(دہلی ج)

(۲۰)

بس ہے اک چشمِ غضب ، قتل کو تلوار نہ کھینچ
 اتنی تکلیف سرے واسطے اے یار نہ کھینچ
 کمر نہ پرہیزیِ عالم کی مصور صورت
 اس کی تصویر کو تو برسرِ دیوار نہ کھینچ
 اولِ دردِ محبت ہے ، نہ گھبرا اتنا
 سرد آہیں تو ابھی سے دلِ یار نہ کھینچ
 پھر وہ آئے گا نہ پرگز ، دلِ بے تاب سنبھل
 بے اجازت اے آغوش میں زنجار نہ کھینچ
 لکھ وہ مضمون جو ہو نفعِ رسانِ عالم
 روزِ کاغذ یہ لکیریں یونہی بیکار نہ کھینچ

خواب میں بھی تو کسی نے نہیں دیکھا آئے
 النظار اس کا تو اے دیدہ بیدار نہ کھینچ
 اتنی بھی سہ ادبی ، جذبِ زلیخا بس اس
 یوسفِ مصر کو ظالم سرِ بازار نہ کھینچ
 شبِ وصلت ہے ، نہ رکھ بیچ میں تکیہ ظالم
 مجھ میں اور آپ میں ہے وجہ یہ دیوار نہ کھینچ
 عصرِ دو روزہ یہ یہ طولِ اہل اے غافل
 تھوڑی راحت کے لیے محنتِ ہمار نہ کھینچ
 بار کا گھر ہے ، نہیں خانہٴ اعداء ، اے دل
 نالہ ہائے شر افگن بس دیوار نہ کھینچ
 ٹوٹ جائے گا ، نہ رکھ کشمکش ہر روزہ
 دیکھ ، سرشتہٴ الفت کو مرے ہمار نہ کھینچ
 ان کو جانے سے جو روکوں تو یہ کہتے ہیں کہ ”واہ!
 درد ہوتا ہے مرے ہاتھ کو ہر بار ، نہ کھینچ“
 جو ہو قدموں سے لگا اس کو جدا کیا کیجے
 دیکھ غم خوار مرے آہوں سے خار نہ کھینچ
 بارِ احساں کا اٹھانا ہے نہایت مشکل
 غیر کا ذکر ہے کیا ، بار کی بھی عار نہ کھینچ
 ساقِ یزم کو تلچھٹ کے ہے دینے میں دریغ
 ذلتیں جا کے وہاں رلدِ قدح خوار نہ کھینچ
 کہیں دامن کی جگہ خود نہ کھجے وہ بد خو
 ہمار کے گوشہٴ دامن کو دلِ زار نہ کھینچ

مجھ کو زخموں سے ہے کیا فکر کہ خود ہوں مجروح
تو ڈرانے کو مرے خنجرِ خونِ عوارِ لہ کھینچ

ردیف ح

(۴۱)

خوب دیکھی ہے اس جہاں کی طرح
نہیں تسکینِ فزا جہاں کی طرح
سرکشیِ سرو کی نہیں ہے جا
کچھ تو ملتی ہے اس جواب کی طرح
جستجوِ ناکام ہے ، ہر چند
روز چلتے ہیں ہم زباں کی طرح
کسی سہ رو کی جستجو میں سدا
رہے چکر میں آسماں کی طرح
ہم گراں جان اس کے کوچے سے
لہ لہے سنگِ آستان کی طرح
چن دیتی نہیں غلشِ غم کی
دل میں کھٹکتے ہے کچھ سناں کی طرح
آشناؤں سے اس قدر نفرت !
ہے یہ فرمائے کہاں کی طرح ؟
دل میں آؤ تو تم کو ہو معلوم
کہ لڑائی ہے اس مشکل کی طرح
کچ کلاہ ، کچ لگاہ و کچ رشتار
کھپ گئی دل میں اس کی ہانکی طرح

سبزہ خط کا ہے قدم آیا
 گلشنِ حسن میں غزاق کی طرح
 بے سبب کولہلق نہیں بھلی
 ہم نے ڈالی ہے آشیاب کی طرح
 آ کے وہ نمکت جاتے ہیں
 چمکے بسٹھے ہیں مہاب کی طرح
 رہنے اس کی گلی میں ہم ، گر بخت
 ہونے بیدار ہاشیاب کی طرح
 بوب سخت در بہت ہیں ہر مجروح
 اور ہے اپنی کچھ یساب کی طرح

ودیف خ

(۲۲)

کو آپ کے بھی ہاتھ کا ہے رنگِ حنا سرخ
 ہر اشکِ جگر کون ہے مرا اس سے بھی سوا سرخ
 ہاں ، کون کیا جان ہے ، کس پر غضب آیا ؟
 کیوں غصے سے چہرا ہے تورا مسافر لقا سرخ ؟
 بالوت بھی کچھ جس کے مقابل میں نہیں ہے
 کیا بادِ کلی ناز کی رنگت ہے بلا سرخ ؟
 دہشتا ہے مرے خون کے کرنے کی گواہی
 پوشاک جو پہنے ہے مرا 'خود لقا سرخ
 کیا اس کو گہاں نشے کا تم کرتے ہو صاحب ؟
 یہ خونِ جگر ہے مری آنکھیں ہیں سدا سرخ

مگر چاٹ نہیں اس کو مرے خوب کی لگی ہے
 منہ کیوں ترے سولہار کا رہتا ہے بہلا سرخ ؟
 نسرین کی حائل کا ہر اک پھول گلے میں
 اس سرخیِ رخسار کے پڑنے ہی ہوا سرخ
 کچھ قتل کا عشاق کے سامان ہے شاید
 اس شوخ جفا جو نے جو پہنی ہے قبا سرخ
 یہ خونِ جگر نے مرے چمکائی ہے رنگت
 منہ آپ کے سولہار کا اتنا تولہ تھا سرخ
 صحبت کا اثر اپنا اپنا ہے ہم رنگ
 آتش تھی اگر سرخ تو آہن بھی ہوا سرخ
 مقتول محبت کی نشان دہی ، مجروح
 تم سنگ لکالا مرے مراد یہ لرا سرخ

ردیف د

(۴۳)

شبِ معراج میں تشریف جو لائے احمدؑ
 غلِ فرشتوں میں یہ اٹھا کہ وہ آئے احمدؑ
 ہوش میں پھر نہ کبھی حضرت موسیٰؑ آئیں
 جلوۂ خاص اگر اپنا دکھائے احمدؑ
 ”بابِ قوسین“ سے نزدیک ہو محبوب جہاں
 ایسی جا کون پہنچتا ہے سوائے احمدؑ
 علقِ فعال کے رہتے نہیں بابِ ہوش بجا
 ایسی آسان سمجھنا نہ ٹٹائے احمدؑ

مشرقستان۔ تجلی ہو سراسر عالم
 رخِ مہر نور اگر اپنا دکھائے احمدؑ
 ہے وہ سینہ جو لبالب ہو منے الفت ہے
 ہے وہ دل جس میں کہہ ساری ہو ولانے احمدؑ
 اس گواں قدر کے لایق نہیں یہ نذرِ حقیر
 جان کیا ہے کہ جسے کہے فدائے احمدؑ
 کر دیا مردے کو اک آن میں زندہ ، گویا
 آبِ حیات ہے لبِ روح فزائے احمدؑ
 ہے دعا حق ہے یہ بھروح کی ہنگام جزا
 سر یہ ہوشیہ کشا اس کے لوانے احمدؑ

(۴۴)

لہ لیں شاہی غلامان۔ محمدؑ
 سلیانؑ فر ہے سلطان۔ محمدؑ
 بشر اور یہ صفات لا تنہاں !
 تعجب خیز ہے شانِ محمدؑ
 مفسر سورۃ والیل کی ہے
 وہ زلفِ عنبر المشان۔ محمدؑ
 کہے ظاہر قصورِ نصیرِ قیصر
 یہ اعلیٰ یس ہے دربانِ محمدؑ
 نہیں ہیں لحن۔ داؤدی کے قایل
 نوا سنجان۔ ہستان۔ محمدؑ

کہاں تھے حق و باطل کے میز
 ہوا فارق ہے فرقانِ ہمد
 کرے کیوں عہدِ رضواں کو منظور
 نہجِ کم ظرفِ دربانِ ہمد
 ہر انگشتہ ہیں جس جا طائرِ قدس
 ہے اس میدان میں جولانِ ہمد
 تھکا آخر خیالِ عرش ہما
 نہ پہنچا تا بہ ایوانِ ہمد
 نسیم کھاتا ہے جس کی ربِ معبود
 عجب ذی قدر ہے جانِ ہمد
 ٹٹا کر ہو کے اترائے نہ سبحان
 خدا خود ہے ٹٹا خوانِ ہمد
 پھٹکتے تک نہیں دیتا ملک کو
 ادبِ داں ہے یہ دربانِ ہمد
 شرارت کر سکیں کیا دیو سیرت
 ملاہک ہیں لنگھانِ ہمد
 سدا گل چیں ہیں اس کے گلِ بد اماں
 تو و تازہ ہے بستانِ ہمد
 کیا شی اک اشارے سے تیر کو
 بہت مشکل ہے آسانِ ہمد
 رسولِ مہربان ہے کون ایسا
 دل و جان میرے قربانِ ہمد

سرِ شام اس لیے چھپتا ہے خورشید
 بنے گا شمعِ ایوانِ ہمد
 میں اور مدحت گری بدوحِ حق کی
 اور ایسی جو ہو شاہانِ ہمد
 سبک امت کے ہے نیکی کا ہٹلا
 جھکا دے ہمارے احسانِ ہمد
 نہیں ہیں آسمان پر نجم و خشاں
 بڑے ہیں ریزہ خوانِ ہمد
 زس دشوار ہے حفظِ مراتب
 بہت کم ہیں ادب دانِ ہمد
 ہر اک ساعتِ تعالیٰ شانہ سے
 مولف ہیں ثنا خوانِ ہمد
 مدحتِ سنج ہے دن رات مجروح
 ہم اردو میں ہے سحرانِ ہمد

(۴۵)

ہے اب تو سامنے آکھوں کے ہر زماں صیاد
 قفس سے چھوٹ گئے ہم ، تو پھر کہاں صیاد !
 شجر ہم برق کا کھٹکا ، زمیں ہم سہل کا ڈر
 ہم آشیانہ بنائیں پھلا کہاں صیاد ؟
 اسیر رہنے کی ضامن شکستہ ہالی ہے
 مری طرف سے عیث ہے تو بدگمان صیاد

چمن کے زمزمہ سنجوں کو کیا قفس سے کام
 مگر ہماری ہوتی گردشِ زمانِ عباد
 نہ سوچتی ہے رہائی نہ موت آتی ہے
 نہ مہربان ہے قسمت نہ مہربان عباد
 خصالِ دل سے اڑائیں نہ کیوں رہائی کا
 شکستہ بال ، قفس بند ، پاسباں عباد
 محامِ عمر رہا قید ، اب رہا کیا ہوں ؟
 مجھے تو باد نہیں اہنا آشیانِ عباد
 قفس میں دام سے ڈالا ہے ایک عمر کے بعد
 ہزار شکر ، ہوا کچھ تو مہربان عباد
 اسیرِ دل کو وہ لیچی نگاہ کرتی ہے
 ہے اپنی اس کی نظربازی نہاں عباد
 چمن تو پاس ہے پر کیوں کہ جھانک کر دیکھوں
 ہر ایک وقت تو رہتا ہے پاسباں عباد
 کہیں نہ دانے پہ گرتے نہ دام میں پھنستے
 کہیں میں اپنی نہ ہوتا اگر نہاں عباد
 چمن کی سیر مبارک ہو ہم صغیروں کو
 یہاں تو قید بڑھاتا ہے ہر زمانِ عباد
 ہمارے شوقِ اسیری کی کوئی حد بھی ہے
 ہر اک سے پوچھتا پھرتا ہوں : ” ہے کہاں عباد ؟ “
 گلوں کے تحفے زمیں ہم صغیر لائے ہیں
 ہوا ہے کنچر قفسِ محنِ بوستانِ عباد

یہ طرزِ زمزمہ سنجی ہر ایک کیا جانے
ملے گا دوسرا مجروح سا کہاں ؟ عیاد !

(۴۶)

دل نہ کس طرح سے کرے فریاد
چرخ کا جور ، ہمار کی بیداد
اس سے کہتا ہے چرخِ ظلم ایہاد :
”یہ سمجھاؤ ہی فیض ہے استاد !“

لالہ کش کس طرح نہ ہو بلبل
دام گلشن میں ، گھات میں عیاد
جیسے عشاق کا ٹھکانا ہے
آپ کا گھر خدا رکھے آباد !
رہ میں طوفان ہو و یا گرداب
کشتی مت روک ، ہر چہ بادا باد
فیلا پیلا ہے کیوں فلک ہوتا ؟
کیا ہر آبی کسی کے دل کی مراد ؟

نہ رہی فکر آب و دانے کی
قید نے ہم کو کر دیا آزاد
واں نہیں خوش دلی ، جہاں ہم ہیں
ہے محالات مجیر انبساط
اہر ہے ، توبہ اب رہے کہ نہیں
اس میں ہیں مغال کا جو ارشاد

کیوں ہے پھر ہائے بندِ آزادی
والحقیقت جو سرو ہے آزاد ؟

کوہِ کئی کا ہے عشق میں کیا کام ؟
جان کئی ہم سے سیکھ ، اے فریاد

تیرے آنے کا ذکر کیا ، اب تو
دل تک آتی نہیں ہے تیری یاد

واہ وا اے ہولنے آبادی
تیری خواہش نے کر دیا برباد

کیوں کہ مائوں کہ بھول جاؤں گا
یاد بھی ، اور پھر تمہاری یاد !

چاہیں گے احب ، اکھاڑ ڈالیں گے
تیری چرخِ کہت ہے کیا بنیاد ؟

دوست دشمن کے ، دوست کے دشمن
ہم کو بھایا یہ آپ کا ایجاد

کام ہی کا نہیں وہ جورِ فلک
جس کی پہنچی نہ یار تک استاد

وار خالی گیا تو غصے سے
بوٹیاں کالنے لگا جلاد

ساق و مطرب و کل و مُل ہیں
آرزو خیز ہے تمہاری یاد

کچھ نہ سمجھا فریبِ الفت کے
جان دی مفت ، کیا کیا فریاد ؟

کہنے ہیں آج مر گیا مجروح
ہمار کو چل کے دو مبارک باد

ودیف ڈ

(۲۷)

بے دے بوسہ نہیں آپ کا دشنام لذیذ
سچ ہے دیکھا نہیں گاہے نگر خام لذیذ
کیوں نہ میں آٹھ ہر اس کو زبان پر رکھوں
اس شکر لب کا ہے از بسکہ بہت نام لذیذ
ہے کیاب دلِ عاشق کی سدا فرمائی
کھانا کھاتا ہے بہت وہ بتِ خود کام لذیذ
ہو کے پروردہ نکلتا ہے لبِ شہریں سے
کیوں نہ معلوم ہو اس شوخ کا دشنام لذیذ
نامہ ہر فسطحِ حلاوت سے نہیں کہہ سکتا
اس شکر لب کا ہے اس مرتبہ پیغام لذیذ
ہولٹ ہی چاٹتے رہ جاؤ گے ، گر چکہ لو گے
شیخ صاحب ہے بہت زیادہ گلِ نام لذیذ
تھوڑی محنت میں پتر سیکھ لے مریدِ محافل
اس کا آغاز تو ہے تلخ ، یہ انجم لذیذ
جو کہ ہو غوگر سختی اسے دشوار ہے سہل
صبر کر صبر کہ ہو تلخی ایام لذیذ
ہے ہی ، تلخیِ اندوہ کو جو کھوتی ہے
جانِ شیریں سے نہ ہو کیوں مٹے گلِ نام لذیذ

تیرے عاشق کو نہیں شکوۂ محنت ، ورنہ
 ہر کوئی جانتا ہے لذتِ آرام لذتِ
 بد مزاجیوں کو نہ مجروحِ حلاوت ہوگی
 گو سخن ہے گرا اے شاعر لاکھ لذت

ردیف و

(۴۸)

صلواتِ اس سرورِ والا گھر پر
 جہیں سا ہیں فرشتے جس کے در پر
 گلِ خوشبوئے باغِ لطفِ حق ہو
 رہے کیوں اور کا سایہ نہ سر پر
 اے کہتے ہیں سردارِ دو عالم
 زمیں سے حکمرانی کی قمر پر
 خود اپنے ذہن کی تکمیل حق نے
 رکھی تھی منحصر خیرالبشر پر
 اپنے سرمہِ یلے ، کروبیوں کی
 لگی آنکھیں ہیں اس کے خاکِ در پر
 کیا آئے ابرِ رحمت ہمار اور
 نظرِ ڈال جو نخلِ بے ثمر پر
 یاب وہ جس پہ سو اعجازِ قربان
 دعا وہ جس کو نازش ہے اثر پر
 نوید اے زائرانِ روضہٴ پاک
 سلاک کے چلو گے ہال و پر پر

ہئے تسلیم حضرت سب شہنشاہ
 صفیں باندھے کھڑے ہیں رہ گزر ہر
 سپیدی روزہ شہ پر نہ سمجھو
 لپکتا نور ہے دیوار و در ہر
 نہ رکھنا منعم اللہ کی عالی
 کفایت کی ہے وصف مختصر ہر
 چال باکال اپنا دکھاؤ
 ترحم ہو مرے شوق نظر ہر
 بھی ہے عرض اے سہر رسالت
 نگہ رکھو مرے دامن تر ہر
 مٹھیں راہ صراط آسان کرو گے
 کہ غمزر رہ روی ہے راہ ہر ہر
 اے کیا تخت جیشیدی کی پروا
 بڑا مجروح ہے حضرت کے در ہر

(۴۹)

ان کے پڑتے ہیں مجھ ہم بے نصیر
 تیغ ہر تیغ اور تیر ہم تیر
 سرو آزاد بھی ہوا ہے اسیر
 ہا میں ہے موج آب کی زہیر
 دل کو رکھنا ذرا بچائے ہوئے
 اس جھکی آنکھ کی نگہ ہے شہر

جان دینے کو ہم ہوئے حاضر
اب کوئی اور سوچھے تدبیر

کتنا چاہا گلے ملے ، نہ ملی
کیسی کچ خلق ہے تری شمشیر
کیا ہیں ہے طریقہ الفت ؟
ہنستے ہو مجھ کو دیکھ کر دل گیر

دقتیں کھینچنی ہڑاں گی تجھے
کھینچ سائی نہ ہمار کی تصویر
من کے میری صدا وہ کہتا ہے :
”دیکھو ، در پر کوئی کھڑا ہے فقیر“

ضعف نے غم کیا جو مثلِ کباب
مجھ سے وہ بھاگنے لگے جوں تیر
تم سے ہو جانے کا جہاں بدظن
میرا لاشہ نہ کیجیے لشہر

ہم تو مے خانے سے نہیں ہلتے
سچ ہے : ”یک در یکیر و محکم گیر“
”دادہ ہن پر مرے نہ جا اے شیخ
دیکھ مے خانے میں مری تصویر

اس سے کیا ہم سری کرے کا ملک
وہ ہے نامِ خدا جواب ، یہ زیر
فصلِ کل کے اثر سے دیوانو !
ٹوٹ جاتی ہے خود بخود زنجیر

مے کندہ ایسی جا ہے اے زاہد
بادشاہی نہ لیں جہاں کی فقیر
شعر میں بے مثال ہے مجروح
معنی غالب و سلامت میر

(۵۰)

توجہ کیا ہو مجھ گوشہ نشین پر
دماغِ انت کا تو ہے عرشِ برابر پر
کسے الفت، کہے بے کاندہ واری
غرض یہ ختم ہیں باتیں الہیں پر
خوشی کا ذکر بھی یاروں سے سنا
کراں ہے خاطرِ اندوہ گہ پر
نہ تھے گر شب حریفانِ قدحِ خوار
یہ داغِ مے ہیں کیسے آستین پر ؟
کمر ہونے پہ غالب ہے نہ ہونا
یہاں ترجیحِ شک کو ہے یقیں پر
مرے وعدے وفا اعدا سے صاحب
یہ فقرے صاف ہوتے ہیں ہمیں پر
یہ کس بے درد کا ہے مرغِ مذہب
پڑا ہے سر کہیں اس کا کہیں پر
ترشحِ ہاں کرے جس کی ادا سے
مری سو جاں تصدق اس نہیں پر

ہری و حور و سہر و ساء سب ہیں
 ہر ان میں آنکھ بڑی ہے انہیں ہر
 نہ کچھ دیکھا، عبت دنیا میں آیا
 عجب ہے زاہدِ عزت گزیں ہر
 رفیبوں سے تو کچھ دیتی ہے کتنی
 غضب آلودہ رہتے ہو ہیں ہر
 بچھائے جب کہ ہوں عاشق لگا ہیں
 تو پھر وہ ہاؤں کیوں رکھے زمیں ہر
 وہ مجھ سے سید کی رکھتا ہے کب تاک
 مگر میں خود پہنچ جاؤں کہیں ہر
 کسی کے دھیان میں شاید گئے تھے
 ورم ہے کچھ جو پائے نازیں ہر
 کسی کے کام ہی کا اب نہیں دل
 ترا ہے نام کندہ اس لکھن ہر
 نہ ہو پروا اسے گو در پہ رکھتوں
 لکھا ہے کیا ہیں میری جیب ہر
 سنا کب مژدہ فصل بہاری
 کہ جب پرواز کے قابل نہیں ہر
 بھرے لیلیٰ سے جس کی جستجو میں
 نہ ہو کیوں رشک اس صحرا نشین ہر
 لعنت ہے اگر اب کے سنبھل جائے
 وہ بار غم ہے مجروحِ حزیں ہر

(۵۱)

اس کے ہیں جھانکنے کے یہ آثار
 عطر افشاں ہیں روزِ دیوار
 موسمِ گل ہے اور ہوائے بہار
 ساقِ مایا و بادہ بہار
 ایک دل اور خواستگار ہزار
 کہا کروں؟ یک انار صد بہار
 ہیں بشر کیا، ملک بھی للچاپی
 اس کے سینے کا دیکھ لب جو ابھار
 کہتے ہیں: "آؤں گا، ہر سہرہ غیر"
 ہے یہ اقرار بدتر از انکار
 کچھ ہو، بوسہ تولے ہی لوں جا کر
 وہ جو سولیں تو بخت ہوں بیدار
 کس کا ہے عزمِ قتل جو ہر دم
 نکلی ہوئی ہے آپ کی تلوار
 واہ سے گلی ملے نہ بوسہ لب
 کچھ عجب نادمہند ہے سرکار
 نہیں پایاں پذیر یہ دونوں
 میرا ابرام اور ترا انکار
 نہیں ملتا نشانِ منزلِ دوست
 ہے تو یہ ہے صدا: قدم بردار

شیخ سے خانے سے نکل بیچ کر
چھن نہ جانے پہ جیتہ و دستار

کیوں نہ اس کی نگہ پڑے ہر جا
ناتواں ہے وہ سرگس بہار

ان ترانی کو چھوڑے صاحب
سخت مضطر ہیں طالب دیدار

وہ ملے ، جب کیا تعین ترک
طے ہوئی جلد ، راہ تھی ہموار

ہاں نہ آنے سے خود ہونے رسوا
کر دیا کلر سہل کو دشوار

جان تھا ہفتہ کو چھوڑ گئی
کوٹ دیا میں ہے کسی کا یار

میری کشتی کے ٹوٹنے کی خبر
کیا ملے ان کو ہو گئے جو ہار

میں اور اس در پہ بے طلب جاؤں !
کیا کروں ؟ دل نے کر دیا ناچار

دل لگی وہ بلا ہے اے مجروح
جان ہے جس نے کر دیا ہزار

(۵۲)

دشمن جان ہونے ہیں وہ مری جان ہو کر
غیر کے پاس تو جاتے ہیں مگر ہاں ہو کر

غرقِ افلاکِ محالات سمجھیے ، لیکن
 وہ بھی ثابت نہ رہیں میرا گریباں ہو کر
 خانہ آباد رہے تیرا سدا اے دنیا
 رنج و غم خوب ہی کھائے ترے سہاں ہو کر
 اہلِ زور یہ بھی فقیرانہ صدا ہے ، سن لو :
 سہرِ ذرے پہ رکھو نیرِ رخشاں ہو کر
 ظلم میں بھی تو ستم گر نے نہ ڈالا پورا
 آج بھی یوں ہی رہا قتل کا سامان ہو کر
 بادِ وعدہ کوئی آیا کہ پکایک تم نے
 عزم جانے کا کیا برزدہ داسان ہو کر
 زغن و زاع کی آواز سے ہے حشر بیا
 خوب آباد ہوا گھر سرا ویراں ہو کر
 در و دیوار مرے جوشِ جنوں نے توڑے
 دل کو تفریح تو دی گھر نے بیاہاں ہو کر
 سامنے آنے لکے تاسہ و پیغامِ عدو
 اور آفت میں پڑے ان کے لکھیاں ہو کر
 وہ تو آئے ہیں یہ ہے رنجشِ بے جا ہر دم
 اور دشوار ہوا کام یہ آساں ہو کر
 حضرتِ عشق میں کچھ ہوجہ بزرگی کی نہیں
 اس میں یوسفؑ بھی رہے قیدی زندان ہو کر
 نہ تو پرواز کی خواہش ہے نہ اڑنے کی ہوس
 کسی آرام سے بیٹھے ہیں ہر افشاں ہو کر

اس جہاں میں نہیں جز رنجِ مآلِ شادی
 گرتے ہیں خاک میں گلِ شامِ بہ غنڈاں ہو کر
 شیر کے سامنے جاؤ مگر اس سے بھاگو
 خصلتیں رکھتے جو حیوان کی انسان ہو کر
 اس کے مزگوں کا تصور جو کبھی آتا ہے
 دم کھٹکتا ہے سرے سرے میں پیکل ہو کر
 پہلی سی اب وہ نہیں ہے نظرِ الفت خیز
 خود وہ خاموش ہوئے سلسلہ جنباں ہو کر
 ہم تو اس وقت ہوں اس لشدے سے کے قائل
 کہ نہیں منہ سے نکل جائے تری ہاں ہو کر
 ظلم کا اس کے یہ رتبہ ہے تکبر کے سبب
 کہ سدا سر پہ سرے رہتا ہے احسان ہو کر
 دل میں امنام خیالی ہیں بھرے اے مجروح
 مذہب اس گھر کو کیا تم نے مسلاں ہو کر

(۵۳)

دل سے صبر میں ہے غم کا گزار
 گر گئی اس مکان کی دیوار
 اس کو ہر ایک پر نہ بڑے دے
 وہ ذرا چشر مست سے ہشیار
 غل چائیں نہ کیوں کہ دیوائے
 ولولہ خیز ہے نسیمِ بہار

کیا میرے قدرِ دل کو لاکا ہے ؟
 کچھ ادھر دیکھتے ہیں وہ ہر بار
 شانہ کرنے میں ہے یہ بدخوئی
 وہ الجھتے ہیں زلف سے ہر بار
 درِ مے خالی بند ہے تو ہو
 ہست ہے ، پھاند جاؤں گا دیوار
 نقص دیوانگی ہے دست جنوں
 رہ گیا جیب میں اکڑا کر تار
 دردِ سر ہیں تمام عقل کے ساتھ
 جو کہ بے خود ہے ، ہے وہی ہشیار
 راضی ہوتے نہیں دل و جان ہر
 ایک ہوئے یہ اس قدر تکرار ؟
 چشمِ بیمار ہے لبوں کے پاس
 یاں مسیحا نہ کہو مکا آزار
 اس کے الہنے کے ساتھ ہی اٹھا
 فتنہ کتنا ہے تابیر رفتار
 ہم سے کھلتا نہیں کسی ڈھب سے
 ہو گیا بار عقدہ دشوار
 میں اور اس کو عدو کے گھر ڈھونڈوں ؟
 کیا کروں ؟ شوق نے کیا لہجار
 حالِ دل اتنا ہی ہے عیاں
 ہے عیاں ہستی لبِ اظہار

کسرتی ہے اینتراز روح ملک
 اس کے سینے کا وہ غضب ہے ایثار
 تباہتا ہے نگاہ پنہاں کو
 غمزدہ کس قہر کا ہے چوکیدار
 ہے تو سیدھی ہی منزل مقصود
 تنگ رہ ہی یہ سجدہ و زناں
 گریہ ہو یا فغان ہو یا نالہ
 سب میں ہے دردِ دل ہی کا اظہار
 مگر تو کچھ اور ہو گیا مجروح
 دل تو الٹا نہیں کہیں اے یار ؟

ردیف ۲

(۵۴)

ایک سے ربط ، ایک سے ہے ہکا
 روز ہے وار ہی اکھاڑ پھیلا
 اب وہ دل میں کیوں نہیں آئے
 مدتوں سے یہ گھر بڑا ہے اجاڑ
 کیوں ہے بیکار موسم گل میں ؟
 جیب کو چاک اور گولیاں بھارا
 کلر عاشق جو ہو نکلے میں درست
 کہئے ، کیا آپ کا ہے اس میں ہکا ؟

کہنے ہو غیر جانے تو آؤں
 خوب رکھی ہے آپ نے یہ آڑ
 سنگ دل ! رکھ رکھاؤ دل کا رکھ
 کہیں اس شمشے میں نہ آئے دڑاڑ
 غیر جانے تو کام کیوں نہ بنے
 دور چھاتی ہے ہو کہیں یہ پہاڑ
 قد کو ان کے کہا تھا سرو تو وہ
 بیچھے لیٹے ہیں میرے ہو کر جھاڑ
 عشق سے رہ الگ ، جہاں تک ہو
 کہیں سر پر نہ آ پڑے یہ پہاڑ
 قتل تو کر چکے ، نہ ہو بدنام
 میرے لاشے کو دو زمیں میں گاڑ
 اس کا چھایا ہوا ہے ابر ستم
 کیوں نہ تیروں کی بجھ یہ ہو چھاڑ
 کوئی مہانت تازہ وارد ہے
 بند رہتے ہیں رات دن جو کواڑ
 وہ تنگ مڑے ہیں صف آرا
 تم یہ مجروح چل نہ جانے ہاڑ

ردیف ز

(۵۵)

حرف تم اپنی نزاکت یہ نہ لانا ہرگز
 ہاتھ بیداد و ستم سے نہ الھانا ہرگز

تم بھی چوری کو، یقین ہے، نہ کہہو گے اچھا
 اب ہمیں دیکھ کے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
 عشق ہے ابک مگر آفت تو ہے ہر دم
 یہ وہ مضمون ہے کہ ہوگا نہ پرانا ہرگز
 یہی انداز تو ہیں دل کے اڑا لینے کے
 آت کی تم نیچی نکالوں یہ نہ جانا ہرگز
 سببِ قتل محبت ہے اگر اے ظالم !
 تو مرا جرم کسی کو نہ بتانا ہرگز
 دل خوب گشتہ کا ہو راز نہ افشا اے چشم
 اشکِ گل رنگ کا لپکا نہ لگانا ہرگز
 ہوں تنک ظرف، نہ جھیلوں کا شرابِ پر زور
 پردہ یک بار نہ چہرے سے الھانا ہرگز
 ہم سے بیمار بھی جاں بر کہیں ہوتے ہیں مسیح
 تم یہاں آکے نہ تکلیف الھانا ہرگز
 جنسِ ناپاک کے ہوتے ہیں ہزاروں گاہک
 تم پتا اپنا کسی کو نہ بتانا ہرگز
 میں تو کیا اس سے تو موسیٰؑ بھی نہ سر بر آئے
 امتحاناً ہمیں جلوہ نہ دکھانا ہرگز
 جو چلا قبرِ ستم، دل سے وہ کزرا، اے چرخ
 تیرا خالی نہ گیا کوئی نشانہ ہرگز
 ذکرِ پرہیزی دہلی کا سنا کر ہمدم
 بیشتر زعفران گھٹ پر نہ لگانا ہرگز

آبِ رفتہ نہیں بہر بحر میں بہر کر آلا
 دہلی آباد ہو، یہ دھیان نہ لانا ہرگز
 وہ تو باقی ہی نہیں جن سے کہ دہلی تھی مراد
 دھوکا اب سام پہ دہلی کے نہ کھانا ہرگز
 کہتی۔ السروز اگر حضرتِ نیر رہتے
 اتنا تاریک تو ہوتا نہ زمانا ہرگز
 اب تو یہ شہر ہے اک قالبِ بے جاں، ہمد
 کچھ یہاں رہنے کی خوشیاں نہ مثالا ہرگز
 در سے خانہ ہوا بند، صدا یہ ہے بلند :
 یہاں حریفانِ قلعہ خوار نہ آنا ہرگز
 رہی بارانِ گزشتہ کی کہانی باقی
 یہ تو بھولا ہے نہ بھولنے کا لسانا ہرگز
 اللہ اللہ ! وہ ثوابِ علائی کے کلام
 جن سے رنگیں نہیں بلبل کا ترانا ہرگز
 تو لو ہے نور و میکش کی جدائی کا نشان
 دلِ پُر درد سے اے داغ نہ جانا ہرگز
 صوتِ بلبل طرب انگیز سہی پر ہمد
 دردِ فرسودہ دلوں کو نہ مثالا ہرگز
 میں ہوں اک مجمعِ احباب کا بھڑا گل چیں
 مجھ کو گلِ دستہ رنگیں نہ دکھانا ہرگز
 جمع ہے مجمعِ احبابِ فضا میں تیری
 اے تصور یہ مرقع نہ مثالا ہرگز

دل میں ہیں حسرت و اندوہ کے انبار لگے
 اتنا پک چاہ کہیں ہوگا خزانہ ہرگز
 ساقی بزم تری طرزِ تغافل کے نشان
 دُورِ مے کا بھی ادھر جام نہ لانا ہرگز
 کا کل و زلف بتاؤں تک ہیں پریشاں خاطر
 نہیں جمعیتِ دل کا یہ زمانا ہرگز
 قہرِ لائیں گے یہ طالع جو ذرا بھی چنے
 اے فلک خواب سے اُن کو نہ جگانا ہرگز
 محفلِ عیش سے گر حظ ہوا تھا اے دوست
 ہم سے آزدہ دلوں کو نہ بلانا ہرگز
 دائرِ فانی میں نہ کر لکھو قیام اے نادان
 گزیرِ سبیل ہے ، یاب گھر نہ بنانا ہرگز
 جن کے ابواب تھے ہم پلہ نصیر نصیر
 اُن کی مٹا نہیں قبروں کا ٹھکانا ہرگز

ق

وہ گئے دن جو چمن زار میں دل لگتا تھا
 سچ ہے ، یکساں نہیں رہتا ہے زمانا ہرگز
 ہم صغیراتِ چمن سب ہوئے گرم پرواز
 اب خوش آتا نہیں گلزار میں جانا ہرگز
 زخمت و زاع کی گلشن میں صدا ہے ہر سو
 صرخِ خوش نغمہ نہ آواز سناتا ہرگز

تصیرِ حالی کے حوالے میں ذرا تم مجروح
اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بنانا ہرگز

(۵۶)

کون ہر دم میں ہے یہ زمزمہ ساز
سخت دل کش ہے ساز کی آواز
قہر ہے چشمِ مست کا انداز
سحر سمجھو اگر نہیں اعجاز
زمزمہ سنجیاں منائیں گے
ہم صغیر اہنسے کر گئے پرواز
آس توڑی شکستہ بالی نے
خون ہو کیوں نہ حسرتِ پرواز
ہل میں کر دے دلوں کو زیر و زبر
قہر ہے وہ لگاؤ سحر طراز
منتخب کس کو چشمِ شوق کرے ؟
ایک سے ایک ہے لیا انداز
شبِ غم سے نہ بچت زلفِ طویل
قصہ ہو جائے وقت میں نہ دراز
دل کہ تھا منبعِ فیوضِ ازل
لٹ گیا غم سے وہ خزانہ راز
آئی ہے ساز و بانگ و مطرب سے
اسی نیرنگ ساز کی آواز

اس کا انجام کس نے دیکھا ہے ؟
 جان جانا ہے عشق کا آغاز
 ہے مدہر اسورِ عالم کا
 کیا یہ بے کار ہی ہے پردہ راز ؟
 چہ میں یوسف ہے ، دار پر منصور
 ہے عجب عشق کا نشیب و فراز
 دل کو بریاد کر لے اے ہنس
 ہے یہ مجروح کا بڑا دم ساز

ردیف میں

(۵۷)

یوں ہی گزرا بہار کا یہ برس
 ہم اسی طرح ہیں اسیرِ نفس
 جب لیے ہوئے ، بے شمار لیے
 کتابی وہ کہا کیجئے : ”ہیں ، ہیں“
 اس میں طولِ امل ہزار ہزار
 زندگی کا مدار ایک نفس
 بے خودی لیے کئی وہاں کہ جہاں
 خوفِ قافی ہے اور نہ بیمِ عیس
 قید میں ہیں ہے اک طرح کی بہار
 شاعر گل میں لٹک رہا ہے نفس
 جلد پس ماندگار اٹھاؤ قدم
 دور سے آ رہی ہے صوتِ جرس

نید نے کھوئے والوے دل کے
 پہلے ہم کو بھی تھی چمن کی ہوس
 ہیں ، اور اس کی رکھالیاں دیکھوں ؟
 کیا کروں ، دل نے کر دیا ہے اس !
 چاک ہو جانے جامہ ہستی
 نہ مدد دے جو تار و پودِ نفس
 ہے یہ مجروح کی دعا غالب
 تم سلامت رہو ہزار برس

ردیف ش

(۵۸)

کس کی ہو تھی لہجہ کی ہم دوش
 ہم بہت دیر تک رہے بے ہوش
 آرزوئیں تو ہیں بہت لیکن
 اپنے گویا نہیں لبِ خاموش
 مے کدے میں ہیں ایک شاہ و گدا
 باب کسی کو نہیں کسی کا ہوش
 اس کا ادراک کر سکے کیا چشم
 جس کا جلوہ عیاب و خود رو ہوش
 یا تو یہ شوقِ دید ہے موسیٰؑ
 یا بس اک جلوے میں ہوئے مہوش
 شوق میں ہے ادب ہوا منصور
 جوش میں دیک کا گرا سر ہوش

اس سے ہڑے کر ہے کون سی حسرت
 سے لہ ہو اور ہو بہار کا جوش
 اس کا دیدار برقِ غریبِ صبر
 اس کا جلوہ وداعِ طاقت و ہوش
 تم اے راست کہا سمجھتے ہو
 سرو اور اس سے ہو سکے ہم دوش
 ق

ولولہ خیز ہے نسیمِ چمن
 ان دلوں ہے غضبِ بہار کا جوش
 نفسہ پیرا ہی بلبلانِ چمن
 گل کے بھی وا ہوئے لبِ خاموش
 غنچے خندان ہیں ، مرغِ زمزمہ منج
 اک طرح کا ہے سب کو جوش و غروش
 بول تو رندوں کا نام ہی بد ہے
 ہر یہ سنئے ادھر لگا کر گوش
 تھے جو مسجد میں شیخ صدر نشین
 وہ ہیں سے خانے میں ہڑے بے ہوش

ق

تھا دواں سوئے مے کدہ مہروح
 میں نے اس سے کہا کہ "اے مدہوش !
 نقد سے واں تو کام چلتا ہے
 "تو تو مطلق ہے ، کیا نہیں یہ ہوش ؟"

مفت میں مے جو تھو کو دے دے گا
ایسا مے ہوش کیا ہے بلادہ فروش ؟

ودیف ص

(۵۹)

اس کا غیروں سے اب بڑھا اخلاص
وہ گئے دن جو ہم سے تھا اخلاص
مے بقائی میں ایک ہیں دونوں
جوش دریا کا ، یار کا اخلاص
اب تو دن رات اس سے ہے ان بن
یار کیسا ہے اور کیا اخلاص
دوست کا چاہیے ہے باطن صاف
کیا ہے ظاہر میں گر ہوا اخلاص
ورد کسرتے ہیں سورہ اخلاص
تا بڑھے یار سے مرا اخلاص
یادگار زمانہ ہیں دونوں
یار کی دشمنی ، مرا اخلاص
جو ہیں اقرب وہ کالمقارب ہیں
بہر، کہو، کس میں اب رہا اخلاص ؟
زر کے طالب ہیں ہم تبت اس جا
کام آتا نہیں ترا اخلاص
اس کے اس ربط پر نہ جا اے غیر
کبھی ہم سے بھی تھا بڑا اخلاص

مجھ کو کہتا ہے دیکھ وہ بدشو :
”نہیں بھالنا یہ روز کا اخلاص“

ہم کو اس سے امید الفت ہے
جو نہیں جانتا ، ہے کیا اخلاص
گھر میں ملتے نہیں کیسی صاحب
سچ کہو کس سے اب بڑھا اخلاص ؟
یار یگانہ خو ہے اے مجروح
اس سے ہیکر چلئے گا اخلاص

ودیف فی

(۶۰)

جو کہ میخانے میں آئے کچھ نہ کچھ وہ ہائے فیض
سجھتے ہیں مغاب کی ذات کو درہائے فیض
دیدہ حق ہیں نہ تو کھولے تو اس کا کیا علاج ا
ورنہ ہیں چاروں طرف عالم میں وا درہائے فیض
اصل ہسانی ہے گل و غس میں ، زمیں کا فرق ہے
سچ ہے جس کا سادہ جتنا ہو وہ اتنا ہائے فیض
مردۂ صد سالہ کو اک آن میں زندہ کرے
وہ لب معجز بیاب اپنا اگر دکھلائے فیض
آہن و زر دونوں ہکساں ہیں اگر آہیں نہ کام
نام دولت ہے اسی کا جس سے کوئی ہائے فیض
کوئی پھر اک دوسرے کے حال سے واقف نہ ہو
یہ نے بے برگ عالم میں نہ گر پھیلائے فیض

دیکھنے کے واسطے یوں تو ہیں تصویریں بہت
 آدمی کہتے ہیں اس کو جس سے کوئی ہائے فیض
 تشنہ کامِ خوش دلی سیراب ہوتے ہیں یہاں
 مے کدے سے بڑھ کے دنیا میں نہیں بے جائے فیض
 ہم کو انسان بھی بنایا اور مسلاب بھی کیا
 یہ تو اے مجروح حق کا فیض ہے بالائے فیض

وہیں ط

(۶۱)

لختِ دل کو ہے مرے چشمِ گہر بار سے ربط
 ہو نہ یاقوت کو کیوں کر درِ شہوار سے ربط ؟
 دل کو کس طرح نہ پہلی خلشیں یاد آئیں ا
 مدتوں تک ہی رہا اہلِ لب کو خار سے ربط
 آ ہی جاتا شبِ ہجران میں ، جو رکھتا وہ خیال
 کچھ نہیں خواب کو اس دیدہ بیدار سے ربط
 افس ہو تا تو نہ یوں صاف نکل کر جاتا
 اس کے ناک کو نہیں میرے دلِ زار سے ربط
 رخِ تابان کے نہ کیوں ہاس ہو زلفِ مشکیں
 روزِ روشن کو ہمیشہ ہے شبِ تار سے ربط
 حالتِ غم میں مددگار نہ دیکھا کوئی
 اب ہمیں غیر سے رغبت نہ کسی یار سے ربط
 جمعِ ضحیٰ کا ہونا ہے عسلِ عقلی
 دیدہ تر کو ہو کیا آہِ شرر ہمار سے ربط

ہائے وہ پہلی محبت کا زمانہ کیا تھا !
 یار کو ہم سے محبت تھی ، ہمیں یار سے ربط
 چشمِ فتان کے لہ کس طرح سے ابرو ہو قریب
 چاہیے مردِ سہابی کو ہو تلوار سے ربط
 کیجئے کوتاہی قسمت کا یارب کیا مجروح
 ہم نے کتنا ہی بڑھایا ، لہ بڑھا یار سے ربط

ودیف ظ

(۶۲)

اس سے مل کر کبھی لہ پایا حظ
 زندگانی کا خاک آٹھایا حظ
 واہ رے دردِ ہجر ، وصلت کا
 رگ و پے سے نکال لایا حظ
 لطفِ بوسے سے جو ملا ، اس کو
 اور دشنام نے بڑھایا حظ
 خوش تھے زخمیوں سے ہم ، ہدمرجو کٹا
 اس مرے نے وہ سب بھلا لیا حظ
 غیر سے چھوڑ چھاڑ میں گزری
 اس کی محفل میں کچھ لہ پایا حظ
 تب کٹے ہیں مصائبِ شبِ ہجر
 وصل کا جب کہ یاد آیا حظ
 زندگانی ہے تلخ ، الفت کا
 واہ رے عشق ! خوب پایا حظ

رہی اس ہمد مزاج سے اُن اُن
 وصل کا بھی یہیں نہ آیا حظ
 اس لیے ، قافلہ دل میں ہو مفرور ،
 وصل کا اس سے بھی چھپایا حظ
 زخمِ خنجر سے جو سلا بھروسہ
 ہم نے غیروں سے وہ چھپایا حظ

ردیف ع

(۶۳)

اس شعلہ رو کے سامنے کس طرح جاتے شمع ؟
 ڈرتی ہے تابِ رخ سے کہیں جل نہ جائے شمع
 پروانہ وار صدقے ہو اس رشکِ مہر پر
 طاقت گر اپنے ہاتھ میں چلنے کی ہائے شمع
 شاید وہ اپنے حسن کی دکھلانے کا محمود
 کہتا ہے : گھر میں شب کو نہ کوئی جلاتے شمع
 محفل میں اس کی کاش اسی طرح ہمار ہو
 دل کو مرے جلاتے کوئی واں بجاتے شمع
 جاتے ہی اس کے سامنے اس کا عجب ہے کیا
 لائوس میں نہ فرطِ خوشی سے بہاتے شمع
 جب ایک شب ہی اس کو امیدِ حیات ہو
 آنسو و نورِ غم سے لہ کیوں کر بہاتے شمع ؟
 نیت میں اس کے دام و درم کی طلب ہے کیوں ؟
 پروانے کی تو جانب ہے حاضر بہاتے شمع

از اس خجل ہے اس کے رخ مہرِ نیا کو دیکھ
 فالوس میں رخ اپنا نہ کیوں کر چھپائے شمع
 پروانے کو تو مٹوئے جلا کر کیا تمام
 ہشیار سوزِ عشق ! کہیں رہ نہ جائے شمع
 ہم ہمیشہ کو ہو درد ، یہ دل چاہتا نہیں
 اپنے مزار پر تو نہ کوئی جلانے شمع
 پروانے کے تو حق میں ہے پتھر سے بھی سوا
 یوں تو دراصل موم ہی ہے ہے بنائے شمع
 عشاق کے نصیب میں ہیں جانِ ناریاں
 رو رو کے اپنی جان کہاں تک کھپائے شمع
 پروانہ ایسے حسن پہ کیوں کر نہ مرنے
 مانجھے میں ہے ڈھلا ہوا سر تا پہ پائے شمع
 کیا خاک کر دیا ہے پتکے کو بے تصور
 کس طرح سے نہ اشکِ ندامت پھائے شمع
 کس طرح دوڑ دوڑ کے جائے نہ اُس طرف
 پروانے کے تو سر میں بھری ہے ہوائے شمع
 مجروح ! آج تو ہے شبِ وصلِ ساءِ رو
 کہہ دو کہہ کوئی جلدی سے آکر بچھائے شمع

ردیف غ

(۶۴)

سچ ہے دل کش تو ہے تفسرِ باغ
 دیب پریشانیوں جو دل کو فراغ

خوب دہر و حرم کو دیکھ آئے
ہم کو کچھ بھی لگا نہ ان کا سراغ

دل ستم دوست ہے ، لگا ہر دم
زخم پر زخم اور داغ پہ داغ

آگے روشن کرو سیاہ خانہ
گھر میں مفلس کے ہونٹیں تو چراغ

کاسہٴ عمر گونہی ہو جائے
ہر نہ خالی شراب کا ہو ایوان

عرش پر بھی تو ڈھولتے آئے مگر
ہم کو ان کا کہیں ملا نہ دماغ

تم کو ملنے کی گھر نہیں فرصت
ہم کو بھی اپنے غم سے کب ہے فراغ

دیکھ کر دل کو ہمار کہتا ہے :
”چیز اچھی تھی مگر نہ لگتا داغ“

سرد آہیں نہ دل کو مار رکھیں
ہے ہوا تند ، بھہ نہ جائے چراغ

نہیں اس کا پتا بھی دلیا میں
نام عبقا کا دوسرا ہے فراغ

ایک آزاد طبع ہے مجروح
اللہ سکا اس سے کب کسی کا دماغ

ردیف ل

(۶۵)

نہ تو مے میں ہے نہ وہ ماعصر سرشار میں لطف
 جو کہ رندوں کو ملا ہے نگہ یار میں لطف
 باغِ فردوس بھی مل جائے تو کچھ کام نہ آئے
 زندگی کا ہے فقط صحبتِ دل دار میں لطف
 گھر میں آسودہ مجھے کیوں کہ وہ دیکھیں ، سچ ہے
 آبلوں کو تو ملا ہے غلظتِ خار میں لطف
 اک نظر دیکھ لیا جس کو ، وہ دیوانہ ہوا
 کس ہلاکا ہے تری چشمِ نسوے کار میں لطف
 دل ہی کو سوزِ محبت سے جلایا ہر طرح
 ورنہ کیا خاک ہے اس آہِ شررِ بار میں لطف
 بیٹھ کر پاس مرے کہوں کہ نہ وہ گھبراہیں
 ان کو ملتا ہے بہت صحبتِ انبار میں لطف
 جانِ السردہ سے کیا خوش دلِ غمگین ہوگا
 سچ ہے نیاز کو کیا صحبتِ نیاز میں لطف
 ہائے اس چشمِ سختِ گو کے اشاراتِ نہاں
 اس سے الزوں تو نہ پایا کسی گفتار میں لطف
 یاسِ کتنی نے کیا شادی و غم کو یکساں
 دل کو آتا ہی نہیں اب تو کسی کار میں لطف
 دل کو بے چین کیے دیتی ہے اس کی گفتار
 پھر دیا کوٹ کے ہے لعلِ شکرِ بار میں لطف

بار کے ساتھ گیا رات کے سونے کا مزا
 اب نہیں خواب کا اس دہدہ بیدار میں لطف
 معرضِ بیچ میں یوسف سا گہر آتا ہے
 آج ہی چلتے کا ہے مصر کے بازار میں لطف
 جان کر، اس کے جلانے کو، برا کہتا ہے
 اس کو آتا تو ہے بھروح کے اشعار میں لطف

ردیف قی

(۶۶)

شیخ تم جانتے ہو کیا ہے عشق ؟
 عشق بازوؤں کا پشوا ہے عشق
 کوئی مجنوں ہے کوہ کف کوئی
 خوب معمول میں بجا رہا ہے عشق
 سرو و گل میں ہزار و قمری کو
 اپنے جلوے دکھا رہا ہے عشق
 کہیں بلبلی کہیں ہے پروانہ
 الغرض یہ کہ جا بجا ہے عشق
 کوہ کا کام کاہ کرق ہے
 قدرت اپنی دکھا رہا ہے عشق
 دل لگانے کے ہیں اسی سے لطف
 جان سے بھی ہمیں سوا ہے عشق
 دل پھنساتا ہے یہ فوشتوں کے
 سچ تو یہ ہے کہ بد بلا ہے عشق

ہی حبیبِ خدا رسولؐ اللہ
دیکھ کس جا پہنچ گیا ہے عشق

جان انسان کی اپنے والوں میں
ایک ہے موت ، دوسرا ہے عشق

ذره اور لافِ الفتِ خسرو شید
نام آور بنا رہا ہے عشق

کیوں نہ مضطر ہوں برقِ سانِ عشاق !
ابر کی طرح چھا رہا ہے عشق

کر دے عاقل کو دم میں دیوانہ
سچ تو یہ ہے کہ بد بلا ہے عشق

اس پری رو کو دے نہ دینا دل
دیکھ مجروح ا بد بلا ہے عشق

ردیف ک

(۶۷)

کہ کیوں غیر کا آیا زہان تک ؟
یہ برش ہوگی اے صاحب ! کہاں تک ؟

میری حالت یہ رحم آئے ہی آئے
کسی ڈھب سے وہ آ جائیں یہاں تک

کدھر ہوائے نوا سنجانِ گلزار ؟
تھیں پہنچاؤ ہم کو بوستان تک

بھی ہیں رہ میں مشتاقوں کی آنکھیں
منہل کر جاؤ اس کے آستان تک

نہاں ہیں ہر قدم پر دامِ تزییر
نہیں آسائے پہنچنا آشیان تک

نہ پوری بات بھی لکلی زبان سے
وہ آئے بھی تو کب اس نیم جاں تک !

کدھر جائیں گے یہ پس ماندہ راہ ؟
نہیں باقی ہے گودِ کارواں تک

ہمیں اس نالہ سوزاں نے سارا
بھولے پڑ گئے دل سے زباں تک

ادھر بولے ، ادھر تلوار لکلی
سہی اس بد مزاجی کو کہاں تک ؟

یہ سمجھو اتفاقاتِ زمانہ
وہ کچھ قصداً نہیں آئے جاں تک

اگر یہ ہی تفریقِ ورزیاں ہیں
جیسے گا کوئی ان کے امتحان تک ؟

ہر اک کو میل ہے مرکزِ ہمہ اپنے
محبت ہے زبیں سے آہاں تک

ہوئے کسی ساعتِ ہمد میں گرفتار
نفس سے پھر نہ پہنچے آشیان تک

وہ وعدہ کر کے بھی آئے نہ مجروح
بھلا ہم دل کو پہلا لیں کہاں تک ؟

(۶۸)

ہم کو وحشت نے کر دیا ہے ہاک
ہے گریبانِ تا بہ دامنِ چاک

جو ہمارے غبار سے بھاگے
اس سے امید ہم رکھیں کیا خاک

باغ میں گل ہیں اور بھی ، ہر مست
تاک ہی ہر لگا رہے ہیں تاک

نذر کر اس کے عقل و ہوش و حواس
مارے جھکڑوں سے ہو گئے ہے ہاک

صفِ عشاق صاف کرتا ہے
کس کی سنا ہے لائلِ سفاک

مہربان ہو چلا ہے وہ مہر و
رنگ لائے نہ گردشِ افلاک

ہے خطا بخش وہ ، ہمیں جس نے
آبِ لاپاک سے کیا ہے ہاک

جو ہوا سامنے وہ قتل ہوا
میرے قاتل کی ہر طرف ہے دھاک

تو سنِ عمر سے رہو ہشیار
دے نہ پتھے ، بہ رخس ہے جالاک

اب بھلا ہم سے آشنائی کیا
اُن کا اعداء سے بڑھ رہا ہے تہاک

یہ بھی مجروح کوئی صورت ہے !
 'مو پریشان اور منہ یہ خاک

(۶۹)

پہنچ کیوں کر ہو اپنی اس کے گھر تک
 بھری ہے راہ مشتاقوں سے در تک
 وہ کل آئیں گے ، یہ مالا ، لیکن
 کسے امید جنے کی سحر تک !
 ہونے گل ہے نے اب شوقِ پرواز
 یہ تھے مارے ہکھڑے ہال و ہر تک
 کسی کی یاد میں یہ بے خودی ہے
 کہ ہوش آنا نہیں دو دو پر تک
 برتتا ہے غضب بیکالہ وضعی
 یہ کیا ممکن کہ مل جائے نظر تک
 ابھی اس نہیں کا اثبات کرتے
 نہ پہنچا ہاتھ ہو اس کی کمر تک
 یہ اس کے دور ہی کی شورشیں ہی
 قیامت آئے کب اس رہ گزر تک
 ترا خنجر بتا کیا چاہتا ہے ؟
 دریغ اس سے نہیں ہے ہم کو سر تک
 بلا کا توڑ ہے لاکھ میں اس کی
 کہ دل کو توڑ کر پہنچا جگر تک

وہ مستِ ناز کیا جانے کہ کوئی
 رہا ہے سر کو ٹکراتا سر تک
 ہجومِ یاس سے راہیں بھری ہیں
 یہ آہیں کوہِ کہ پہنچیں گی اثر تک ؟
 انہیں کیا حکم ، اے ضبطِ محبت !
 کچھ آنسو آگئے ہیں چشمِ تر تک
 یہی مجروح کی خواہش ہے یا رب !
 کہ پہنچے روضہٴ خیرالبشر تک

ردیف ل

(۷۰)

نہیں رازِ ہستی جانے کے قابل
 یہ پردہ نہیں ہے الہانے کے قابل
 طلب ہوسہ کرتے ہیں جھنجھلا کے بولے
 کہ ”کو تو نہیں منہ لگانے کے قابل“
 کیا ضعف نے یہ نکلا کہ اب ہم
 نہ آنے کے قابل نہ جانے کے قابل
 اس آنندرو کی بداطواریوں نے
 نہ رکھا ہمیں منہ دکھانے کے قابل
 زمانے نے ڈالا جیدائی کا پردہ
 ہوئے جب وہ جلوہ دکھانے کے قابل
 طلب سے مری مسکرا کر وہ بولے :
 ”ہوئے تم بھی ہم کو ہلانے کے قابل !“

جو کہیں فرشِ رہ ان کی آنکھیں تو بولے :
 ”یہ فرش اور میرے بچانے کے قابل!“

غضبِ حال عاشق میں لذت بھری ہے
 یہ قصہ ہے اس کے سنانے کے قابل
 ہوا مسئلہ عشق کا حل نہ ان سے
 ہوئے دم بخود یاں زمانے کے قابل
 گلِ داغ سینے میں کیا کھل رہے ہیں
 یہ ہے باغ ان کو دکھانے کے قابل
 کیا درد کو منتخب ان کے میں نے
 کہ پہلو میں ہے یہ بٹھانے کے قابل
 وہ پہلے ہی سوہم ہے نقشِ دنیا
 جسے سمجھے ہیں ہم شانے کے قابل
 میرے زخمِ دل دیکھ کر ہار بولا
 کہ ”مجرع ہے رحم کھانے کے قابل!“

(۷۱)

ذرا بہلائیے آ کر یہاں دل
 کہ ہے داغوں سے اپنا گلستانِ دل
 یہ ہے راتِ طرزِ خود بمانی
 تمہارے کام کا ہے میری جاں دل
 نہ پھر جاں نہ رسوائی کی دہشت
 نہیں کچھ سوجھتا ، آیا جہاں دل

ہساؤ سنگ و آہن کا کلیجہ
 حقیقت اپنی کرتا ہے یہاں دل
 نہ ہو گر وہ تو پھر یہ بھی نہ ہوگا
 غمِ دل دار سے ہے توایں دل
 ہزاروں انقلاب دہر دیکھے
 مگر اس کا نہ دیکھا مہرباں دل
 ہر اک پر کیا کھلے اس کی حقیقت
 ہے اک گنجینہ رازِ نہاں دل
 نبھے کیوں کر کہ ہے خدین مائع
 وہ ہرجائی ہے ، ایسا بدگیاں دل
 وہاں کیا قدر اس ٹوٹے سے دل کی
 پھرے ہیں خاک میں رشتے جہاں دل
 کروں واں ظاہر آوازی بھی لیکن
 نہیں چھپتا سرا حسرتِ نشانِ دل
 ہزاروں ہیں سمایاں داغ و لاسور
 بہت رکھتا ہے الفت کے نشانِ دل
 وہ عسارتِ گہر ادھر سے آج گزرا
 اب اے مجھ روح پہلو میں کہاں دل !

(۷۲)

مدت ہوئی کہتے ہیں اب اتنے ہے کہاں دل
 کھٹکا ہے جہاں جان کا اٹکا ہے وہاں دل

یہ اکثر پنہاں تھی کہیں چھوڑنے والی !
اب ایک کفِ خاک ہے ، پہلے تھا جہاں دل

ہنس بول چکے ہو تو توجہ ہو ادھر بھی
کچھ اپنے غم و درد کا کوتا ہے بیابانِ دل

کچھ اور ہی وہ ہو گئے صحبت میں عدو کی
ہے اب بھی ملاقات ، یہ اگلا سا کہاں دل !

ہوتا ہی نہیں اس کی خلش سے کبھی آرام
بتا ہے شبِ ہجر میں اک لوکِ سناں دل

اک گوشت کا ٹکڑا تو تڑپتا نہیں دن رات
ہاں اصل میں ہے سادہ برقِ تہاں دل

یہ مجھِ افسادِ محبت نے کیا ہے
ہے آبِ فشانِ چشم تو ہے شعلہ فشانِ دل

مشکل ہے بہت اس کے نکتوں کا سمجھنا
گنجینہٴ اسرارِ نہانی ہے یہاں دل

اپنے دلِ بزمردہ کی وانِ قدر ہو کیا خاک
دلّے پھریں ہاؤں کے تلے روزِ جہاں دل

کیا جانے کوئی اس لکیرِ لاز کے برتاؤ
کچھ اس کے سمجھتا ہے اشاراتِ نہاں دل

بیچ و خمِ کاکل میں تو مجروح نہ پایا
معلوم نہیں اس نے چھپایا ہے کہاں دل ؟

ردیف م

(۷۳)

یا علیؑ نائبِ خدا ہو تم
 کیوں نہ بندوں کے پیشوا ہو تم
 منعکس اس میں ہے رضائے خدا
 آئینہ دارِ ہل اتالی ہو تم
 مصطفیٰؐ کے خلیفہؑ برحق
 حسبِ فرمانِ الہا ہو تم
 کیوں نہ مرحب ہے ہو برد آرا
 یوشیٰ قیصرِ لائق ہو تم
 واہ رے فضلؑ، دورِ آخر میں
 اولِ جملہ اوصیا ہو تم
 روح کی طرح چہرِ عالم میں
 نہیں ظاہر ہے جا بجا ہو تم
 اس کے آگے ہے اس خدا کا نام
 زہد و طاعت کے الہا ہو تم
 جن کا ثانی نہیں جہاں میں ، وہ
 یا تو غیر الوہاب ہیں یا ہو تم
 باوجود اختیارِ کائنات کے
 سالکِ مسلکِ رضا ہو تم
 کس کا ادراک جز پیمبرؐ کے
 کون صحیحہ کہیں کہ کیا ہو تم

دشمنوں کے لئے کیونکہ ہوں دم بند
 حصنِ خبیر کے درکشا ہو تم
 جائے معصوم کا احق معصوم
 لائبِ مینالوراء ہو تم
 یوں تو اللہ نے کہے سب خلق
 ان میں ہر اہل مدعا ہو تم
 بستہ خاطر رکھو نہ یہاں مولا
 اک جہاں کے گرہ کشا ہو تم
 دم یہاں کون مار سکتا ہے
 نفسِ ہفتہبرِ خدا ہو تم
 صابر و شاکر و حلیم و کریم
 مرکزِ ان سب کے مرتضیٰ ہو تم
 انہی مجروح کو خیالت ہے
 وہ یہ لاؤ کہ رہنا ہو تم

(۷۴)

انہر آہ کا گر دکھائیں گے ہم
 ابھی کھینچ کر تم کو لائیں گے ہم
 ذرا رہ تو اے دشتِ آوارگی !
 ترا خوب غما کا اڑائیں گے ہم
 فسانہ تری زلفِ شب رنگ کا
 بڑھے گا جہاں تک ، بڑھائیں گے ہم

وہی دردِ نرفت ، وہی انتظار !
 پہلا سرگے کیا چین پائیں گے ہم !
 وہ گمراہ غیروں کے ہموار ہے
 اسے راہ پر کیوں کہ لائیں گے ہم !
 قفس سے ہوا اذنِ پرواز کب !
 یہ خواہش ہی دل سے اڑائیں گے ہم
 طلسمِ عبت ہے عاشق کا حال
 انہیں بھی یہ قصہ سنائیں گے ہم
 وہ نخوت سے ہیں آہاں سے پرے
 کہاں سے انہیں ڈھول لائیں گے ہم !
 نہ کر آہ یہ شورشِ افرائیاں
 بھجے بھی کہیں آزمائیں گے ہم
 نہ ٹوٹے کا سرشتہ اختلاط
 وہ کھینچیں گے جتنا ، بڑھائیں گے ہم
 یہ مالا کہ ہو رشکِ حور و پری
 مگر آدمیت سکھائیں گے ہم
 حذر تیرے مژگن کی بوجھاڑ سے -
 یہ اک دل کہاں تک بھائیں گے ہم !
 ہمیں زہر و خنجر کی کیوں ہے تلاش !
 شبِ غم میں کیا سر نہ جائیں گے ہم ؟
 نہ نکلا کوئی ڈھب تو بن کر عیار
 نظر میں سمھاری سنائیں گے ہم

کہاں گھر میں مفلس کے فرش و فرش
وہ آئے تو آنکھیں بھٹائی گے ہم

تسریے قدم سے کی سرو نے ہماری
اسے آج سیدھا بتائیں گے ہم
نہیں غسلِ میت کی جا قتل گاہ
مگر خاک و خون میں نہائیں گے ہم

روئے عشق سے لابلہ ہے ابھی
خضر کو یہ رستہ بتائیں گے ہم
ہٹا وصل بھی تو مزا کون سا
وہ روٹھیں گے ہر دم ، متائیں گے ہم

شب و روز دل کو کریدیں نہ کیوں !
بچیں سے پتا اس کا بتائیں گے ہم
عبث ہے یہ مجروح طولِ ازل
بکھڑے یہ سب چھوڑ جائیں گے ہم

(۷۵)

میرے دل میں تو ہر زمان ہو تم
چشمِ ظاہر سے کیوں نہاں ہو تم ؟
بے وفاق کا عیب کیسا ہے !
یہ تو سچ ہے کہ میری جہاں ہو تم
جب چلو لڑ ہی کی چلتے ہو
میرے حق میں تو آہاں ہو تم

دل و دلی دونوں نشتر کرتا ہوں
ایسی چیزوں کے قندواں ہو تم

دیکھ غمگین مجھے ، ہنسنے ہوا
ہلے نوحے کے ہنگام ہو تم

عرشِ بے باقی خیالِ عبث
کون پہنچا وہاں ؟ جہاں ہو تم !

بات میں دل کو کھینچ لیتے ہو
کس قیامت کے خوش بیان ہو تم

ہے سوال اور ، اور جواب ہے اور
سچ کہو ، اس گھڑی کہاں ہو تم ؟

مجھے ، انہماک کی نظر نہ لگے
چشمِ بددور ! نوجوان ہو تم

دشمنی ہم کریم کو کس کس سے !
ایک عالم ہمہ سہوہاں ہو تم

زلف کے ہار سے کمر لچکے
کس قدر نازک ، اے میاں ! ہو تم

دیکھنے کی مجال ہے کس کو !
مثلاً خورشید گو عیاں ہو تم

ہے وہی ٹھیک ، جو کہو مجروح
کیوں نہ ہوا صاحبِ زباں ہو تم

ردیف ن

(۷۶)

لوگ حضرت کو رسولِ دو سرا کہتے ہیں
 ہم تو اک مظهرِ امرارِ خدا کہتے ہیں
 کیا ہی اس ذاتِ مبارک کو شرف ہے ، جس کے
 نام کے لیتے ہی سب صلِ علی کہتے ہیں
 شانِ عشر و فخرِ بشر و ختمِ رسل
 لوگ جو آپ کو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
 آپ جب ہاتھ اٹھاتے ہیں تو سکنِ فلک
 سارے آمین بہ ہنگام دعا کہتے ہیں
 ہاں طلبِ فکرِ جہاں آؤ در حضرت ہر
 بہ مکلف وہ ہے جسے غلط نہا کہتے ہیں
 لیسرِ واحد نے کیا ایک جہاں کو تسخیر
 دیکھ منکر ، اے الطافِ خدا کہتے ہیں !
 آپ کی مدح سے انسان ہی نہیں ہیں عاجز
 تم فرشتوں سے تو پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں !
 دے دیا اس کو بھی ، جو سائرین تھی چادر
 مغیرِ جودِ یہ ہیں ، اس کو عطا کہتے ہیں
 مجھ کو تو سانچِ گفتار ہے آدابِ خدا
 اس کے دیوانے لہ کچھ پوچھتے کیا کہتے ہیں
 ان کو ہے شانِ عشر کا ہیرو سا کتسا
 ”ہم ہیں لاجی“ ہی سب اہلِ خطا کہتے ہیں

شبِ معراج میں یہ قرب ہوا حضرت کو
 بیچ میں ایک بھی پردہ نہ رہا ، کہتے ہیں
 مطلع جس کو کسی پر نہ کیا تھا حق نے
 اپنے محبوب سے وہ راز کھلا ، کہتے ہیں
 نخر ہے ان کی خلاصی کا بھیجے اے مجروح
 جن کو سب اہل جہاں آلیہ عبا کہتے ہیں

(۷۷)

بیشو ادب سے ، پرزہ سرا ہو یہاں نہیں
 حضرت کی ثعت ہے ، یہ کوئی داستان نہیں
 فارق ہے عقل خالق و مخلوق میں مگر
 کہتے ہیں اس کے مست ، دوئی درمیان نہیں
 خدمت گزار جس کے ہوں در ہر ملائکہ
 کیا ہے عجب گر اس یہ بشر کا گان نہیں
 رہتی ہے اشتیاقِ مدینہ میں ساتھ ساتھ
 اس قافلے میں گود ہر کارواں نہیں
 ٹھہرو ، ادب سے دور ، گروہِ ملائکہ
 حضرت کا آستان ہے ، یہ کچھ آہاں نہیں
 بازارِ جبر کہ شاعرِ روزِ جزا کا ہے
 واں جنسِ معصیت کے سوا کچھ گراں نہیں
 آلودگیِ جرم ہے ، لوٹ گناہ پر
 اے ابرِ مکرمات تری ریڑھ کہاں نہیں ؟

ہے آپ ہی کے فیضِ قدم سے قیامِ دہر
منکر کہا کریں کہ قدم کا نشان نہیں

اڑنے کے بدلے ہوش اڑے جبرئیل کے
واں پہنچے آپؐ تابِ ملائک جہاں نہیں

ریشم ہے بسکہ نورِ الہی کی دم بسدم
افراطِ ضو سے چہرۂ اقدس عیاں نہیں

ساٹے میں مائبانِ مقدس کے دب گیا
اے آہان! کچھ تری شوکت یہاں نہیں

توریت سے غرض ہے لہ انجیل سے ہے کام
یہ سکھؐ قدیم تو رائج یہاں نہیں

رحمت کو اپنی کر کے مجسم ، رواں کیا
ہم پر فزوں خدا سے کوئی سہراں نہیں

آئے زبانِ پاک یہ کیوں ذکرِ دنیوی
اس کام کے لیے لبہٴ معجز یہاں نہیں

اس درہم ہوتا ان کی وساطت سے ہوسہ زن
ہر کہا کروں رسائی وہم و گہاں نہیں

عشر میں ، احتضار میں ، کنچہ مزار میں
خواہاں تری مدد کا یہ عاصی کہاں نہیں !

کیجو مری . مدد ! سفرِ لاگزیر میں
جز ذاتِ پاک واں کوئی منزل رساں نہیں

بھڑوچ یہ تو آدمؑ و عیسیٰؑ کا فخر ہے
کیا کیجے اس کی نعت ! کہ ایسی زبان نہیں

(۷۸)

اسپر رنج میں ، یا شاہِ ذوالفقار ، ہوں میں
 ہیں آپ عقدہ کشا ، اور بستہ کار ہوں میں
 سنا رہی ہے یہ آشفٹہ خاطری کیا کیا
 تمہارے لطف و کرم کا امیدوار ہوں میں
 لگامِ سہر سے ہوا نظرار کو تسکین
 قرار بخش جہاں ! سخت ہے قرار ہوں میں
 کبھی ہے فکرِ مال اور کبھی خیالِ عیال
 ہر ایک حال میں آشفٹہ روزگار ہوں میں
 بدوب کی ہے لگرائی شعار نیکوں کا
 غلام آپ کا ہوں ، گو گناہگار ہوں میں
 ہوائے لطف چلے اور گلِ مراد کھلے
 اس انتظار میں ، اے شاہِ کامگار ! ہوں میں
 ہمارا نخلِ ممنا سدا رہا ہے ہر
 خزاں بھی جس سے خجمل ہو وہ نوبهار ہوں میں
 زلالِ لطف سے تسکینِ فزا ہر یا مولا !
 کہ شعلہ "تبِ حرمان سے شعلہ زار ہوں میں
 میوب پوش ہیں مولا ، اگرچہ بد ہے غلام
 اسی امید میں ہوں اور شرمسار ہوں میں
 کیا ہے اس دلِ نادان نے سخت شرمندہ
 سفید بال ہوئے اور سیاہ کار ہوں میں

لفظہ

جو فکر چاہیے مجھ کو تو لغو ، یہودہ
اگر حواس سمجھیے تو انتشار ہوں میں
لہ کوئی گل ہوں تو سولکھیے ، لہ عطر ہوں تو مٹے
غرض یہ ہے کہ زمانے کا رنگ و عار ہوں میں
نکاح لطف کے ہونے کی دیر ہے ، بہر تو
بدل یہ جاؤں کہ محسوسِ روزگار ہوں میں
طیب لطف ہو مرہم لہ دل بھراو
کہ زخمِ دشتہ غم سے جگر نکار ہوں میں

(۷۹)

لہ وہ برقی میں ہے لہ سیلاب میں
تڑپ ہے جو دل کی تب و تاب میں
حذر ، سرمہ آگئی نگہ سے حذر
بجھتی ہے یہ شمشیر زہراب میں
وہ یوسفؑ سے کیوں بھاگتی؟ ہے مگر
زلیخا نے دیکھا سمجھیں خواب میں
خدا دشمنوں کے لہ چہنے کرے
وہ آئے تو ہیں بزمِ احباب میں
کوئی تختِ دل آئے اٹکا ہے کیا؟
کھٹک سی ہے کچھ چشمِ برآب میں
وہ غمخور آنکھیں ذرا دیکھنا
یہ سستی کہاں پادشاہِ ناب میں

کوئی میرے دل ہی سے ہوجھے اسے
تیش ہے جو آہِ جگر تاب میں

مگر طعنہ دیں گے کہ ہجر اور نیند !
وہ بے وجہ آئے نہیں خواب میں

یہاں کی بھی ہے سیر کرنی ضرور
سفینے کو جانے دو گرداب میں

کئی دل کی وہ شورش افزائیاں
رہا کچھ نہیں جانِ بے تاب میں

یہاں نہیں ، غم لبوں سے لگاؤ
تکلف کو جانے دو مہتاب میں

نہ غربت میں کی بات تک خطر ہے
رہے غرق یہ یادِ احباب میں

نہ کر شور اے نالہ' بے ادب !
یہ ہیں کسی کی آنکھیں شکر خواب میں

کہاں گھر، جب اشکوں کا یہ شور ہو
بہا کوئی تھمتی ہے سیلاب میں ؟

مداوائے زخمِ جگر خوب ہو
تھک بھی جو مل جائے تیزاب میں

خبر کیا سنی مرگِ بھروج کی !
اداسی ہے کچھ بزمِ احباب میں

(۸۰)

ہے ہم شبیہ شکل ، مگر دیدہ ور کہاں
 ٹرکس میں وہ لگا بہت اثر کہاں
 ہم چشم میری چشم سے ہو ابر تر کہاں
 اس سے بھلا تراوشِ خونِ جگر کہاں
 کیوں میری بود و باش کی پرسش ہے ہر گھڑی ا
 تم تو کہو کہہ رہے ہو دو دو پھر کہاں ؟
 دعوے کو راست میری محبت نے کر دیا
 کہتے ہیں سچ کہ ”مجھ سے کوئی خوب تر کہاں ا“
 جو بے خبر ہیں ان کو حضوری اسی کی ہے
 جو باخبر ہیں یار کی ان کو خبر کہاں
 کچھ کچھ چلن ہے حشر میں رفتارِ یار کا
 ہے وہ بھی فتنہ خیز ، مگر اس قدر کہاں ا
 گو اس کے عام جلوں سے ہے بہرہ ور جہاں
 ہر ہم کو فرطِ رشک سے تابِ نظر کہاں
 لیے لینا دل کسی کا ہنسی کھیل تو نہیں
 ان ما ہر اکہ کا غمزدہ چادو اثر کہاں ا
 احساں ہے سر پہ ہائے منازلِ نورد کا
 ورنہ گزار تھا درِ مقصود ہر کہاں ا
 لسانہ ہو یا کہ آہ ہو یا جذبِ دردِ دل
 جو اس کے برخلاف ہو اس میں اثر کہاں

کہتا ہے : ”مجھ کو دیکھ سکتے کون ؟“ سچ تو ہے
 جس جا وہ ہے نگاہ کا اس جا گزر کہاں
 تھا اس کا دیکھنا ہی سراسر خلافِ عقل
 کم بخت ! جا بڑی ہے ہماری نظر کہاں !
 جنت میں دل لگا نہ درِ غلہ کچھ جچا
 لے جائے ، دیکھیے ، ہمیں ذوقِ نظر کہاں
 طے کر سکا نہ منزلِ دشوار کو سری
 کیا جالیں تھک کے بیٹھ رہا رہبر کہاں
 انہوں سے ارتباط نہ یاروں سے اختلاط
 یہ عمر اتنی تم نے گزاری غضر کہاں ؟
 گو لاکھ بار ریزشِ ابر بہار ہو
 ہوں شاخِ خشک ، مجھ کو امیدِ عمر کہاں
 چلے نہ کیوں کہ صبح سے اٹھ بیٹھے شیخِ شہر
 ہائی ہے اس نے لذتِ خوابِ سحر کہاں
 مجروح ، آپ شوق سے مجھ کو بتائیے
 یہ ہو چھے گر کوئی : ”ہے بتر سے بتر کہاں ؟“

(۸۱)

آہ دل سوز نہیں ، سالہ شرر ہمار نہیں
 وہ تپِ ہجر کی اب گرمیِ بازار نہیں
 ظلمِ تو کا ہے طلبِ کارِ دلِ دودِ ہستند
 ہائے ! کچھ طرزِ ستم سے وہ خبردار نہیں

اور تو جو کہ مصائب ہیں وہ سب مشکل ہیں
ایک رات ہی شبِ ہجر میں دشوار نہیں
ہو گیا شغل ہے اک منتظری کا دل کو
اس کے کچھ آنے نہ آنے سے سروکار نہیں

میں جو کہتا ہوں: ”کسی رات تو سو یاں آ کر“
بس کے کہتے ہیں کہ ”طالعِ نوا بیدار نہیں“
تم تو رہتے ہوش و روز تصور میں مرے
کچھ نگہبان تمہارا یہ خبردار نہیں

کیا تھے لب یہ کسی تلخ دہن سے ہیں ملے
آج باتوں میں وہ شیرینیِ گفتار نہیں
سن کے سب حال مرا، کہنے لگے: ”کیوں صاحب!“
تم تو کہتے تھے مجھے طاعتِ گفتار نہیں!“
عکس تیرا مجھے آئینے میں نکلتا ہے سدا
کوئی ہے وہ؟ جو تیرا طالبِ دیدار نہیں!

ہے حایل کبھی گردن میں کبھی طوقِ کمر
دستِ گستاخِ شبِ وصل میں لیکار نہیں

اس میں مہتاب ہو گیا، اس کی سحر ہو کیوں کر؟
یہ مرے بخت کا سایہ ہے، شبِ تار نہیں

میرے صیاد کی ہے قید یہ از آزادی
اس سے ہوجھو جو کوئی اس کا گرفتار نہیں

چشمِ بہار نہیں چھوڑتی خونِ غواری کو
جس میں ہریز ہو، وہ کیا ہے آزار نہیں!

خاکِ رہ ان کا بنوں کیا ، کہ تکبر کے سبب
 رکھتے وہ پاؤں زمیں پر دمِ رفتار نہیں
 گھر سے صبا کے آتی نہیں آوازِ حزیں
 کیا نفس میں کوئی اب تازہ گرفتار نہیں
 نقشِ پا بھی تو نہیں اس کا ٹھہرتا پک جا
 قہر ہے ، ظلم ہے ، وہ شوخیِ رفتار نہیں
 غفلت افزا ہیں یہ مسئلہ لگا ہی کسی کی !
 ایک بھی سے کدہ دہر میں پشاور نہیں
 ہو کبھی صوفی صافی ، کبھی رند مرست
 یہ تو باتیں کہیں بھراوچ سزاوار نہیں

(۸۲)

یکلو اس نگاہ کا گر لیشر نہیں
 کیوں ان دلوں لراوشِ خونِ جگر نہیں ؟
 وہ میرے گھر کے سامنے سے جائیں اس طرح !
 اے ہم لشیں ! رقیب کا گھر تو ادھر نہیں !
 واں حسن کا حرور ہے بیانِ فرطِ شوق ہے
 ان کو ہاوی اور ہمیں ان کی خبر نہیں
 بول بھولے بھولے رہتے ہو دن رات کس لیے !
 بھاپ لگاؤ غیر سے تم کو اگر نہیں ؟
 کیوں اس قدر ہے برہم و آشفہ زلفِ ہار
 تشبیہ میرے حال سے اس کو اگر نہیں ؟

زاہد پیالہ تھام ، جھجکتا ہے کس لیے ؟
 اس مفت کی شراب کے پینے کا ڈر نہیں
 بوجھاڑ کیوں ہے سنگِ حوادث کی اس قدر ؟
 اے چرخِ سفلہ میں شجرِ بار و بر نہیں
 اس چار دن کے حسن یہ کہ نگاہیں
 افسوس کچھ مال یہ تم کو نظر نہیں
 صیاد کاٹ ڈالے ، اکھڑ جائیں دام میں
 اڑنے کے واسطے یہ مرے بال و پر نہیں
 نسبت ہے روزِ حشر و شبِ ہجر میں یہی
 آس کی نہیں جو شام تو اس کی سحر نہیں
 بے تاب ہو کے چولک تو اٹھتے ہیں روز و
 کہوں کر لکھوں کہ نالہ شب میں اثر نہیں
 حال اضطرابِ دل کا لکھا خط میں اس لیے
 تیار رہ روی میں دیر کرے لہہ بر نہیں
 مجروحِ غمت مر نہ گیا ہو ، خبر تو لو
 اس کی کلی میں رات ہے کچھ شور و شر نہیں

(۸۳)

خیالِ روئے آتش ناک ہے اس دیدہ تر میں
 طلسمِ عشق نے یاں آگ بھڑکائی سمندر میں
 نہ وہ شامل ہوئے آکر ہمارے حائلِ اہتر میں
 وداعِ جان ہے اور دل رہا جاتا ہے دلبر میں

سناٹے کیا ہو مزدہ آسہ فصل بہاری کا
 یہاں سالِ گزشتہ ہی کی شورش ہے ابھی سر میں
 ٹھکانا ہی نہیں جو رو ستم کا ، مجھ کو حیرت ہے
 کریں گے عذر کس کس ظلم کا وہ روزِ محشر میں
 گلوٹے تشنہ میں کتنی ہے قوت جذب کی یارب
 کہ اس بے رحم کی باقی نہ رکھی آپ خنجر میں
 ہجومِ بدگمانی اور وفورِ شوق تو دیکھو
 کہ بچھے ہو لیے غطِ بالہ کر ہالِ کبوتر میں
 ترقی پر ہے شاید ان دلوں ذوقِ نظربازی
 کہ الموزنی نظر آتی ہے ہر دم روزِ در میں
 کسی نے کوٹ کر بجلی کو شاید پھر دیا دل میں
 نئی ڈھب کی ٹڑپ ہے کچھ بہاری جانِ مضطر میں
 وہ کہتے ہیں : ”بھلا یوسات میں بھی کوئی جاتا ہے؟
 تصور کیوں کہ میرا جائے تیرے دیدہ تر میں؟“
 وہاں منعم کو ہے فکرِ قیامِ جاوداں ہر دم
 یہاں رنگت زمانے کی بدل جاتی ہے دم بھر میں
 اگرچہ گھر سے اس نے اک قدم باہر نہیں رکھا
 مگر ہے شور اس کانِ ملاحت کا ہر اک گھر میں
 کہانی اپنی طوفانی ، وہاں غربت بہت تھوڑی
 یہاں کس کس مصیبت کا گروں کا روزِ محشر میں
 پڑے ہو فکر میں ناسخ ، تمہیں گر بند کرنا ہے
 سری آنکھوں ہی کو رکھ دو نہ اپنے روزِ در میں !

ہم ان کو دور ہی سے دیکھ کر بے خود ہیں ہو جاتے
وہ جب تشریف لاتے ہیں تو ہم ہونے نہیں گھر میں

غضب ہے دوری منزل، یہاں تو چلتے ہی چلتے
نہ وہ طاقت رہی ہا میں نہ وہ شورش رہی سر میں

زلیخا نے بہت نقشہ جایا، ہر مقدر سے
نہ صورت وصلِ یوسفؑ کی ہوئی کاغذِ مصور میں

کسی کے حالِ نیک و بد کا اس دم کون ہر ساں ہے
بھاری آمد آمد کا ہے اب تو شورِ عشر میں

نہ کر بھروح کچھ کوشش کہ جب دن آئیں گے اچھے
تو بگڑے کام برسوں کے سنور جائیں گے دم بھر میں

(۸۲)

یہ بے چینیاں سر اٹھائے ہوئے ہیں
کہہ بستر پہ کانٹے بچھائے ہوئے ہیں

نہ ہم اس کو خوابِ زلیخا سے بدلیں
سمیں جو نظر میں سہائے ہوئے ہیں

سر آنکھوں پہ شرمندگی ہے بھاری
پہ اعداء تو میرے ہلائے ہوئے ہیں

مگر دیدہ تر نے کی آبِ ہاری
گلِ زخم جو لہلہائے ہوئے ہیں

رہے سعی میں 'رہ نما سے بھی آگے
 قدم کو ہم اپنے پڑھائے ہوئے ہیں
 کسے عشق میں یاد دلایا و دیں ہے
 ہم اپنے ہی کو غود بھلائے ہوئے ہیں
 فلک بھی ہوا بار سے جس کے عاجز
 وہی بوجھ تو ہم اٹھائے ہوئے ہیں
 مزے وصل کے ہجر میں لے رہے ہیں
 وہ آنکھوں میں ایسے سائے ہوئے ہیں
 گندہ گل سمجھو ، بد اطوار جانو
 مگر ہم اسی کے بنائے ہوئے ہیں
 وہ گل رو سو ہے ہار ان کے گلے میں
 عذو بھہ ہم کیوں خار کھائے ہوئے ہیں
 تہی کونق قالب نہ کیوں کر صراحی
 وہ ساغر لبوں سے لگائے ہوئے ہیں
 کئے تھے جو گل ٹوٹ کر ملکِ دل کو
 وہ بھر آج تشریف لائے ہوئے ہیں
 وہ گو تاک میں ہے ہر اس منت پر سے
 ابھی تک تو ہم دل بچائے ہوئے ہیں
 جو کھو بیٹھے اس طرح دلایا و دیں کو
 کسے ایسا مجروح بنائے ہوئے ہیں

(۸۵)

کیا کہوں آفتیں جو چاہ میں ہیں
 ڈوبے یوسفؑ اسی سے چاہ میں ہیں
 کیا بتاؤں نشان منزل دوست
 دیر و کعبہ تو اس کی راہ میں ہیں
 اور صیاد کیوں نہ ہوں محروم
 صید سب اس کی صیدگاہ میں ہیں
 تا بہ روزِ شہار ہو نہ شاہز
 فتنے اتنے تیری نگاہ میں ہیں
 روز ملتے میں ہے وہ بات کہاں
 لطف جو وصلِ گہ گہ میں ہیں
 سہر و قہر ان کا کچھ نہیں کہلتا
 ہم تو مدت سے اشتیاء میں ہیں
 وان گئے وہ تو ان کی خیر نہیں
 چند صوفی جو خالصانہ میں ہیں
 مثلِ نقشِ قدم ہر اک جا پر
 منتظر بیٹھے ان کی راہ میں ہیں
 نظر الداز ہوں نہ اے قاتل
 ہم بھی موجود قتل گاہ میں ہیں
 در سے لکرا رہے ہیں سر عاشق
 اور ابھی تک وہ خواب گاہ میں ہیں

قتل کرتے ہیں ، کیا ادا کیا ناز !
 جنگ 'جو سب لڑی سپاہ میں ہیں
 زاہد و رند کیا ، وہی ہیں خوب
 جو پسند اس کی بارگاہ میں ہیں
 اس کو دنیا ہی میں سمجھ لیجئے
 جو تعین گدا و شاہ میں ہیں
 چھیڑے کہتے ہیں کہ "اے بھڑوچ !
 کیا مزے تیری آہ آہ میں ہیں"

(۸۶)

کیا زلیخا ہو خوش گلستان میں
 دل تو اس کا پڑا ہے زلداں میں
 یہ نواکت اور اس پہ غیروں سے
 کسی مضبوطیاں ہیں یہاں میں
 نہیں وہ مجنوب کے دم ہی تک رونق
 خاک اڑتی ہے اب بجاہاں میں
 جس سے ٹوٹے گا ہلہ میزبان
 وہ گرائی ہے میرے عصیان میں
 ولولہ لہر خیز ہے ہمار
 چپ ہوئے کیوں بلبلیں گلستان میں !
 کس کو معلوم جان کب ٹکلی
 ہو لہے ہم تو بادلِ جاناں میں

چشمِ خوبِ بار کو میرے دیکھو
 کیا دھرا ہے محط و تھاں میں
 جال پھیلا رکھا ہے الفت نے
 کہوں کہ یوسفؑ پھنسے نہ زنداں میں !
 ولولے اپنی جوشِ وحشت کے
 لطف دکھلائیں گے یہاں میں
 کیوں ہوئیں گل سے بلیں بزار
 کہیں آنکلیے وہ گلستاں میں ؟
 وہ نگاہیں ہیں رخنہ کراے شیخ
 میرے سینے میں ، تیرے ایمان میں
 ہاں سبک دستی جنوں ہمارا !
 تارِ باقی رہے نہ داماں میں
 ہم نے دونوں کی میر کی لیکن
 دل لگا دشت میں نہ ہستاں میں
 ہیں فرشتے بھی بے خبر اس سے
 سرِ غفل ہے چوکہ آسمان میں
 دل خواہی ہو یا جگر سوزی
 کچھ تو ہو شغلِ روزِ ہجراں میں
 طوق و زنجیر سے گیا نہ جنوں
 وہی جولالیاں ہیں زنداں میں
 یہ تو اپنی سمجھ سے باہر ہے
 توہ ، اور مجھ سے ؟ روزِ ہاراں میں !

سایہ افکن ہے ہاں سید بختی
 شمع کیوں کر جلے شبستان میں
 اتنا ٹوٹا ہے دل کہ مٹتا ہے
 حال اس کا کسی کے ہاں میں
 نثارِ دوزخ سے کیا خطر اس کو
 جو کہ ڈوبا ہو بھر عصیاں میں
 دردِ دل کی دوا نہیں مجروح
 آپ ناسحق ہیں فکرِ دوساں میں

(۸۷)

سدا عروج ہمہ مانندِ حسنِ یار ہوں میں
 غزاں کو دخل نہیں جس میں وہ بہار ہوں میں
 مفید ہونے میں گو ہند پختہ کار ہوں میں
 مگر مزاج میں عالم کے ناگوار ہوں میں
 رکھے نہ مجھ سے کوئی میوہ و ثمر کی امید
 اگرچہ نخل ہوں پر نخلِ شعلہ بار ہوں میں
 شبِ فراق کی بے چینیوں ، معاذ اللہ !
 کہ ایک آن میں سڑا ہزار بار ہوں میں
 یہ اور قہر ہے ، اس کو گمان ہو اپنا
 جو شکوہ سنجِ ستم ہائے روزگار ہوں میں
 کوئی منائے جو ہم کو لو کیا لہ من جائیں !
 مٹا کے اُن کو بھی کہتا یار یار ہوں میں

جو بھول کر بھی الہی "اے حبیب" کہتا ہوں
 تو کسی دماغ سے کہتا ہے: "کس کا ہار ہوں میں؟"
 کہیں غرور نہ یہ خسار پائے خط سے مٹے
 بہت وہ دل میں خوشی ہیں کہ گل عذار ہوں میں
 یہی ہیں قبر میں روزِ شہار تک مونس
 کہ ساتھ لے کے چلا ریخِ بے شمار ہوں میں
 خدا کرے کہ جلا دے حجاب کے پردے
 قلق میں کھینچتا آہِ شرارہ ہار ہوں میں
 جلاہا برقِ حوادث نے مزرعِ دل کو
 غزاں سے کام نہ کچھ طالبِ ہمار ہوں میں
 فروغِ بخشِ نظر ہوں نہ زہبِ کاشانہ
 فضائے دہر میں شمعِ سرِ مزار ہوں میں
 و نورِ کاشِ غم نے کیا ہے کام تمام
 اب آنے سرنے کا گویا کہ انتظار ہوں میں
 نظر جو چہب کے بھی ڈالی ہے چشمِ میگوں پر
 نگاہِ ناز یہ کہتی ہے: "ہوشیار ہوں میں"
 بڑھی خود اور بھی اس کی کدورتِ خاطر
 بسا جو اس کی سرِ راہ کا غبار ہوں میں
 لگا ہے زخمِ یہ کاری کہ الہ نہیں سکتا
 یہ کس کے قبرِ جگر دوز کا شکار ہوں میں !
 ہے اس سے دیدہ خونِ ہار کا بھی ایما
 کہ لالہ رو ہو اگر تم تو لالہ کار ہوں میں

میں اپنے آپ کو اتنا عزیز کیوں نہ رکھوں ؟
 کہ سر سے تا بہ قدم آرزوئے یار ہوں میں
 مقابل اس رخِ تاباں کے کسی طرح آنے
 لمر کا عذر یہ سچ ہے کہ ”داغ دار ہوں میں“
 اسی سے تھل تھل کتنا کو ہے برو مندی
 جہاں میں مٹی زمیں کیوں نہ خاکسار ہوں میں
 عجیب عشق و محبت کے کارنامے ہیں
 ملے وہ غیر سے اور وقف انتظار ہوں میں
 جو دردِ دل میں ہے لذت وہ جی ہی جانے ہے
 یہ دل لگی کی ہیں باتیں کہ بے قرار ہوں میں
 میں اور کہیں کی تکلیف ، خیر ہے مجروح
 رکھو معاف کہ اک رلدِ ہرزہ کار ہوں میں

(۸۸)

ہم تو جلتے ہیں ، خبر تک بھی ذرا واں تو نہیں
 کچھ اثر خیز سرا نالہ سوزاں تو نہیں
 اتنے تر پھر جو ہونے آپ مرے آنے سے
 سچ کہو غیر کہیں گھر میں ہی مہاں تو نہیں ؟
 دیکھتا ہوں شبِ وصالت جو کوئی روزِ در
 ڈو سے کہتا ہوں کہ ”یہ چشمِ نکمیاں تو نہیں ؟“
 ہم نے سنا کہ ہیں زاہد میں صفاتِ سبلی
 خوبیاں سب یہ مسلم مگر آساں تو نہیں

سہل ہو گرچہ عذو کو مگر اس کا ملنا
 اتنا میں خوب سمجھتا ہوں کہ آساں تو نہیں
 ہوسہ ملنے کا بھلا ہم کو یقین ہو کیوں کر
 کو رضامند ہوں وہ لب پہ مگر ہاں تو نہیں
 دل میں اک شے جو کھٹکتی ہے بہت مدت سے
 وہ ترے لیے جگر دوز کا پھکن تو نہیں
 میں جو کہتا ہوں کہ ”جلد آؤ!“ تو کیا کہتے ہیں :
 ”یہ سرا کھر سے نکلتا ہے ، تری جاں تو نہیں !“
 دے کے تم ہوسہ لب رکھتے ہو احسان کسی پر ؟
 یہ تو ہے دل کا عوض ، مفت سری جاں تو نہیں
 کھینچتا ہوں اے گستاخ ہے کیوں دستِ جنوں ؟
 دامنِ ہمار ہے ، یہ میرا کریباں تو نہیں
 کر یہی ہجر کا غم ہے تو نکل جائے گا
 دم ہارا ہے ، تو سے وصل کا ارمان تو نہیں
 ہم ہنر لے کے کہاں جائیں ، کسے دکھلائیں ؟
 جس اچھی ہے پر اس کا کوئی خواہاں تو نہیں
 شبِ وصلت وہ سرے سے لک کر بھڑوچ
 کہتے ہیں : ”لے ، ترا باقی کوئی ارمان تو نہیں ؟“

(۱۸۹)

جس سے دن عیش میں گزریں وہ سر البہام نہیں
 مے نہیں ، جام نہیں ، ساقی گلِ فہام نہیں

چھوڑتی ایک کو یہ گردشِ ایام نہیں
 روئیے جام کو کیا ، جم ہی کا اب نام نہیں
 اگر آگاہ وہ ہوتا تو نہ دیتا مجھ کو
 یار کو خود خبر لذتِ دشنام نہیں
 محو ہو جانے ، جو ہو افشرِ نگین ، نام مرا
 صفحہٴ دہر میں مجھ سا کوئی گم نام نہیں
 محاسب کا نہ تو ڈر ہے نہ عس کی پروا
 دیکھ کے جام کو کچھ سوجھتا الجھام نہیں
 کیوں ہے مضطرب یہ دلِ درد شناس اے صیاد !
 تو گرفتار کڑھتا جو تیر دام نہیں
 حصر ہے طرف کی مقدار یہ یشی و کمی
 ہر عنایاتِ مغان سے کوئی قاکام نہیں
 فکرِ غیروں کی تمہیں اور بھاری مجھ کو
 میں ہوں بے چین تو کچھ غم کو بھی آرام نہیں
 اہلِ نظارہ نہ کیوں دل میں بسرہ ہوں کہ آج
 وہ تبسم کی طرح زہبِ لبِ یام نہیں
 مجھ کو آئے جوںہی دیکھا تو پکڑ کر بولے :
 ”اے ویسوں کا مری ہزم میں کچھ کام نہیں“
 اپنی روز و شب بھراں ہیں نرالی یارب
 رات کی صبح نہیں ، دن کی کبھی شام نہیں
 طالبِ دوست الگ رہتے ہیں سب سے ، ان کو
 پاسِ احسام نہیں ، خواہشِ اسلام نہیں

لنگ وہ جانتے ہیں مجھ سے مخاطب ہونا
 بوسہ کیسا کہ وہ دیتے کبھی دشنام نہیں
 ایسی رندوں میں جو چپ چاپ ہوتی ہے ، شاید
 آج مے خانے میں مجروح مے آشام نہیں

(۹۰)

ہر رنگ میں بخشش ہی کی پاتا ہوں ادا میں
 اس راحم و غفار کی رحمت پہ ادا میں
 خجالت سے گناہوں کی یہ دنیا میں ہے عالم
 اک دوزخ جاہد میں رہتا ہوں پھنسا میں
 خلاق کی صنعت کا نمونہ مجھے سمجھو
 ہوں اصل میں اک ذرۂ خورشید نما میں
 ہوش و خرد و تاب و توان ، سب دیے تو نے
 کس کس تری نعمت کا کروں شکر ادا میں
 گو غرقِ عصیاں ہوں شب و روز ولیکن
 رحمت پہ بہرہ ریزی رکھتا ہوں سدا میں
 اک خاک کا پتلا ہوا مسجود ملائک
 اللہ ! تیری بندہ لوازی پہ قدا میں
 یہ تیری عنایت ہے کہ مفتاحِ خرد سے
 اسرارِ نہانی کا ہوں گنجینہ کشا میں
 یہ اس کی عنایات کا جلوہ ہے وگرنہ
 سچ یہ ہے کہ ہستی مری کیا اور ہوں کیا میں

بے زاد کے کیوں کر یہ رو دور کٹے گی !
 الفوس تہی دست ہی دلہا ہے چلا میں
 یہ روئے سہ ہی نہیں دکھلانے کے قابل
 ہاتھوں سے چھپاتا ہوں منہ وقت دعا میں
 ہے بارگندہ سر یہ ، قدم الٹ نہیں سکتا
 طے کیوں کہ کروں عرصہ گہ روز جزا میں
 تو راحم و غفار ہے تو مالک و مختار
 کس در یہ بہلا جاؤں گا اس در کے سوا میں
 کم سایہ کو ہے قبری ہی رحمت یہ بہرہ
 اک بندہ ناچیز ہوں اے بار خدا میں
 شرمندہ ہوں ، کس طرح ہے آنکھوں کو الٹاؤں
 نیچا سرا اسی وجہ سے رکھتا ہوں سدا میں
 مل جائے تو ہے شکو ، نہ مل جائے تو ہے صبر
 ہوں راہ رو مسلک تسلیم و رضا میں
 بویا ہی نہیں کچھ تو درو خاک کروں گا
 مجروح اسی سوچ میں رہتا ہوں سدا میں

(۹۱)

غائبانہ سوز ماسوا ہوں میں
 اپنے سائے سے بھی جدا ہوں میں
 غور پر چند کر رہا ہوں میں
 ہر یہ کھلتا نہیں کہ کیا ہوں میں

نہیں اس رہ میں دوسرے کی کھیت
 آپ ہی اپنا رہ تما ہوں میں
 وہ اگر آملیں تو کیا ہے عجب
 غم سے کچھ اور ہو گیا ہوں میں
 دل ہے شوقِ گناہ سے لبریز
 دیکھنے ہی کا پارسا ہوں میں
 کیوں نہ ہو دار کا وہ مستوجب
 جو کہ بندہ کہے: ”خدا ہوں میں!“
 سوزِ دل کر چکا ہے جسم کو خاک
 اب تمرا منتظر ، صبا ، ہوں میں
 ہر لبِ زخمِ تن سے میں دمِ قتل
 کہتا قاتل کو مرجھا ہوں میں
 ان سا مغرور اور ہر شہرِ حال !
 خواب ہے یہ ، جو دیکھتا ہوں میں
 مجھ سا ہو گا نہ سخت چاب کوئی
 کہ شبِ ہجر میں جیسا ہوں میں
 میری ہر شے جو کی کسی نے تو وہ
 بولے: ”ہاں ، صورت آشنا ہوں میں“
 شارحِ حالِ دل سمجھ مجھ کو
 درد ہی درد ہو گیا ہوں میں
 آنکھ تک ڈالنا نہیں گاہک
 کچھ عجب چنی لار وا ہوں میں

شعلہ زن آتش بھرا ہے ، بہت لوتا ہوں
 آئے اس گل کا تصور دلِ سوزاں میں نہیں
 کھیا چمن میں ہے گئی ہوئے گریباں اس کی
 آج غنچہ کوئی کھلتا جو گلستاں میں نہیں
 غرض اس شوخ سے فتنہ نہیں باہر کوئی
 قدِ سوزوں میں ہے جو فرگسہ فضاں میں نہیں
 یہ بھی نصبت ہے کہ آثارِ دوستی کا ہے
 میری توبہ میں 'نہیں' آپ کے ہواں میں 'نہیں'
 دل کو شاہد لرے سڑگاں کا تصور نہ رہا
 اب وہ پہلی سی کھٹک کاوشِ پنہاں میں نہیں
 ہے کہیں میں کششِ شوقِ زلیخا بے ثعب
 یہ تو یوسفؑ کو کبھی چھوڑی کنعان میں نہیں
 رہو راہِ فنا ہوں ، مجھے کیا دیکھتے ہو !
 فطرۃ اشک ہوں ، اک جنبشِ سڑگاں میں نہیں
 دیکھ تو تیر میں لکڑے ہیں یہ گتھواں کس کے
 پھر نہ کہتا کہ "ترا دل مرے پیکان میں نہیں"
 جتنے وہ خوب ہیں اتنی ہے ہماری حسرت
 ملنا مقصود مرا حیرتِ امکان میں نہیں
 ہیں سدا مصحفِ رخسار یہ آثارِ غضب
 کیا کوئی آیہٴ رحمت لرے قرآن میں نہیں ؟
 چاہتا ہوں کوئی معشوقہٴ عشاقِ نواز
 اس کا طالب ہوں کہ جو عالمِ امکان میں نہیں

در و دیوار کو توڑا ہے ترے وحشی نے
 اب تو گھر میں وہ مزا ہے جو یابان میں نہیں
 کسی عاشق کا بندھا ہے دل مضطر شاید
 آج کچھ بل جو ترے کا کل پہچان میں نہیں
 اس کی میں آنکھ میں رہتا ہوں کھٹکتا ہر دم
 کیا عجب خواب اگر چشم لگے بان میں نہیں
 ہاس آنے کا مرے کیوں نہ وہ کرتا وعدہ
 جالتا ہے کہ یہ بھتا شبِ ہجران میں نہیں
 میں ہوں اس صائرِ ایجاد کا گنجینہ راز
 بول ہی بیکار میں اس منزلِ ویران میں نہیں
 ہاتھ جاتا ہے گریباں کی طرف کیوں مجروح ؟
 غیر کا ہاتھ اگر ہمارے دامن میں نہیں !

(۹۳)

گریباں چاک ہے گلِ بوستان میں
 اثر کتنا ہے بلبل کی فضاں میں
 قفسِ صیاد کا خالی ہڑا ہے
 نہ ہوں بے چین کیوں کر آشیاں میں
 زلیخا کی بھٹی جاتی ہیں آنکھیں
 کہیں یوسفؑ نہ ہو اس کاروان میں
 دعائے وصل جا اب تو اثر تک
 کہے سالوں نے روزِ آہاں میں

کبھی آسودہ دل ہم تو نہ بیٹھے
 کوئی ایسا بھی ہو شاید جہاں میں
 سنے گر طالعِ خفتہ کا قصہ
 تو لہند آ جائے چشمِ ہاسباں میں
 بہت غیروں کی سولی آزمائش
 کوئی ہوا بھی اترا امتحاں میں ؟
 تمام اسبابِ دلیاوی کے بدلے
 ہے اک بے روتقی اپنی دکان میں
 جییں عشاق کی الہوتی نہیں ہے
 غضب ہے جذب اس کے آستان میں
 جہاں میں چیز کیا ہے اُس سے بہتر
 جو بھیجی جائے اس کو ارغماں میں
 کیا لہا روئے آتشِ ناک کا وصف
 بھولے پڑ گئے اپنی زباں میں
 یہ کس قیدی سے ہے آشفہ خاطر
 جو کھل ہے کا کلِ عنبرِ فشاں میں
 سنا حالِ دلِ مجروحِ شب کو
 کوئی حسرت سی حسرتِ ٹہی یاں میں

(۹۴)

میری بدخوئی کے بہانے ہیں
 رنگ کچھ اور ان کو لانے ہیں

رحم ، اے اضطرابِ رحم ، کہ آج
 ان کو زخمِ جگر دکھانے ہیں
 کیسی ٹیند اور ہاسیاں کسی کا
 ہاں نہ آنے کے سب بھانے ہیں
 کر کے ایٹائے عہد کا مذکور
 اپنے احساں انھیں چھانے ہیں
 اس کی شوخی کی ہے کوئی حد بھی
 اک نہ آنے کے سو بھانے ہیں
 سر الٹانا وصال ہے اور ہاں
 باز ان کے ابھی الٹانے ہیں
 ظلم ہے ان کا بیٹ بھرنے تک
 ہم کو تیغ و تبر ہی کھانے ہیں
 ان بتوں ہی کو حسن دینا تھا
 کیا خدائی کے کارخانے ہیں
 الم و درد و رنج و بے تابی
 ہمارے اپنے ہی ہرآنے ہیں
 کیا پہاری ہماز، کیا روزہ
 بخش دانسے کے سو بھانے ہیں
 میں کروں جستجو کہاں جا کر
 ان کے تو سو جگہ ٹھکانے ہیں
 فانیہ کو بدل کے اے مجروح
 اور اشعار کچھ سناتے ہیں

(۹۵)

کب وہ شوخی سے باز آئے ہیں
 بات کی جا مجھے بناتے ہیں
 ہاتھ داسن کو جب لگاتے ہیں
 وہ مری دھجیاں اڑاتے ہیں
 وہ ان الٹکھیلوں سے آتے ہیں
 لاشہ خفتہ جاگ جاتے ہیں
 میرے مرنے کی سن کے وہ بولتے :
 ”کب ہم اہم دسوں میں آتے ہیں ؟“
 ہاتھ دھو بیٹھے ہر غذا سے ہم
 ہاں نعم تازہ ہو تو کھاتے ہیں
 وہ تو اک بار ہو گیا اے زلف
 اب تیرے پیچ میں کب آتے ہیں
 دل چرایا نہیں تو کیوں ہر دم
 چمکے چمکے وہ مسکراتے ہیں ؟
 نکلے مر کے تو حسرت پرواز
 وہ مرے بال و ہر اڑاتے ہیں
 یہ محل ذکرِ غیر کا کیا تھا ؟
 وہ مجھے جان کر جلاتے ہیں
 میرا لاشہ اٹھا چکے ، وہ تو
 بااثر سو ناز سے اٹھاتے ہیں

کردِ عصاب سے ہیں غبارِ آلود
 آبِ خجلت سے ہم نہاتے ہیں
 وہ کتکھویں سے دیکھ کر اپنا
 انفاتِ نہاں جتاتے ہیں
 جب سے سید سنا ہے اے مجروح
 مجھ کو صلوٰۃ وہ سناتے ہیں

(۹۶)

ہی کہ اک جنسِ رائیگان ہوں میں
 جتنا ارزاں ہکون ، گراں ہوں میں
 نہ یہاں اور نہ اب وہاں ہوں میں
 کیا بساؤں ممویں جہاں ہوں میں
 یاد میں ہے کسی کے استغراق
 کون پہنچے وہاں جہاں ہوں میں
 مدد اے نغمہ سنجیِ بلبل
 کب سے گم کردہ آشیان ہوں میں
 ڈھب ہے یہ ہمار تک پہنچنے کا
 کاش قاصد ہی کا یاں ہوں میں
 بے کی مانند خشک ہیں اعضاء
 کیوں نہ سرقا بہ پا نفاں ہوں میں
 لطف ہایا ہے خاکساری میں
 ہوں زمیں گو کہ آہاں ہوں میں

کس نے جلوہ دکھا دیا ہے آج
 زمزمہ سنجہ الاماں ہوں میں
 تا کجا تیر گامیاں ! میں کر
 ٹوسن شوق ہم عناں ہوں میں
 گرد دہی ہے کارواں کا پتا
 بادکار گزشتگان ہوں میں
 جان کیوں کر تیار مقدم ہو
 اب وہ آئے کہ نیم جان ہوں میں
 کیا نہم باد برق کا گرنا
 پیر بنانا جو آشیاں ہوں میں
 بہ سفر دیکھے کہاں ہو تمام
 مثلِ رینگِ روانِ روان ہوں میں
 کوئی اس عہد میں نہیں ہے شفیق
 آپ اپنے یہ سہریاں ہوں میں
 دیکھ، پھٹے کا نہ لے کے مجھے
 سایہ نازشِ دکاں ہوں میں
 عشق میں سو ہلاکیں لیں سر پر
 اپنے حق میں خود آہاں ہوں میں
 قدر کھوں خواں دہر پر ہو مری
 سچ ہے ناخواندہ مہاں ہوں میں
 اول شب ہی ہجر میں اُن کے
 ڈھونڈنا غنجر و سناں ہوں میں

نہ، تلا اس کے در سے اے مجروح
دوسرا تنگ آستان ہوں میں

(۹۷)

میں آہ ہوں تو خوب جگر میں طہید ہوں
میں زخم ہوں تو سودہ الہاس دیدہ ہوں
کیوں کر رہوں میں چین سے ، کیا آرمیدہ ہوں !
میں بحرِ غم میں کشتیِ طوفان رسیدہ ہوں
طوفانِ جہل نے مرا جوہر مٹا دیا
میں اک کتابِ خوب ہوں ہر آب دیدہ ہوں
میرا کسی کے دام میں آنا محال ہے
وہ حید ہوں کہ مائے اہنے رسیدہ ہوں
کیا کیا نہ بعد مرگ کے آسائش ملیں
میں قبر میں مسافرِ منزل رسیدہ ہوں
ایذا کبھی کسی کی گوارا نہیں مجھے
ہوں خارِ رہ تو پاؤں میں اہنے غلیدہ ہوں
دیکھ اے رقیب سامنے آنا نہ تو مرے
میں دستِ روزگار میں تیرے کشیدہ ہوں
ہورا ہوا نہ کوئی زمانے سے اپنا کام
نالاہ ہوں میں اگر تو یلب نارسیدہ ہوں
ہو طالبِ وصال نہ کیوں محوِ رونے ہار
میں اس کے آگے شہرِ خورشید دیدہ ہوں

کچھ دل کو اضطراب سے نسبت ہے اس قدر
 آرام بھی بتوں تو نہ میں آریدہ ہوں
 صحرا و شہر میں مرا مسکن کہیں نہیں
 اس دام گہ میں طائر رنگِ پریدہ ہوں
 اس خاکِ داغ سے طبع کو ہوتا نہیں لگاؤ
 کس جوہرِ لطیف سے میں آریدہ ہوں
 یکساں ہے اس جہاں میں وجود و عدم مرا
 خوابِ ندیدہ و سخنِ ناشنیدہ ہوں
 مجروح میرے حال کو کیا بوچھٹے ہو تم
 میں کیا ہوں ، اک دم کفرِ آفتِ رسیدہ ہوں

(۹۸)

دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں
 اک کھٹک سی رہی کہیں نہ کہیں
 سہر کیا چیز ہے ، ولہا کیسی !
 یہ تو باتیں ہی اب رہیں نہ کہیں
 دل کو آرام اس کے تیر سے ہے
 جانے یہ بارِ دل نشیں نہ کہیں
 اتنا مردود ہوں کہ ڈر ہے مجھ
 قبر سے پھینک دے زمیں نہ کہیں
 لبِ شیریں ہے غوگرِ دشنام
 تلخ دیکھا تھا انگلیں نہ کہیں

ہا نہ سرکاؤ ، سنگ در ہے یہ
تم سچھنا مری جیہ نہ کہیں

ہومہ مانگا تو ہے ، پہ ڈرتا ہوں
حسبِ عادت کہے نہیں، نہ کہیں

میں تو سچھا ہوں عشقِ غیر غلط
ان کو ہو جائے ہر بقیہ نہ کہیں

محہ کو ڈر ہے کہ ہنستے ہی ہنستے
دل اڑا لیویں یہ حسی نہ کہیں

قہر ہوگا جدھر نظر ہوگی
الھجے وہ چہرہ سرمگین نہ کہیں

خالی جائے ، یہ وہ ہٹاؤ نہیں
آج جائیں گے وہ کہیں نہ کہیں

آجہاں ما نہ ہو جہاں دشمن
ہم کو ایسی ملے زمین نہ کہیں

اس کا ملنا تو ہے بہت دشوار
گم ہوں اس راہ میں ہمیں نہ کہیں

ہو نہ مایوس ، ہے تجسس شرط
وہ بھی مل جائیں گے کہیں نہ کہیں

بزم سے کب ہیں چھوڑنے والے
ہوں گے بھراؤج یہاں کہیں نہ کہیں

(۹۹)

آج لکلا جو آفتاب نہیں
اس کے چہرے پہ کیا نقاب نہیں !

اس کے لینے میں اضطراب نہیں
آبِ حیات ہے یہ شراب نہیں
بوسہ غیروں کو کیوں نہ دیجے گا
یہ مری بات کا جواب نہیں

اس کی زلفیں بنا رہے ہیں غیر
دل کو بے وجہ ہیچ و تاب نہیں
ٹوپی اس بصر میں مری کشتی
موج کو جس میں اضطراب نہیں
دل کی گہرائیں ، معاذ اللہ
وہ بھی آئے تو اس کو تاب نہیں

کس سے سرگرمیاں رہیں ، صاحب !
آج کیوں منہ پہ آب و تاب نہیں ؟

شوخی آنکھوں سے ٹپکی پڑتی ہے
گو وہ ظاہر میں بے حجاب نہیں
کہا تیرے لطف سے تعلق ہو
میری حسرت کا کچھ حساب نہیں

ہنس کے بولے سوالِ بوسہ ہر :
”ایسی باتوں کا کیا جواب نہیں“

کس کو کہتے ہیں لیلہ بھر سونا
خواب میں بھی یہاں تو خواب نہیں

کہا ہے ایسا جو چمکے بٹھے ہو
آج مجھ پر بھی کچھ عتاب نہیں

ہو چھپے مت مرا فسالہ غم
اس کے سننے کی تم کو تاب نہیں

بخت انبیاء بن گئی ہے چشم
دیکھنے کو بھی جس میں خواب نہیں

انہی ہی بے عمل شکایت ہے
میرے شکووں کا کچھ جواب نہیں

وہ نکلیں پھر ہی تو آفت ہے
یہ زمانے کا انقلاب نہیں

اپنے دل ہی میں دیکھ ، جو کچھ دیکھ
اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں

لاکھ شرم و حیا کے پردے ہیں
کیا ہوا منہ یہ گر نقاب نہیں

کہوں کہ مجروح چین آئے کا ؟
اب تو بے تابیوں کی تاب نہیں

(۱۰۰)

وہ گالیوں کی چھیڑ ، وہ طنز و ہن کہاں ؟
ممکنیں اگر یہی ہے تو لطفِ سخن کہاں ؟

اب ہم ہیں اور کنچرِ نفس کی معویتیں
وہ نغمہ سنجیاب ، وہ نشاطِ چمن کہاں !

لٹنے میں یہ اٹھائی ہے لذت ، کہ راہ میں
ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ ”ہے راہ زن کہاں؟“
تشبیہ قد ہمارے دوں میں تو کیوں کہ دوں !

ہے سروگو سٹول یہ وہ ہانکپن کہاں !
بہارِ غم کا آتا ہے ہولٹوں پہ دم ، تو آئے
ہر ش کرے ہے وہ لبِ اعجاز فن کہاں
خسرو کے سامنے کوئی اس کی منے ہے کب
سر پھوڑے اپنا جا کے بھلا کرہ کن کہاں !

زاہد بہشت میں سے و شاہد تو ہیں ، یہ ہائے !
ساقی کی طرح حور میں مستانہ پن کہاں
آئار ہی سے اس کو تغیر ہوا ، ابھی
آیا خیال میں ہے وہ لہزک بدن کہاں !

فردوس میں بلانے کوئی یا کہ خلد میں
جاتا ہے تیرے کوچے سے یہ خستہ تن کہاں
چلے ہی جانت فندر ہے منصور کی طرح
یاں دل کو تابِ عیدہ دار و رسن کہاں

دل اس کو دے تو دوں یہ بھی نکر ہے مجھے
ٹھہرے گا اک جہان کا رنج و عن کہاں ؟
مہر وچ اس کو دیکھ کے معقول ہو گئے
حضرت ، کیا وہ آپ کا دیوالہ پن کہاں ؟

(۱۰۱)

شغلِ الفت کو چو احباب برا کہتے ہیں
 کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں
 اصل میں گرچہ توحید ہے یہ فرق اتنا ہے
 ہم 'قضا' کہتے ہیں وہ جس کو 'ادا' کہتے ہیں
 قہر ہے ان کا وہ ہنگامِ غضب ہنس دینا
 ایسے ہنسنے کو تو ہم ہوش رہا کہتے ہیں
 کیا ہے آبِ دمِ خنجر سے وہ تیرے انزوں؟
 جس کو تعریف سے سب آبِ بھا کہتے ہیں
 حالِ عشاق پر اک دم ہے دگرگوں کرتا
 سچ، ترے جلوے کو لیرنگ بنا کہتے ہیں
 جانِ دینے کے سوا اور بھی تدبیر کون
 ورلڈ یہ بات تو ہم اس سے سدا کہتے ہیں
 طالبِ خلد ہیں اور آپ کو اس پر زاہد
 سالکِ مسلکِ تسلیم و رضا کہتے ہیں
 دے دیا دل ہی تو بدگوئی کا شکوہ کیا ہے !
 آپ جو کچھ مجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
 جانِ لینے میں نہیں ہیں ملک الموت سے کم
 ہاں، وہی لب، کہ جنہیں روح فزا کہتے ہیں
 غیر اور باز سے سرگوشیاں ہوتی ہیں ہم
 سچ ہے دلیا میں اے بختِ رہا کہتے ہیں

سیم نت اس کو کوئی کہنے لگا ، کوئی ہری
 بولا : ”بھراؤج ہے ہرچہو کہ وہ کیا کہتے ہیں ؟“

(۱۰۲)

ہم جو برسوں میں کہیں آئے ہیں
 آپ آئے سے نکل جاتے ہیں
 چارہ گر کیوں یہ دوا لاتے ہیں
 ہم کوئی دلت کی ہوا کھاتے ہیں
 بھر الفت میں نہیں کچھ معلوم
 موج کی طرح کہاں جاتے ہیں !
 وعدہ کیا چیز ہے ، آنا کیا ؟
 وہ یونہی ہاتھوں میں پہلاتے ہیں
 خواب و آرام شبِ فرقت میں
 ہوش کی طرح سے اُل جاتے ہیں
 سب ہمیں عشق میں کہتے ہیں برا
 آپ کیا ، دیکھیے ، فرماتے ہیں
 ہے کڈھ رہا بہت پر ہم
 ٹھوکریں کھا کے سنبھل جاتے ہیں
 کس کی سزا ہے دلِ دوست پرست !
 آپ ناصح ! کسے سمجھاتے ہیں ؟
 سخنِ تلخ ہے لیرا شمشیر
 ہم تو اک بات میں مر جاتے ہیں

قطعہ

شوق ہے شوق ہے کچھ منزل کا
 راہر ہے بھی ہڑے جاتے ہیں
 وہ سنیں یا نہ سنیں ، مالک ہیں
 ہم تو انہی سی کہے جاتے ہیں
 دور ہے منزل مقصد اے خضر
 آپ کیوں پہچھے رہے جاتے ہیں !
 جرات شوق ہے کیا کہیں آئے
 وہ تو پہلے ہی سنبھل جاتے ہیں
 کیوں کہ کالو گے شب غم مجروح ؟
 آپ تو شام ہے کھیرانے ہیں

(۱۰۳)

نہیں غیر کو ہیں سنانے کی باتیں
 لفظ ہیں یہ میرے جلانے کی باتیں
 وہ اعداء کو چھوڑیں ، غلط ہے غلط
 یہ ساری ہیں ان کے دکھانے کی باتیں
 رموزِ محبت سمجھتے ہیں عاشق
 نہیں یہ ہر اک کے چٹانے کی باتیں
 طلبِ یوسہ زلف کرتے ہی بولے :
 ”نہ کچھے بہت مار کھانے کی باتیں“
 لفظ ذکرِ مہر و وفا واہ نہ کہے
 کرو اور ولہ زسانے کی باتیں

مرے مرضِ مطلب کو من کر وہ بولے:
کہ ”پھر تو نے چھیڑیں ستانے کی باتیں“

وہ گو تم نہ مانو ، یہ بہتر نہیں ہیں
ہر اک لحظہ یہ روٹھ جانے کی باتیں
نہ سہل اس کو سمجھو ، ہشیان ہو گئے
یہ مجروح کی ہیں ستانے کی باتیں

(۱۰۴)

کیا غصے میں آتا ہے جو کرتا ہوں گلا میں
خود آپ انہیں چھیڑ کے لیٹا ہوں مزا میں
نتیجے نے کہا ، دور ہی ہے دیکھ کے اُن کو :
”یہ آگے اگر ناز سے بیٹھا تو اٹھا میں“

کیا بھول کے غنچہ ہے سرشاخ یہ خندان
سمجھا ہے اسی طرح گزاروں گا سدا میں
”کیا تم کو بھی الفت ہے ؟“ یہ کہہ دیجیے سچ سچ
اس وقت نہیں دوسرا ، بس آپ ہی ہا میں

ہاں اُن کے یہ بالیدہ میں ہوتا ہوں غوشی سے
آیشہنے کی اور کے رکھتا نہیں جا میں
ہم نے تو کسی رنگ میں نسبت کو نہ چھوڑا
وہ مجھ سے غفا رتے ہیں ، جننے سے غفا میں
کیا قہر ہے اس چشمِ فسوں ساز کا السداز
اس رنگ سے دیکھا کہ نہ آپے میں رہا میں

خود رفتہ ہوا آئے ہوئے دیکھ کے ان کو
 وہ ان کے لگنے بھی نہ ہائے کہ چلا میں
 کہا خبہ ہے میرے ساتھ ، کہ غنچہ ہی گرایا
 کھلنے بھی نہ پایا تھا ابھی بادِ صبا میں
 ملتا ہے بھلا طائر خوش زمزمہ ہم با
 صبا کی قسمت تھی بھلی ، ان بھنسا میں
 یہ دیکھیے شوخی ، جو کروں عرضِ ممنا
 کس لاز سے کہتے ہیں کہ ”ہوں تم سے خفا میں“
 تو اس سے ڈراتا ہے کہ جو خیرِ محض ہے
 واعظ ترے قروں میں کب آتا ہوں بھلا میں
 کیا خاک ہو مجھڑا انہیں سر و ستم میں
 ان کی تو ہر اک بات یہ کہتا ہوں ”بچا“ میں
 ہوں شعرِ سرور ، نہیں میرا بھروسہ
 جھولکا بھی ہوا کا اگر آیا تو بچھا میں
 محفل میں بنا ہوں میں ترے عہد کی بنیاد
 تو نے بھی مجھے گو کہ اٹھایا ، نہ اٹھا میں
 کچھ وعدہ وصل اس کا لگاتا تھا سہارا
 گو اصل میں تھا جھوٹ ، یہ جیتا تو رہا میں
 اب جسم ہے سب راکھ ، دھرا اس میں ہے کیا خاک !
 الخگر کی طرح اپنی ہی سوزش میں چلا میں

جب دیکھو گلے میں ہیں عدد کے تری باتیں
 رنجیدہ سرے ہاتھ سے ریتا ہوں مدا میں
 کچھ بڑ تو گئی غیر کے گھر جانے میں کھنڈت
 گھر سے وہ لگتے ہی تھے باہر کہ بلا میں
 بھروح ، سرے مصرع سودا سے گئے ہوش :
 ”ساغر کو سرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں“

(۱۰۵)

ہے از بسکہ ہیکالگی یار میں
 ہم اقرار سجھے ہیں انکار میں
 نہ لب کھوج اغیار ، اس واسطے
 چلب سر کے بل ہم وہ یار میں
 ادھر سے گزرتا ہے تیرے نگاہ
 عجب کیا جو روزگ ہوں دیوار میں
 اے جامِ جم کی نہیں احتیاج
 مراہی ہو دستِ قدحِ خوار میں
 ٹھہر کر نشانِ قدم دیکھنا
 نخل ہے یہ سحرِ طلبِ کار میں
 سرے دیکھنے کو الھائے نگاہ
 یہ طاقت کہاں چشرِ یبار میں
 نہیں ہوتے معلوم لفتلرِ قدم
 یہ ہیں شوخیوں اس کی رفتار میں

سدا گھل کے مرتے ہیں بیمار عشق
 ہنستے نہیں ہیں اس آزار میں
 اے کھینچ لاتا ہے ہر دم چاہ
 غضب زور ہے لالہ زار میں
 یہ الفت بھی پارو عجب چیز ہے
 کہ یوسفؑ کو لاتی ہے بازار میں
 شبِ ہجر میں آنکھ لگتے نہ دی
 وہ پھرتے رہے چشمِ بیمار میں
 وہیں سب یہ ظاہر کرے نورِ حسن
 وہ گر چہب کے آئیں شبِ نار میں
 جھگڑنا ہوں ہر بات میں اس لیے
 وہ ٹھہرے رہیں تاک، تکرار میں
 عبادت کی تکلیف اب کیا ضرور
 رہا کیا ہے مجروح بیمار میں !

(۱۰۶)

کب شعلہ خیز نالہ آتشِ نشاط نہیں ؟
 کب دجلہ ریز دیدہ دریا نشاں نہیں ؟
 کس کی سجدہ میں آئیں یہ لیرلک سازِ فغان
 تم تو کہیں نہیں ہو ، مگر پھر کہاں نہیں ؟
 ہٹ اس کا نام ہے کہ کوئی مر ہی کیوں نہ جائے
 ہر 'ہاں' نہیں ، زبان سے نکلتے جہاں 'نہیں'

میں اور دیر و کعبہ کو جاؤں ؟ خدا کی شان
 کیا میرے بیٹھ رہنے کو وہ آستان نہیں
 ہے بد مزاجیوں ہنہ تو اپنی نثار جان
 ہے یہ ابھی جائے شکر کہ وہ مہربان نہیں

زاری و بے قراری و خواہزی و بے کسی
 قسمت اگر یہی ہے تو کیا کیا کہاں نہیں
 گھڑتے ہیں ہوں تو سینکڑوں باتیں ، مگر وہاں
 چپ ایسے بیٹھتے ہیں کہ گویا زباں نہیں

اپنے عروعر حسن سے دل دار ہے جہاں
 اپنے تو وہم کا بھی گزارا وہاں نہیں
 گھر میں بساؤ کر کے جو بیٹھے تو خود بخود
 بولے کہ ”ایسے وقت میں وہ بدگمان نہیں“

اخفائے راز مائیں مائی و سے ہوا
 کچھ آج بزم وصل میں رنگینیاں نہیں
 پایا جو شکوہ منج بھی دردِ داغ کا
 بولے کہ ”جسم ہر تو ترے کچھ نشان نہیں ا“

بے پادہ مستجاب ہیں تو بے ساز وجد ہیں
 طالبِ سبب کا یہ دل وحشت نہاں نہیں
 کیوں برق اس طرح سے ٹڑپتی ہے دم بدم
 شاید نظر میں اس کی سرا آئیاں نہیں

دل لے لیا ، لیا : طلبِ جان ہے تو غیر
 کچھ اتنی اتنی باتوں کی پروا یہاں نہیں
 اک جامِ مے میں اور ہی عالم دکھا دیا
 کیوں کر کہوں : ”عنایتِ پرِ مفاں نہیں“
 اترا ہے چہرہ اور ہیں آنکھیں جھکی جھکی
 کیا صحبتِ شبینہ کے ظاہر نشان نہیں ؟
 اس کے دہانِ لنگ کی تعریف کیا کرے !
 مجروحِ خوشِ زبانِ نہیں ، لکھہ داں نہیں

(۱۰۷)

نقصِ نکالیں گے مہمِ کابل میں
 وہ اگر آگئے مفاہیل میں
 فرطِ شوخی سے وہ نظر نہ پڑے
 آئے بھی اور نہ آئے محفل میں
 ہو جو ہمت تو سب کچھ آسان ہوں !
 دقتیں ہیں جو کلرِ مشکل میں
 دیکھ کیفیتِ گدائے مفاہیل
 کشیدہ سے ہے دستِ سالل میں
 وہ اور آئیں مری عبادت کو ؟
 یوں کہو ، یہ بھی آگئی دل میں

دام کا کل میں خاک ہو آرام
 ہو ب میں جکڑا ہوا سلاسل میں
 وہ کریں میری یاد ! کیسی یاد ؟
 نام میرا ہے فردِ باطل میں
 وہ تو منڈی ہے سرخوشوں کی
 کیوں نہ چمکھٹ ہو کوئے قاتل میں
 نہ رہے دوستانِ عشرتِ کوش
 کون دھومیں بھائے محفل میں ؟
 وہ تو رہنے نہیں ہیں ، ہر ہر دم
 درد رہتا ہے ان کا اس دل میں
 روئے تاباں کے رشک سے تاسع
 جلتی رہتی ہے شمعِ محفل میں
 سن کے حالِ مصائبِ مجروح
 اپنے لو چوٹ لگتی ہے دل میں

(۱۰۸)

لے کے دل اور تم کو کام نہیں
 نہ تو سچ ہے ، کچھ اتہام نہیں
 میں تو بدنام ہوں ، ولے صاحب !
 تم بھی کچھ ایسے لیک نام نہیں
 گر نہ ہو شورِ حشر ہا السداز
 باقرب رکھتا وہ خوش غرام نہیں

کیوں نہ الفت کو اب سلام کروں
وہ تو لیتے مرا سلام نہیں

دلِ ناعاقِ شنو کے شکوے ہیں
آپ سے تو مرا کلام نہیں

حالِ اہترِ مریضِ غم کا ہے
صبح گر بچ گیا تو شام نہیں

نکمِ نیمِ دمِ دمِ دمِ دم
اک ہی لطفِ واپس تمام نہیں

کہوں کہ قاتل ہو جنہرِ ابرو
تیرے شراب ہے اور نیام نہیں

جان کر دی تارِ پہلے ہی
ناشنو آپ کا غلام نہیں

سچ ہے یہ بات ، بیچ ہے وہ دہن
ہم کو بھی اس میں کچھ کلام نہیں

سرو سامانِ ہم نہیں ہوتے
اب اگر بادہ ہے تو جام نہیں

اپنی ہٹ کا وہ ہے بہت پورا
ہم یہ اک جوڑ لاکام نہیں

بادہِ خواری کا شغل اے مجروح
گلے سے ماچے ہے اب مدام نہیں

(۱۰۹)

غضب ہیں قہر میں، جور و جفا میں
 مزا ملتا ہے انت کی ہر ادا میں
 شبِ وصلت بھی بے کاش نہیں ہے
 گزرتا جاتی ہے ہر وقت التجا میں
 وہ خود اچھے نہیں، غیروں کا کیا ذکر آ
 ہمیں ہے بحثِ اصلِ مدعا میں
 سنا کیا قالہٗ سرخ گرفتار
 کھٹک سی ہے دلِ درد آشنا میں
 ہمیں غلّی آگیا، آنے ہی چھوٹکا
 بدکس کی بوٹے دل کش تھی صبا میں ؟
 دمر شمشیر ہر اس کا گزر ہے
 چلو، گر چل سکو، راہِ وفا میں
 جفا و جور کیجئے، فکر کیا ہے ؟
 ابھی تو ٹھیل ہے روزِ جزا میں
 وہ رہتے ہیں انہیں فکروں میں دن رات
 کہ تو ایجادِ ہولِ طرزِ جفا میں
 نہیں تنہا، عدو شاید ہیں ہم راہ
 وہ لذت ہی نہیں آوازِ ہمارا

ذرا دیکھو کہ وہ ترچھی نکلیں
 چلیں ڈوبی ہوئی شرم و حیا میں
 نہایت عشق کی بھی دیکھ لیں گے
 اگر بیچ جانے کی جاہ ابتدا میں
 اب ان کے جلوہ بہم نہیں ہیں
 ہوئی ترمیم کچھ ناز و ادا میں
 اچٹ کر آ پڑی غیروں سے ہم ار
 یہی جوہر تو ہے تیر جفا میں
 کیا پابند زلف پار، مجروح
 پھنسا ہوا تم نے دل کو کس ہلا میں ؟

(۱۱۰)

دلِ سوزاں میں کیا آئے ہوئے ہیں
 کہ کل کی طرح مرجھائے ہوئے ہیں
 ٹپکنی ہے شرارت چٹولوں سے
 وہ گو ظاہر میں شرمائے ہوئے ہیں
 کھلے بالوں سے کب بچتا ہے کوئی
 غضب کا جال پھیلانے ہوئے ہیں
 وہ دیوانے کوئی نکلتے ہیں گھر میں !
 مزے صحرا کے جو ہائے ہوئے ہیں
 عذو کے گھر سے باب آنے میں ہر چند
 سنبھلتے ہیں یہ گھبرانے ہوئے ہیں

لگائی سننے سے دل لے اڑیں گی
 یہ عیار ان کے بھجوانے ہوئے ہیں
 ستم ہے اس میں ساق کا نہ ہونا
 غضب کے ابر کچھ چھائے ہوئے ہیں
 نہیں پروانے گردِ شمع بھرتے
 مگر عقل میں وہ آئے ہوئے ہیں
 نہ ہو کیوں تیز بھو پر آتشِ قہر
 رقیبوں کے وہ بھڑکانے ہوئے ہیں
 مزاج گسوٹے بُر خم ہے ابروم
 جو آپی آپ بل کھائے ہوئے ہیں
 تعجب زا سنا یہ حالِ مجروح
 کہ وہ آج آپ میں آئے ہوئے ہیں

(۱۱۱)

دل میں قنوت ، جگر میں تاب کہاں
 اب وہ پہلا سا اضطراب کہاں
 وہ سہائے ہوئے ہیں نظروں میں
 اپنی آنکھوں میں جائے خواب کہاں
 آنکھ نرگس کی خوب ہے لیکن
 ہائے وہ چشمِ نیم خواب کہاں !
 دل ہی سمجھے ہے کچھ ٹوٹ کو مری
 برق کو لطفِ اضطراب کہاں

اس انقلاب شعار کو ہم دم
 غط تو لکھوں ، مگر جواب کہاں ؟
 وہ نگاہیں بھری ہیں شوخی سے
 اس میں گنجائشِ حجاب کہاں
 تم ہو بے مثل ، سچ تو ہے صاحب
 ظلم میں آپ کا جواب کہاں !
 یہ ہجوم نگہ کا پردہ ہے
 رخِ روشنی ہم سے نقاب کہاں
 ات کو ہے ربطِ غیر سے یکساں
 وہ پگڑیا کہاں ، عتاب کہاں ؟
 کج ادائی یہ سب ہمیں لک نہیں
 اب زمانے کو انقلاب کہاں
 ربطِ غیروں سے کس طرح توڑیں ؟
 یہ لڑاکت سے ات کو تاب کہاں
 درِ مے خانہ یہ رہا مجروح
 آپ جاتے ہیں ، اے جناب ، کہاں ؟

(۱۱۲)

جانا زبیں ضرور تھا اس جلوہ گاہ میں
 ہم دیرو کعبہ چھوڑ کئے دونوں راہ میں
 اس نے ملائی آنکھ نہ گھر میں نہ راہ میں
 کیا کیا سبک ہوا ہوں عداوت کی لکھ میں

تنہا ہی ہم کو چھوڑ کے حضرت کھسک گئے
 ایذا یہ پائی خضر نے الفت کی راہ میں
 جب بوسہ لے لیا تو نہیں گالیوں کا رنج
 تعذیر محو ہو گئی ذوقِ گناہ میں
 بکھرے ہیں پھول ادھر تو دھرے ہیں ادھر کو جام
 ہے بوئے عطرِ نئے تری خواب گاہ میں
 انسان تو کیا ہے ، چاہ کو دیکھو کہ آج تک
 اک دیدہ بُرا آب ہے بوسہ کی چاہ میں
 ہے تیغ اک جہان کا ستھراؤ کر دیا
 کس سانکھن سے آئے ہیں وہ قتل گاہ میں
 ٹھکرا بس اب لہ لہتہ ہشر کو پر گھڑی
 بیٹھا ہے آگے وہ ترے قد کی پناہ میں
 صوفی نہ خالقہا میں ، نہ رند دیر میں
 جمع ہے اک جہاں کا تری جلوہ گاہ میں
 ہیں چشم کی عدو سے ، اثر تک اسے نہیں
 کیوں کر کہوں کہ سحر ہے ان کی نگاہ میں
 لہاز اب ہے کس قدر وہ جفاے مدام پر
 نزدیک اس کے یہ بھی ہے داخلِ بے باہ میں
 فردوس میں تو اس کے کہیں چھاؤں بھی نہیں
 جلوے بنا رہے ہیں جو اپنی لگاہ میں
 لانتظوا نے خود لبِ گویا کیے عطا
 ورنہ زبانِ لال بھی عذرِ گناہ میں

کبوت بار بار ان کی خوشامد کریں کہ اب
 امید ہی نہیں دل حسرت ہنسا میں
 شکوے کو ان کے روزِ جزا تک کہاں رکھوں
 سوراخ پڑ رہے ہیں دلِ دادِ خواہ میں
 اب خانہٴ رقیب میں جانا محال ہے
 تم لو بسے ہوئے ہو ہاری لنگہ میں
 یہ کہیے روزِ آفتہٴ تازہ کہاں سے آئیں
 بھرتی وہاں تو رہتی ہے پردہٴ سیاہ میں
 صیادِ دل فریب کی طرزِ لکھ تو دیکھو
 بے دام سب اسیر ہوئے صیدگاہ میں
 توفیر بھی اگر ہے تو بیگانگی کے ساتھ
 آنکھوں پہر وہ رکھتے ہیں مجھ کو لنگہ میں
 وان جان کر گدا کوئی ہر سائب نہیں مرا
 کیا لطف ہے جو گزرے اسی اشتباہ میں
 اپنی تو خاک ہو گئے نہ خاک آبرو ہوں
 ہیں ہائمال غیر سدا تیری راہ میں
 مجروح کہیے ، میں نہ ہنسوں بولوں نہ بہ کے ا
 تم تو سدا رہو گے اسی آہ آہ میں

(۱۱۳)

یہ جو چمکے سے آئے بیٹھے ہیں
 لاکھ لسنے اٹھائے بیٹھے ہیں

وہ نہیں ہیں تو درد کو ان کے
 سینے سے ہم لگائے بیٹھے ہیں
 یہ بھی کچھ جی میں آگئی ہوگی
 کیا وہ میرے بھانے بیٹھے ہیں ؟
 تذکرہ وصل کا نہیں خیال
 وہ بھی کچھ لطف ہائے بیٹھے ہیں
 عجب کو سارا ہے ، ہر خجالت سے
 وہ بھی گردن جھکانے بیٹھے ہیں
 رنگ جتنا ہے ہاں نہ آنے کا
 یعنی مہندی لگائے بیٹھے ہیں
 عجب کو محفل میں دیکھ کر بولے :
 ”آپ ہاں کیوں کہ آئے بیٹھے ہیں ؟“
 حیر ہو ، ہیں ہکاڑے کے آثار
 کچھ وہ منہ کو ہنائے بیٹھے ہیں
 غم ہمیں کھا رہا ہے تو کیا غم !
 ہم بھی تو غم کو کھائے بیٹھے ہیں
 زد میں گر ہے عدو ، تو ہو ، وہ تو
 کھات عجب ہر لگائے بیٹھے ہیں
 کھوٹے جانے کا اتنے دھیان نہیں
 کچھ تو ایسا ہی ہائے بیٹھے ہیں
 شرم سے ہیں وہ لاکھ پردے میں
 گو سرے پاس آئے بیٹھے ہیں

شمع ساق گو گھلے ہی جاتے ہیں
 اس سے پر لولہ لگائے بیٹھے ہیں
 اس کلی میں ہمارے نقشِ قدم
 ہم بھی ہاؤں جہائے بیٹھے ہیں
 ہونہ اے شمع حسرت پر نازاں
 وہ بھی غفل میں آئے بیٹھے ہیں
 شوخیان خود ہی پردہ دران کی
 کیوں وہ منہ کو چھپائے بیٹھے ہیں؟
 فردِ باطل مسجد کے دنیا کو
 نقشِ ہستی مٹائے بیٹھے ہیں
 کیا ہے اس خوش خرام کی آمد؟
 فتنے جو جائے جائے بیٹھے ہیں
 طور جس آگ نے جلا ہوا تھا
 ہم وہ دل میں چھپائے بیٹھے ہیں
 چشمکیں غیر سے دکھا دیں گے
 ہم بھی آنکھیں لڑائے بیٹھے ہیں
 لا اہالی غرام ہے مجروح
 وضع کسی بنائے بیٹھے ہیں
 کل تقدس مآب مسجد تھے
 آج رندوں میں آئے بیٹھے ہیں

(۱۱۴)

جگر پرستہ نہیں ، آہ شعلہ تاب نہیں
 کچھ آج کل تب فرقت کو انتہا نہیں
 نہ ہو ، اگر رخِ دل دار ہر نقاب نہیں
 یہاں حجاب سے نظارے ہی کی تاب نہیں
 کسی زمانے میں سو بحرِ خوب بھاتی تھیں
 یہ آنکھیں ، جن میں کہ اب دیکھنے کو آب نہیں
 تری وفا سے قلابِ کہاں تلک ہوگی
 ہماری حسرت و ارباب کا کچھ حساب نہیں
 وہی رقیب سے یکساں ہے اس کو ربطِ نہاں
 ہماری ضد سے زمانے کو انقلاب نہیں
 تم ان کے دینے میں اتنا دریغ کرتے ہو !
 یہ گالیاں کوئی منصب نہیں ، خطاب نہیں
 تمہاری تنگ دہائی ہم حرفِ آئے کا
 سوالِ غیر کا دینا کبھی جواب نہیں
 فروغِ حسن نے ہوشیہ کر دیا اس کو
 ہماری دید کا مائع ٹرا نقاب نہیں
 لگاؤ دل کا نہ ہو جائے خلق پر ظاہر
 یہ مصلحت ہے جو وہ ہم سے بے حجاب نہیں
 وہ ہم سے آنکھ ملائیں ، کہاں یہ ان کو دماغ
 میں ان کو پاس بلاؤں ، یہ مجھ میں تاب نہیں

شبِ فراق میں اندوہ ، رنج ، بے تابی
 ہمارے پاس ہے سب کچھ یہ ایک خواب نہیں
 ہمیں وہ چاہئے والوں میں اب نہیں گتے
 وہ بات بات یہ جھڑکی نہیں ، عتاب نہیں
 وہ یادِ غیر میں ہیں محو ، ورنہ کیا باعث
 کہ میرے پاس ہیں اور ان کو اضطراب نہیں !
 وہاں جو آنے کا واعظ ! وہ خاک ہائے گا ؟
 تمہاری بزم میں ساق نہیں ، شراب نہیں
 وہ خندہ تمکیم کا مذاق کیا جائے !
 ابھی رقیب کا ہجر اب سے دل کباب نہیں
 یہ جس یہ گزری ، وہی جانتا ہے اے مجروح
 کہ دل لگی سے فزوں تر کوئی عذاب نہیں

(۱۱۵)

اس سے رہتی جو چار آنکھیں ہیں
 آلتِ روزگار آنکھیں ہیں
 وہ جو آیا تو ہم سمجھ کر خواب
 ملنے کیا بار بار آنکھیں ہیں
 شے کے سرخ سرخ ٹوڑوں سے
 بار کی لالہ زار آنکھیں ہیں
 گل کھلانے ہیں اشکِ غوں نے
 رگِ اہر چار آنکھیں ہیں

دیکھنا اس کا چھٹ نہیں سکتا
 اس میں بے اختیار آنکھیں ہیں
 کھینچے جاتے ہیں وہ تو کیوں ان کا
 کھینچتی انتظار آنکھیں ہیں
 شورِ محشر دبا دیا جس نے
 اس کی وہ فتنہ کار آنکھیں ہیں
 رہتی ہیں میرے حال پر گریباں
 اپنی تو غم گسار آنکھیں ہیں
 اک نظر ہی سے کر دیا بے خود
 نہر وہ گہر غبار آنکھیں ہیں
 عقل والوں کو کر دیا بے خود
 اس کی وہ محرکار آنکھیں ہیں
 کل عارض کے اس کے دور ہی سے
 لوثی کیا ہمار آنکھیں ہیں
 خود وہ نازک ہے ، بوجہ کیوں کہ اٹھی
 پڑتی اس پر ہزار آنکھیں ہیں
 ابک ہل بھی نہ کر اسے دیکھیں
 ہوتیں کیا بے قرار آنکھیں ہیں
 دل کو دیتا ہے کوئی ہٹ دیکھے
 عشق کی اصل کار آنکھیں ہیں
 جلوۂ خاص سے نہ رکھ محروم
 کب سے امینوار آنکھیں ہیں

گرد پھرتی ہیں یسار کے مجروح
یعنی ہوتی نثار آنکھیں ہیں

(۱۱۶)

مگر کام میرا ادا دیکھتے ہیں
خوشی سے وہ آ آ کے کیا دیکھتے ہیں
عزیزوں کو نا آشنا دیکھتے ہیں
زمانے کی بے لعل ہوا دیکھتے ہیں
نسا خواں انہیں لہیر کا دیکھتے ہیں
یہی دیکھتے ہیں سو کیا دیکھتے ہیں
گئی قتل پر بھی نہ تاثیر ہجراں
ہیں اب نین سے سر کو جدا دیکھتے ہیں
فنس تک بھی لا بونے گل ، ہم تو اپنا
ہوا غمواہ تجھ کو صبا دیکھتے ہیں
نشانِ بوسہٗ غیر کا ہے لبوں پر
سمِ آلود آبِ بقا دیکھتے ہیں
نہیں رنج کھانے کی اب دل میں طاقت
طبیعت بہت ہمدرد دیکھتے ہیں
وہ حصے سے آئینہ کیوں کر نہ توڑیں
کہ اپنا سا اک دوسرا دیکھتے ہیں
نہیں کوئی دلیہا میں الفت سے خالی
کہ پتھر کو آہٹ رہا دیکھتے ہیں

گلے مارے سے جا ، غضب مارے قاصد
اس الفت میں کیا کیا مزا دیکھتے ہیں

بظاہر تو آثار ہیں دشمنی کے
لکھیں مگر مہرِ زار دیکھتے ہیں

نہیں ان کا ثانی مگر اس جہاں میں
وہ بن بن کے آئینہ کیا دیکھتے ہیں !

کیا عشق ، اور دل نے کہا نہ سانا
اسی کی تو حضرت سزا دیکھتے ہیں

حسینوں کی توقیر دیکھو کہ عاشق
ولہا کر کے اب کی جفا دیکھتے ہیں

کسی سے یہ ہے وقت ملنے کا شاہد
وہ مڑ مڑ کے اس وقت کیا دیکھتے ہیں !

جو انسان تھے وہ گئے ، اب تو ہر سو
کچھ حیوان انسان ہما دیکھتے ہیں

نہیں وجہ خواہش سے کچھ دل کی طالب
نقطہ وہ مرا حوصلہ دیکھتے ہیں

نہیں مجھ سے گلے لگاؤ محبت
مگر ہاں وہ ہو کر غفا دیکھتے ہیں

نہیں دل رہا اپنے قابو میں ، ہم تو
سری راہ سے دل رہا دیکھتے ہیں

کریں خاک اس وقت میں عرضِ حاجت
الہیہ پہلے ہی ہم غفا دیکھتے ہیں

لٹی کیا ہے مجروح کی رونِ صورت
یوں ہی اس کو غم گین سدا دیکھتے ہیں

(۱۱۷)

ان کی باتوں پہ لہ جاؤ کہ یہ کیا جانتے ہیں
یہ تو بیٹھے ہوئے سوتے اٹھا جانتے ہیں
ہو لہ ہرجائی ، یہ کہنا ہے غرض پر محمول
اصل مطلب تو ہے کیا ، اور وہ کیا جانتے ہیں
خود وہ بد ہے جو کسی اور کو کہتا ہے برا
لیک وہ ہیں جو بروں کو بھی بھلا جانتے ہیں
چارہ کر سکتے ہیں کچھ مردہ دلوں کا بھی مسیح ؟
یہ تو مافا کہ وہ مردے کو جلا جانتے ہیں
حسی کی میری کسی نے تو بہت اترا کر
ہنس کے بولے کہ "اے آپ ہی کیا جانتے ہیں ؟"
ہیں جو مشغولِ عباراتِ رفیع و محکم
کیا قیام اپنا ہیں اہلِ فنا جانتے ہیں ؟
ہم کو وہ سر پہ بٹھاتے ہیں ، لہ کر اپنا خیال
یہ تو ذکرِ ان کا ہے جو قدرِ وفا جانتے ہیں
ہوئے گل لائی ہے تو یار کی "سو کے بدلے
اس ٹری چھڑ کو ہم یادِ صبا جانتے ہیں
غیر اور یار سدا رہتے ہیں چسپاں باہم
کہوں یہ سب عرض ہے جوہر کو جدا جانتے ہیں

یہ نئی بات ہے ، ہم اس کے لبِ شیریں پر
 رہتے ہیں اور اے آبِ بقا جانتے ہیں
 بن بلائے جو وہ آ جاتے ہیں پر شب ہم دم
 کیا وہ سچ سچ مرے لالوں کو رہا جانتے ہیں ؟
 عرضِ حاجت یہ یہ کہتے ہیں کہ ”کیا حاجت ہے ؟
 تیرے مطلب کو تو ہم مجھ سے سوا جانتے ہیں“
 ہائے قسمت ! وہ رہیں جان کے لبِ ہوا پر دم
 جن کے انفاس کو ہم روحِ فزا جانتے ہیں
 قتل کرتے ہیں کسی کو تو کسی کو ہمال
 اور اس بات کو سیدھی سی ادا جانتے ہیں
 ہے ہر اک شخص کسی بات سے آگاہ ضرور
 کوئی مجروح ہے ہوجھو کہ ”یہ کیا جانتے ہیں ؟“

(۱۱۸)

عجائبِ خاطرِ دل دار ہوں میں
 سبک جتنا ہوں اتنا بار ہوں میں
 زمانہ اہلِ غفلت سے ہے لبریز
 رہوں تنہا اگر ہشیار ہوں میں
 دمِ رقتن جو اس بُہشت نے ٹوکا
 کہا فتنے نے : ”ہاں بیدار ہوں میں“
 نہ ہونے سے مرے وہ خوش ہے شاید
 شکستِ خاطرِ اغیار ہوں میں

بڑھا دیتا ہوں ہم جنسوں کا رتبہ
مثالی نقطہ گو بے کار ہوں میں

رقیبِ روسیہ مجھ سے حذر کر
الچہ ہٹنے میں زلفِ یار ہوں میں

تامل سے مجھے دیکھو تو جہانلو
کہ اک گنجینہٴ اسرار ہوں میں

رکھوں چشمِ شفا اس چشم سے کہا
وہ کہتی ہے کہ خود بیمار ہوں میں

مجھے کس چین سے رکھتا ہوں دل میں
غمِ جاناں ترا غمِ خوار ہوں میں

وہ ہا ناؤک ہیں یوگی گل سے ، پھر کیوں
پہا جاتا دمِ وقار ہوں میں ؟

نہیں زندہ تو مردہ بھی نہیں ہوں
ہلاکِ چشمِ جادوکار ہوں میں

کہوں کس طرح سے میں ان کو اے جاں !
کہ اپنی جان سے ہزار ہوں میں

حقیقت ہی نہیں کھلتی ہے میری
عجب اک عقدہٴ دشوار ہوں میں

نہیں مجروح شاہی کی محنت
غلامِ حیدرِ کتار ہوں میں

(۱۱۹)

خرابی خواہ وہ ہیں ، شاد ہوں میں
 اجڑنے کے لیے آباد ہوں میں
 لہ چھوٹوں کا کہ رنگیں بال و ہر سے
 پسند ، خاطرِ صیاد ہوں میں
 شہر شیریں میں دے دی جان شیریں
 نثارِ ہمتِ فریاد ہوں میں
 جگہ میری ہے کیوں ہر اک کے دل میں
 مگر اس بے وفا کی یاد ہوں میں
 لگاؤ مند نہ مجھ کوئے کی مانند
 سراپا نالہ و فریاد ہوں میں
 رموزِ عشق کیا مجنوں سے پوچھوں
 کہ ان باتوں میں خود استاد ہوں میں
 جہاں کے شادی و غم درگزر کر
 ملول اس سے نہ اس سے شاد ہوں میں
 مجھے پوچھا ، جہاں خنجر کو دیکھا
 اے بھولا نہیں ہوں ، یاد ہوں میں
 سبھی سے بول تو ہے سہر و محبت
 لفظ اک موردِ یسار ہوں میں
 ہوائے غیر اے ہر دم ہے مجروح
 بھلا پھر کس لیے یسار ہوں میں ا

(۱۲۰)

دکھ دیے جاؤ، ینان گریز نہیں
کیا بٹے نادرست خیز نہیں

حسرتیں خام ہیں، یہ لالہ گرم
ہیں تو آتش یہ خاک تیز نہیں

دور سے غالہ بند ہے شاید
آج آوازہ بریز نہیں

استخوان ایک بھی نہیں ایسا
خرب علم سے جو ریز ریز نہیں

اب تو کچھ اور ہی لگا رہی ہیں
وہ لگہ ہائے لطف خیز نہیں

ذبح کرتا ہے قاتل بے رحم
اُس چہری سے مجھے جو تیز نہیں

کوئے جاواں میں کیا نہیں پہنچی
جو صبا آج عطر بیز نہیں!

کہے ہے آج کیا کہ مجھ سے بھی
گرم ہنگامہ ستیز نہیں

لوگ خواہانِ ابر ہیں مجروح
کیا تری چشم اشک ریز نہیں؟

(۱۲۱)

کھٹکا رہا سحر کا شبِ وصلِ یار میں
 بادِ خزاں نے لطف نہ رکھا بہار میں
 ملتی ہے اس کی وضع زس خوںے یار میں
 آئے نہ کیوں مزا ستر روزگار میں
 ہڑردہ دل کدورتِ ایام نے کیا
 آئینہ اٹ رہا ہے یہ گرد و غبار میں
 سوزِ دروں نے مجھ کو کیا نخلِ آتشیں
 شعلے بھرے ہوئے ہیں سرے برگ و بار میں
 میں ہوں وہ نخلِ تازہ بستانِ آرزو
 جس کو ہے باغبان نے کاٹا بہار میں
 ازسکہ تیرِ آہ کا ہر دم رہا گزر
 سواخ ہڑگئے سرے سنگِ مزار میں
 صحرِ چمن ہے ، یار ہے ، لا جلد ساقیا
 کلکول شرابِ ماعصر مینا لکار میں
 ان کی مدد ہے دہلے خونِ نابہ ریز کو
 جو خون ہیں عسرتیں دلِ اسدوار میں
 آئے ہیں اس کے دہر یہاں تک کہ ہم
 اپنے کو آپ بھول گئے انتظار میں
 دل کو کہاں یہ تاب کہ وہ کم ہو ساقیا
 آپ بقا ملا نہ مٹے خوشگوار میں

رکھتا نہیں وہ پاؤں زمیں پر ، یہ سچ تو ہے
 سر عاشقوں کے فرش ہیں اس رہ گزار میں
 شیطان کا اس کو جال بچھایا ہوا سجدہ
 دل مت پھنسا جہان کے نقش و نگار میں
 ہوتا نہیں ہے بدن کا کوئی عضو بے ہدی
 آتش میں جو جلن ہے وہی ہے شرار میں
 کب، دیکھوں، چاک چپ سے فرصت ملے ہمیں
 دستِ جنوں کا دھیان ہے ایک ایک تار میں
 سیلاب و برق میں ہوئی جس سے کہ یہ تڑپ
 وہ اصل سادہ ہے دل بے قرار میں
 گل سے تو لاکھ مراتبہ بہتر ہے رونے ہار
 بلبل یہ کیا ہے میں تو یہ کہہ دوں ہزار میں
 ہر ایک جانتا ہے کہ مجھ پر نظر پڑی
 کیا شوخیماں ہیں اس نکتہ محرکار میں
 مجروح کیوں یہ لکر ہے ؟ ہوگا وہی ضرور
 جو کچھ کہ ہے شہیت پروردگار میں

ردیف و

(۱۲۲)

جیسے سائی درِ عرشِ معلیٰ دیکھو
 زالرو! آؤ، مدینے کا یہ رہتا دیکھو
 روضہ پاک شہِ یثرب و بطحا دیکھو
 خاص جو طور میں تھا پاں اسے ہر جا دیکھو

لبِ اعجازِ یاب کو نہیں دیتا جنبش
 سامنے آپ کے آدابِ مسیحا دیکھو
 مجلسِ خواجہ ہلالِ لب ہے ، آؤ ، بیٹھو
 پر فرشتوں سے بھی خالی جو کوئی جا دیکھو
 خانہٴ کعبہ میں کیا ہے جو مدینے میں نہیں ؟
 سامنے آنکھ کے پردہ ہو تو پھر کیا دیکھو
 فخر وہ جانتا ہے رہ بری پُرب کو
 آپ آ جائے گا ، کیوں خضر کا رستا دیکھو
 لعلِ نور کی ہے چہرۃ النور میں جھلک
 تابِ دیدار اگر لاؤ تو موسیٰؑ دیکھو
 دیکھنا نورِ مجسم کا اگر ہو منظور
 جا کے پُرب میں خرچِ شہِ والا دیکھو
 گر ہو وا چشمِ بصیرت تو درِ حضرت پر
 میرے ہم راہ فرشتوں کو جبینِ ما دیکھو
 واہ ، کیا خوب ، مقابل میں درِ حضرت کے
 خلد کو لائے ہیں ، لو اور تماشا دیکھو
 طوطیا جان کے آنکھوں میں لکاتے ہیں ملک
 رتبہٴ خاکِ درِ سیدِ والا دیکھو
 چاہتا ہے درِ حضرت یہ جھانے آنکھیں
 دلِ گستاخ کی یہ اور تماشا دیکھو
 تم طلبِ کارِ جنان ہو تو مدینے میں رہو
 چیتے چیتے یہ درِ خلدِ جہان وا دیکھو

ہے صفا خیز زیں لطفِ ہوائے یثرب
 راز جو دل میں نہاں ہیں انہیں پیدا دیکھو
 سنگ ریزوں کی جگہ بکھرے درِ حضرت پر
 گہرِ لاجِ سرِ قیصر و دارا دیکھو
 گلشنِ روضہٴ اقدس میں ہسانِ بلبل
 روزِ مجروح کو تم زمزمہ پیرا دیکھو

(۱۲۳)

نویدِ اس ہے اہلِ جہاں کو
 ہمیں ہے ضد ہے اب تو آہاں کو
 تمہیں گر خوش زباں ہوتا ہے صاحب
 تو لو منہ میں ذرا میری زباں کو
 بجا ہے اک جہاں کعبے کا مشتاق
 نہیں دیکھا تمہارے آستان کو
 فلک پر آپ کو کہہ دیجئے ہے جیل
 جلا کر میرے خارِ آشیاں کو
 سے کس کام کا ہے بختِ خفتہ ؟
 اے رشوت میں دوں گا ہاتھیاں کو
 نقطہ اک دوست داری میں تمہاری
 کیا ہے ہم نے دشمن اک جہاں کو
 ہنسی لٹھیا نہیں میرا تڑپنا
 ہلا دوں گا زمین و آہاں کو

عنانِ عزمِ دستِ شوق میں ہے
 کہوں میں کیا کہ جاؤں گا کہاں کو
 زلیخا کی کشش کب چھوڑتی ہے
 بس اب آیا ہی سمجھو کارواں کو
 جو بوسہ ، قیمتِ دل کی ، تو بولے :
 ”غریبے کون اس جنسِ گراں کو !“
 اٹھانا رات دن ہمارِ نراکت
 بہت مشکل ہے اس نازک مہاں کو
 نہ دیکھا ہو جو سہرِ شبنم آلود
 تو دیکھو اس کے روئے رخِ فشاں کو
 نہ اٹھا نام تک میرا نکلیں سے
 یہ اٹھنا ہمار ہے مجھ لائوٹوں کو
 نظر آتے ہیں آج آثارِ بے ڈھب
 بلاتے ہیں وہ ہر دم رازداں کو
 سدا بھٹکا کہے ، آئے تو اس دم
 جب آتش لگ رہی تھی آسمان کو
 کہاں دل تھا ، جو مجھ بے دل سے لیتے
 بربہ ہی تہمت لگی ہے دل ستاں کو
 میں اپنی خانہ برہادی سے غوش ہوں
 کہوں گا ان سے : ”اب جاؤں کہاں کو ؟“

ہوا ہے آج بابِ لیلیٰ کا مذکور
 نہ پہنچی یہ خبر اس بدگیاں کو
 کہیں دن رات بھی رہتا ہے در بند ؟
 بس اب چپ ہو ، نہ کھلواؤ زیاں کو
 برا ہو جذبِ دل تیرا ، کہ تُو نے
 کیا ہے چین اس آرامِ جاں کو
قطعہ

جہاں میں شہرۂ نامِ آوری ہے
 نہیں ہے شوقِ عزالتِ بیشکاں کو
 وہ عتقا کو بھی ہیں یہ نام دھرتے
 کہ "نام اس نے کیا کھو کر نشان کو"
 جو اس کا روکنا ہے تم کو مجروح
 نہ روکو دیدۂ دریا فشاں کو

(۱۲۲)

کس سے تسکینِ دلِ ناشاد ہو
 ان کو گو بھولیں تو کس کی یاد ہو !
 دلِ رہائی کو تو سکھلانے تمہیں !
 تم تو ان باتوں کے خود استاد ہو
 کچھ نہیں لذت پرانے جور میں
 اب تو ظلمِ لو کوئی ایجاد ہو
 ہم کو بے کھٹکے نہیں رہنا ضرور
 دامِ رہ میں ، گھات میں عیاد ہو

میرے ہونے میں ہلایا غیر کو
تم تو صاحب جامع امداد ہو

غیر دل کو گر نہیں دیتا ، نہ دے
میں بجا لاؤں جو کچھ ارشاد ہوا

ہے غزوب تلوار سے زخمِ زبان
نامحو ا تم بدتر از جلاد ہو

غیر سے کرتے ہو بوسوں کا سلوک
مجھ سے مفلس کی بھی کچھ امداد ہو

پہلے کچھ آئے تھے جواب آؤ گے ا
جھوٹے وعدوں سے کوئی کہا شاد ہو ؟

حسرت دیدار کٹ جانے مری
تیز ایسا خنجر فولاد ہو

ہائے شیریں میں اگر مہندی کی جا
کیا عجب خونِ سر فرہاد ہو

ایک جا پر چین سے بیٹھا تو ہے
کیا کرے گرمِ مرغِ دل آزاد ہو

تارکِ الفت ہوں ، اب پھر دیکھیے
اس کے منہ دیکھیے یہ کیا روداد ہو

توہا ہوا مجروح ، ہر اتنا نہیں
جس کے مرنے کی مبارک باد ہو

(۱۲۵)

اگر ہے ہر سر مہر آہاں ، ہو
 کبھی وہ بھی تو ہم پر مہرباں ہو !
 سلا دیتے یونہی کچھ ہاں میں ہاں ہو
 زبان ہو پر خدا جانے کہاں ہو
 تمہارا شکوہ اور میری زباں ہے ؟
 معاذ اللہ ! کتنے بدگیاں ہو
 علاج دردِ دل ممکن ہے لیکن
 زبان کو بھی جو بارائے یہاں ہو
 وہ ہے اپنا ہی گلزارِ ممنا
 جہاں فصلِ بہاری میں خزاں ہو
 لکھوں گر اضطرابِ دل کا مضمون
 تو بے قاعد کے خط اپنا رواں ہو
 ہمیں شکوہ ہے اک یسدادگر کا
 اب اس میں آپ ہوں یا آہاں ہو
 نہیں ملتے ہو ، ہر ہو مطلبِ دل
 اگر ہو بے وفا ہر میری جاں ہو
 عجب جا ہے جہاں عشق بازی
 جہاں نام و نشان جا کر نشان ہو
 یہ بے ہر غار ، غارِ دل سے خوش ہے
 اسی سے تا بنائے آہیاں ہو

باری تلخ کالی کو نہ کھویا
 یونہی ، کہنے کے تم ، شیریں زباں ہو
 زمین و آسمان کی برہمی کو
 کھارا حسن اور میری نساں ہو
 قطعہ

دل ایسے شوخ ہر فن کا ہے طالب
 شرارت جس کے چہرے سے عیاں ہو
 ٹپکتی ہو عداوت چٹونوں سے
 حیا کچھ نیچی نظروں میں نہاں ہو
 مجھے مجروح کیا دیر و حرم سے
 یہ سر ہو اور اس کا آستان ہو

(۱۲۶)

سانس بھی لیں نہ ، جس کا یہ گڑ ہو
 وہی آئینہ رو مکدر ہو
 ایسے دل کو فراوان کیوں کر ہو ؟
 جو کہ ٹسکیں سے اور مضطر ہو
 نہ سہی لطف ، گر پسند نہیں
 ہم کہیں گے کہ تم ستم کر ہو
 منتظب ان کے لاز ہوں کیوں کر
 ایک سے ایک جب کہ بہتر ہو

وہی آئے نہ موت ، پھر کہے
دل کو آرام ہو تو کیوں کر ہو ؟

لطف تب آئی رنگ رلیوں کے
غنجہ ماں جب کہ مشت میں زر ہو
کیوں مزا لیں نہ ان کی لکت سے
گند ہو اور پھر مکرر ہو

میں ہوس ہشہ اور وہ مغرور
ہو تو صحبت ہزار کیوں کر ہو !
صحن گلزار ، باد گلزار
ہے غنیمت اگر میسر ہو

وان ملاقات کیا نہیں ، جس جا
آپ بے دل ہو ، یار دل پر ہو
اس لیے ہی تو چھیڑتے ہیں اسے
انہی جاسے سے تاکہ باہر ہو
اک سرد مزاج ہے بھڑوچ
خوش کوئی اس سے خاک مل کر ہوا

(۱۲۷)

دل درد آشنا دیا ہم کو
لو ، دیا بھی تو کیا دیا ہم کو !
فلک کج خرام نے آخر
خاک ہی میں ملا دیا ہم کو

ایک جلوے نے اس پری رو کے
 اور عالم دکھا دیا ہم کو
 اپنی فرت کی دیکھ مناعی
 غم کا پتلا بنا دیا ہم کو
 بعد مدت پڑی یہ طرزِ خوشی
 حالِ بد نے پسا دیا ہم کو
 یان تو دریا کشی کے دعوے تھے
 اک لکھ نے چھکا دیا ہم کو
 یار و اعداء میں تھے ہمیں پردہ
 آخر اس نے اٹھا دیا ہم کو
 سجے کے دھوکے میں ہائے ساقی نے
 آپِ حیوان ہلا دیا ہم کو
 ہم گھٹائے وصل تھے کس کے ؟
 کیوں فلک نے مٹا دیا ہم کو ؟
 اس قیامتِ حرام نے، ہے ہے !
 پھر دوبارہ جلا دیا ہم کو
 کیا تصور نے سحر سازی کی
 اس کو جھٹ پٹ دکھا دیا ہم کو
 ایک دو اٹک خون بہا اے چشم
 تو نے دھبا لکا دیا ہم کو
 ناسہ بر نے جواب کے بدلے
 خط کے ہرزوں کو لا دیا ہم کو

اللہ ! اللہ ! ہستی کے سزے
 عیشِ سرمد بھلا دیا ہم کو
 ہم تک آ جانے کس طرح عشرت
 گردِ غم نے چھپا دیا ہم کو
 لاکھ ہستی سے دہر میں مجروح
 اک غضب میں پھنسا دیا ہم کو

(۱۲۸)

کام واپ کیا حصول اپنا ہو
 ہو یہ دھڑکا جہاں کہ اب کیا ہو !
 کیا عجب ہے کہ عقدہ خاطر
 کثرتِ ہستی سے خود وا ہو
 دل کھچا کھچ بھرا ہے رنجوں سے
 آسرت ! اگر تری جا ہو
 اس سے ہے صادرِ زمانہ عقیم
 کیوں کہ پھر قدر دان پیدا ہو !
 حال ابتر مریضِ لحم کا ہے
 اب تو مر جائے یہ ، تو اچھا ہو
 سہی کس کس اسجد کی کیچے !
 آدمی ایک ، اس سے کیا کیا ہو !
 مرگ سے پھر بھلا ایسے کیا ہو
 جو جدائی میں روز مرقا ہو

سن کے کہتے ہیں ذکرِ حور و ہری :

”ایسا لاؤ جو کوئی ہم سا ہو“

کیوں کو اس مہر حجاب کو دیکھوں ؟

آگے آنکھوں کے جب کہ پردا ہو

وہ تصور میں ہیں یہ نر ہے یہی

کہیں اس کا نہ سب میں چرچا ہو

تم یہ کیوں اک جہان مرتا ہے ؟

یہ تو سانا کہ تم مسیحا ہو

جان و دل سے ہیں وہ الگ رہتے

کیوں نہ لاکھروں سے پردا ہو ؟

کار سازی ہو تا کجا مجروح !

تم تو سرتا بہ ہا کھتا ہو

(۱۲۹)

اس کے جو جو کہ نواید ہیں خود دیکھتے جاؤ

سچ کہا ہے یہ کسی نے کہ ”ہو اور ہلاؤ“

ضبط سرکار میں ہونے کے لیے چھوڑ نہ جاؤ

خوب ہی کھاؤ زر و مال کو اور خوب اڑاؤ

تم میں اور غیر میں جو شب کو ہوش ہے صحبت

خود کہے دیتا ہے وہ آپ کی آنکھوں کا جھکاؤ

پٹھنے کے خیم قابل یہ سرائے ویران

ہاں سے توشے کے اٹھانے کے عوض ساؤ اٹھاؤ

میں ہوں غمور ، مجھے تاب کہاں ، ہاں ساق
 صاف ہو ، درد ہو ، جلدی سے جو مل جائے تو لاؤ
 نہیں نیاز کو تکلیف زیادہ دہتے
 اپنی آنکھوں کو سرے سامنے اتنا نہ جھکڑ
 دل میں آ بیٹھیے اور سیرِ دو عالم کیجیے
 ہے بہت دور کا اس منزلِ ویراں سے دکھاؤ
 منہ سے کر بات نکل جائے تو آت آ جائے
 چو کہیں ، چپکے سنے جاؤ ، زبان کو نہ ہلاؤ
 میں کہاں ، اور کہاں رات کا آنا ، پر ہاں
 تیرے گھر سے تو بہت غیر کے گھر کا ہے لگاؤ
 اکٹڑے جاتے ہیں قدم ، دیکھ وہاں کی رنگت
 اپنا اس در پہ ہوا ہے نہ کہیں ہو کا جاؤ
 دل کی آبادی کی اب فکر ہے بالکل ناحق
 اب تو باں روز ہی ہوتا ہے سہ غم کا ہڑاؤ
 بعد اک عمر کے گر عرضِ محنا کیجیے
 وہ بگڑ کر یہی کہتے ہیں کہ ”ہاں ہی نہ ہناؤ“
 کرچہ یہ جھوٹ لٹا ہے ، ولے ہے دلچسپ
 کہتے ہیں : ”اپنی کہانی مجھے تم روز سناؤ“
 ہوں اگر اس کے عوض نیم ننگہ کا خواہاں
 ہنس کے کہتے ہیں : ”کچھ قیمتِ دل اور گھٹاؤ“
 اولِ عشق ہے ، دل کب ہے سمجھنے والا
 ابھی زوروں پہ ہے اس بحرِ پر آت کا چڑھاؤ

حال یہی کہتے ، اگر ہوش ٹھکانے ہوتے
 یاں تو حیرت ہے کہ تم ، اور مجھے بوجھنے آؤ
 دم ٹکٹے کا الم کس سے سہا جاتا ہے
 حرف تم جانے کا اے جان زباں ہی یہ نہ لاؤ
 ان کو تو پاس محبت نہیں اصلاً ، لیکن
 نبہ سکے تم سے اگر حضرتِ دل اور نبھاؤ
 زخمِ ہجران کی، نہیں اور تو دنیا میں دوا
 منسل وصل کے مرہم سے تو ہوتا ہے یہ کھاؤ
 کب اے دیدۂ تر دعوتِ ہم چشمی ہے
 آٹھ آنسو نہ تم ابرِ بہاری کو رلاؤ
 ان کے آنے کے تصور میں یہی کہتا ہوں :
 ”اے شبِ وعدہ! نہ ہو صبح ، وہ کرتے ہیں بناؤ“
 واں کہت ہی نہیں ، کیا جنسِ وفائے جاںیں ؟
 ان کی سرکار میں اک جور و ستم کا ہے بناؤ
 اب ہو مجروح محبت سے بہت گہرائے
 ہم تو پہلے ہی یہ کہتے تھے کہ ”دل کو نہ لگاؤ“

(۱۳۰)

تم یہ کیسے بلند ہمت ہو
 ایک ہونے پہ لاکھ حجت ہو
 حق سے کیا ہو دو کون کے طالب
 کیا وہ مانگیں جو ننگِ ہمت ہو

ہم اے دوستی نہیں کہتے
 عذر کرنے کی جس میں حاجت ہو
 وہ پری رو نہ کیوں ہو ہرجائی
 آدمی ہو تو آدمیت ہو
 کارِ مشکل ہو کس طرح آماں
 جب کہ اپنا قصور بہت ہو
 بے صغیر کے تو دل نہیں لگتا
 ہم نے سنا کہ باغِ جنت ہو
 سہر کیوں آج دل میں آیا ہے
 اس سے کہہ دو کہ یاں سے رغبت ہو
 میرا مرنا سنا جو اس بُت نے
 ہنس کے بولا : "فریقِ رحمت ہو"
 وہ مجھے جان کر جلاتے ہیں
 شیر سے تاکہ گرم صحبت ہو
 کام آتا نہیں طباقِ سامہ
 ماہ ، اس کا ماقہ و قنات ہو
 عاشق ہے یہ کوئی کھیل نہیں
 آشنا لب سے کیوں شکایت ہو
 بے تک ہے یہ شرمگین رہنا
 کچھ تو معشوق ہیں شرارت ہو
 خود بھی جا کر ملوث تو کہتے ہیں :
 "تم تو مجروح بے مروت ہو"

(۱۳۱)

نہیں ممکن کہ وصلِ جالان ہو
 یہ وہ مشکل نہیں جو آسان ہو
 دیکھوں پھر کیوں کہ منہ چھپاتے ہیں
 گر وہ برقِ سرا گریبان ہو
 خوب کے آسو وہیں رلانے فاک
 گر سرا زخمِ دل بھی خندان ہو
 دل بھی کیا ہو گیا ہے اس کی زلف
 آپ ہی آپ جو پریشان ہو
 آدمی کیا، جو چوٹ کھائے نہیں
 شیشہ دل، شکست سامان ہو
 دو ہوں خوش دل، یہ ہو نہیں سکتا
 گل جو خندان تو ابر گویاں ہو

قطعہ

تشنہ ہوں اور یہ حکمِ بہت ہے
 تھ نہ کیجو گر آبِ حیاں ہو
 ہے اگر تجھ کو آبرو رکھنی
 تو کسی چیز کا نہ خواہاں ہو

قطعہ

علم سے خالی وہ کس طرح بڑھے
 جس کے دل میں پھرا یہ ارمان ہو

یارِ سادہ ہو اور بظیرِ سادہ
 وجد کرنے کو صحنِ بستان ہو
 سامنے ہو صراحی و ساغر
 ساقِ بزمِ جرعه افشان ہو
 لحنِ دل کش سے مطربِ مہ و ش
 دل کا خواہاں ہو، جب غزلِ خواں ہو
 ہے غرض یہ کہ خاطرِ عاشق
 لبِ ہوشادان جب اتنا سامان ہو
 طبعِ آزادہ کب ہو منت کش
 کس کو پھیلانے جب نہ دامن ہو
 سمجھو اس بت کے بیچ کیا مجروح
 تم تو سیدھے سے اک مسلمان ہو

(۱۳۲)

سمجھا ہے وہ اپنا مارِ رشکِ قمر کو
 کیوں صدقے میں وہ اپنے نہ دے دیں گلِ تر کو
 میں جانتا ہوں چھپ کے وہ جاتے ہیں جدھر کو
 پتھروں کا میں اک دن قمری دزدیدہ نظر کو
 ہم وصل میں بھی اس کی نہیں نکر سے خالی
 مضمون کی طرح ڈھولنے پھرتے ہیں کمر کو
 ایسی جو کئی جلد، پتیں ہے شبِ وصال
 دامن سے بندھا لاتی گریبانِ سحر کو

اس کوچی میں اس واسطے بستر ہے لگایا
 لاخدا سے مرے بندہ کوئے روزانہ دے کو
 بازارِ محبت کی رہ و رسم ہے الٹی
 ترجیح وہاں لفع بہ دیتے ہیں غرر کو
 دنیا کے طلب کار ہوئے، دین کے بدلے
 جاتا ہوں کدھر، اور مجھے جانا ہے کدھر کو
 خالی تو نہ جانے کا یہ پھروں کا لکھنا
 ہم سے تو کہو آج ارادہ ہے کدھر کو؟
 تب جائیں گے حدت تری، اے مہرِ قیامت
 تو خشک جو کر دے گا مرے دامنِ ترک کو
 خوش دیکھ کے ان کو جو رکھا ہاتھ بدن پر
 کس لازم سے بولے کہ ”مرے پاس سے سرکو“
 تہر و غضب و خشم ہے واں پیرور پر کار
 وہ عیب سمجھتے ہیں عنایت کی نظر کو
 کب ملتی ہے تاریکی بے حد میں کوئی چیز
 کس طرح شبِ ہجر میں ہم ہالیں سحر کو
 مطلب کی کوئی بات نہ تاملند سے نکالو
 ہے حکمِ رقیبوں کو نہ تم پاس سے سرکو
 غیروں کی تو کثرت ہے، نہ ہو میرا ٹھکانا
 آباد خدا رکھے ہمیشہ ترے گھر کو
 وہ آنکھ ہی چلی سی نہیں ہے تری، بے دید
 میں ٹاڑتا رہتا ہوں سدا طرہ نظر کو

وہ آئیں شبِ وعدہ، سجدہ میں نہیں آتا
بجروحِ تم آراستہ کیوں کرتے ہو گھر کو ا

ردیف :

(۱۳۳)

خاتمِ البیاء رسولؐ اللہ
نائبِ کبریٰ رسولؐ اللہ

روئے انور دکھا رسولؐ اللہ
سارے جھکڑے چکا رسولؐ اللہ
جس بھل سے غش ہوئے موسیٰؑ
ہے اسی کی ضیاء رسولؐ اللہ

خود ہمدؐ ہے مشتاقِ محمود
کیا ہے نامِ خدا رسولؐ اللہ
حق کو ہمدالشیر دو عالم سے
تھا فقط مدعا رسولؐ اللہ

ہو گیا دو جہاں میں بیڑا ہمار
صدق سے جب کہا : ”رسولؐ اللہ !“
دل ہے مشتاقِ جنتِ دنیا
اپنا روضہ دکھا رسولؐ اللہ

یابِ کسے ہے بھالِ گستاخی
ہے حبیبِ خدا رسولؐ اللہ

خود خدا جس پہ بھیجتا ہے درود
وہ ہے صلّ علیٰ رسول اللہ
کہوں نہ عالم میں نور دیں چمکے
ہادی ، اور آپ سا ، رسول اللہ !
سہر تملتا ہے روشنی کے لیے
آپ کی خاکِ پا رسول اللہ
نہ ہوا ہے ، نہ ہوگا عالم میں
آپ سا کوئی پا رسول اللہ
حکمر اہزد ہے ہر سہارے کے
جانب سے برتر ہو یا رسول اللہ
ہمے بھروسہ ہر دایم
نگہِ لطف پا رسول اللہ !

(۱۳۴)

ساتھ ہو کس طرح لبِ معجز نما کے ساتھ
حضرت کو کچھ لگاؤ نہ تھا ماسوا کے ساتھ
اب حد سے بڑھ گئیں دلِ بے خود کی جرأتیں
یہ ، اور اس کو عشق ، حبیبِ خدا کے ساتھ !
ذوقِ جہاں و شوقِ خیال و امیدِ ہمار
کتنے ہجوم ہیں دلِ ہنگامہ زا کے ساتھ !
ہوقِ نظرِ زخارفِ دلیائے دوں پہ کیا
تھا آپ کا تعلقِ خاطرِ خدا کے ساتھ

وہ در ہو اور یاس ! خیالِ بحال ہے
 یان خود لگاؤ ہیں اثر کو دعا کے ساتھ
 دوزخ کا کچھ ہراس نہ کچھ جرم کا خیال
 ہم ہولے ہیں شائعِ روزِ جزا کے ساتھ
 بھٹتا تھا رہ میں معجزۂ عیسوی کا فرش
 جب آپ آئے اس لبِ معجز نما کے ساتھ
 بوب جنگلوں میں خاک اڑانے سے فائدہ
 کیوں ہولے نہ خضر مرے رہنا کے ساتھ ؟
 سر پہوڑیں کیوں نہ رشک سے کتر و بیانِ عرش
 میری جبین کو عشق ہے اس نقشِ پا کے ساتھ
 جس کو درِ حضور پہ جانا ہو جلد تر
 ہولے وہ ایک دم مرے شوقِ رسا کے ساتھ
 بیٹھے ہو کیوں غموش ؟ لیے جاؤ نامِ پاک
 آتا ہے دل کو چین مرے اس مدا کے ساتھ
 ذرے کو مہر ، خاک کو زرد ، چاہو سو کرو
 الحق رضائے حق ہے کھاری رضا کے ساتھ
 لسترِ شکن سدا ہو شمرِ آلِ مصطفیٰ
 کچھ چھوڑ سی رہے دلِ درد آشنا کے ساتھ
 اچھے مراد بخش کا تاسا درِ عطا
 یثرب کو ہم چلے دلِ حسرتِ فضا کے ساتھ

۱۔ دونوں نسخوں میں ”بھٹتا“ ہے جس سے مصرع ساکت الوزن ہو جاتا ہے ۔

اس میں اسیرِ وحی کو یگانگی سی ہے
 ہیں خاص نسبتیں جو لیں کو خدا کے ساتھ
 اللہ و مصطفیٰ سے جدائی نہ جاننا
 یاب ہے وہی ظہور ولیکن غفا کے ساتھ
 مجروح کی دعا ہے کہ ہنگامِ احتضار
 بہ جان لکھے لعرۃ یا مصطفیٰ کے ساتھ

(۱۳۵)

لعنوں کے زورِ جانِ زار سے ہوچہ
 مرض کی سختیاں بیمار سے ہوچہ
 اے سو مرتبہ لاقی ہیں یاب تک
 مری بے چینیوں کو بار سے ہوچہ
 وہ شاید وعدہ یاب آنے کا کرلے
 ارے قاصد ، ذرا تکرار سے ہوچہ
 ہمارے خاک میں ملنے کا باعث
 کسی کی شوخیِ رفتار سے ہوچہ
 جدائی کے الم ، وصلت کے آرام
 وہ مجھ سے ہوچہ ، یہ اغیار سے ہوچہ
 ہلکے دل کیا سننے سے کس جا
 یہ حال اس چشمِ جادوکار سے ہوچہ
 دلِ خونی کا جو کچھ ساچرا ہے
 وہ میرے دیدہ خونِ ہار سے ہوچہ

دلِ عاشق کو الجھالنا ہے کیوں کر
 یہ حال اس طرۂ طرار سے ہوچہ
 مے و ساقی سے کیا واقف ہے زاہد
 یہ کیفیت کسی مے خوار سے ہوچہ
 کوئی کیا حسرتِ جاوید جانے
 یہ اس کے طالبِ دیدار سے ہوچہ
 نمکِ داں اس دہانِ تنگ کا دیکھ
 اور اس کے لطفِ مجھِ انکار سے ہوچہ
 حیا میں لاکھ شوخی کا برتنا
 کسی کی چشمِ جادوکار سے ہوچہ
 عجب لکھتے ہیں عشق و عاشقی کے
 تو اس کے واقفِ اسرار سے ہوچہ
 کسی کے لشتِ مڑکاو کی کاوش
 دلِ مجروح ، جانبِ زار سے ہوچہ

(۱۳۶)

چھپ کے میں نے نہ پھر دکھایا منہ
 کھل گیا خواب میں جو اس کا منہ
 میں نے بوسہ کیا طلب ، تو کہا :
 ”دھو تو رکھو ذرا تم اپنا منہ“
 ہے اک عالم کو دیکھنے کا شوق
 عید کا چاند ہے تمہارا منہ

غیر ہے ؟ دل کہیں لکا بیٹھے !
 کیوں ہے اترا ہوا تمہارا منہ ؟
 آنٹے سے نصیب ہیں کس کے
 دیکھ لیتا ہے روزانہ کا منہ
 بات تک بھی کہیں نہیں کرتے
 تم نے کیا سی رکھا ہے اپنا منہ ؟
 کہیں زلفوں کو دل نہ دیں اپنا
 بیچ میں ہوئے، گر تمہارا منہ
 اس کا منہ دیکھنا نصیب ہوا
 صبح دیکھا تھا آج کس کا منہ !
 لپٹیں لگتی ہیں روزِ آہوں کی
 شبِ غم کا نہ کیوں ہو کالا منہ
 برق الہی نظر میں کوئد گئی
 کس نے غم سے یہ نکالا منہ
 ساری محفل کی کچھ رخی دیکھی
 اک فقط تھا ہمیں تمہارا منہ
 اس کی محفل میں بے بسی سے کل
 نکسا مجروح تھا ہر اک کا منہ

ودیفی

(۱۳۷)

شبِ معراجِ شاہِ انس و جان ہے
 بہت اترے یہ آسازانِ آہاں ہے

حبیبِ خاص کی ہے آمد آمد
 خدا اس دم نہایت شادمان ہے
 سواری میں براقِ برق رفتار
 غضب کچھ گرم 'خیزی' سے روان ہے
 جلو داری میں خود ناموس اکبر
 ندائے طوقا سے تر زبان ہے
 وہ خوشبوئے سن زارِ رسالت
 معطر ساز گلزارِ جنان ہے
 عبیر آگینِ اطباقِ مہاوات
 کھلا غلہِ برہم کا عطر دان ہے
 ہوئی ہے روشنی اس شب میں ایسی
 کہ ظاہر دل کا سب راز نہاں ہے
 تجلی زار ہے سرتا سر خاک
 ہر اک فرمے سے مہر و مہ عیاں ہے
 قرنم ریشویِ مرغابِ جنت
 ندائے غیرِ مقدم کا نشان ہے
 بچے ہیں زیرِ ہا بالِ ملائک
 اور اوپر نورِ حق کا ساکبان ہے
 مگر ہو پہلے اقدس سے سرائواز
 اسی حسرت میں فرقِ فرقِ دان ہے

شرف ہے غم ، غم المرسلین پر
 پہلا کس کا ہوا یہ عز و شان ہے !

وہ خواہاں ، جس کا اک عالم ہے خواہاں
 وہ طالب ، جو کہ مطلوبِ جہاں ہے

خدا جس کی کرے خود میزبان
 کہو کیسا معزز مہاں ہے

ہوا ثابت یہ معراجِ نبیؐ ہے
 کہ واں کوئی نہیں ہے ، وہ جہاں ہے

لدائے قرب توی : "نزدیک آؤ
 یہیں نویں کی دوری گراں ہے"

کری درگاہ میں بھروسہِ حزیں کی
 یہ عرض اے رہ نمائے اس و جان ہے

مدینے اس کو پہنچا دے کہ کب ہے
 بھٹکتا یہ عباورِ لائواں ہے

(۱۳۸)

بشر کا کس کو حضرتؐ پر گمان ہے
 خدا کا نور پردے سے عیاں ہے

قدم رکھا ہے اس کے در پہ شاید
 مرے ہاؤں کے نیچے آسماں ہے

ہیما کرتا ہوں اوصافِ ہمد
 خدا گویا مرا ہم داستان ہے

ہمدٰ افتخارِ مرسلط ہے
 ہمدٰ پیشوائے انس و جان ہے
 وہ ہے علمِ لدنی کا مفسر
 وہ اسرارِ خدا کا ترجیاں ہے
 وہ ہے دنیا کی ہدائش کا باعث
 وہ آدمؑ کا چراغِ دودساں ہے
 ہے ان دونوں کا باہم نفی و اثبات
 ولا ہے اس کے ایمان توامان ہے
 ہوا کرم اس کا بازارِ شفاعت
 پتا اب جنسِ عصیان کا کہاں ہے ؟
 شجر سے لیا حجرِ ساجد ہیں اس کے
 وہ عیدیت میں معبودِ جہاں ہے
 نہیں ہے لرق احمدؑ اور احد میں
 فقط اک میرِ مظہرِ درمیاں ہے
 یہ ہے نسبت اے ذاتِ خدا سے
 کہ وہ پتاں ہے، یہ سب میں عیاں ہے
 ہوا ثابت یہ ہدائش سے اس کی
 خدا بندوں پہ اتنے مہرباں ہے
 کہوں کیا خوبیِ شکرِ مبارک
 کہ اس پر لازِ خلاقِ جہاں ہے
 جہیں ہوگی فرشتوں کی اسی جا
 نشانِ پا کا اس کے یہ نشان ہے

قدم رکھیں گے دوزخ میں نہ ہرگز
اگر ہائے مبارک درمیاں ہے

یہ سب اس کی صفات ظاہری ہیں
حقیقت سے کوئی واقف کہاں ہے

ہیں اس آرام میں یثرب کے ساکن
کہ ان کو خلد میں چانا گراں ہے

فرشتے کیوں نہ آنکھوں میں لگائیں
سدینے کی یہ گردِ کارواں ہے

مگر ہو قصر شوکت تک رسائی
تیر ہائیاں سرِ وہم و گمان ہے

جب اس پر روضہٴ اقدس کو دیکھا
تو سرمایہٴ زمیں سے آساں ہے

قطعہ

عشیر حوصلہ لازم ہے اس کو
یہ سدحِ شاوِ گردوں آستان ہے

اے کیا لہولہے ہو لامکن ہر
خیال اس دم خدا جانے کہاں ہے

بشر تو کیا ، ملائکہ سن رہے ہیں
یہ نعتِ سرور دیب کا یہاں ہے

خطر کیا مہرِ محشر سے ہے ان کو
جنہیں اس کے ولا کا سائبان ہے

اغثنی ، یا رسول اللہ اغثنی ا
 جنت رجبوں میں جانِ ناکوان ہے
 ہے اُس میں یاد ، اِس پر نامِ احمدؐ
 وہ دل کا شغل ، یہ وردِ زباں ہے
 وہ اسی ہے مگر قلبِ مصفا
 علومِ لاتناہی کا مکان ہے
 کہہ گاری ہے کیوں ڈرتا ہے مجروح ؟
 تسرا مولا شفیع انس و جان ہے

(۱۳۹)

یہ روزِ مولدِ سلطانِ دہی ہے
 یہ دنِ عیدِ سرورِ مومنی ہے
 قدم اس کا ہوا زینتِ درِ خاک
 کہ جس کے زیرِ پا عرشِ برہی ہے
 ہوا پیدا وہ نامِ آورِ جہان میں
 نبوت کے جو خاتم کا لگیں ہے
 ہوا طالع وہ خورشیدِ جہان تاب
 کہ جس کے نور میں سایا نہیں ہے
 وہ چمکا نور اس ظلمتِ سرا میں
 جو اوچرِ قرب کا سارِ مہی ہے
 ہوا برتو لکنت وہ نورِ ایزد
 کہ جو ظلمت زدائے کفر و کیں ہے

بڑھائی ہائے اقدس نے یہ عزت
 کہ وشکِ عرشِ مکّے کی زمیں ہے
 یہی ہے چار سو مکّے میں آواز
 کہ اب خوبیِ دو عالم کی یہیں ہے
 وہ کشافِ حقائق ، جس کی ہر بات
 تسلی بخیرِ ازہابِ یسّٰی ہے
 وہ اہرِ فیض ، جس کی ذاتِ اقدس
 ہمارے اول و نخلِ یسّٰی ہے
 برائے غسلِ لاہا آبِ جنت
 یہ وجہِ نیازِ روحِ الامّٰی ہے
 ہمیشہ کحلِ ما زاغ البصر ہے
 مکحلِ چشمِ اعجازِ آفریں ہے
 نہیں کیا کچھ خدائی میں خدا کی
 مگر اک آپ کا ثانی نہیں ہے
 رسالتِ ذکرِ وحدت میں ہے مدغم
 جہاں حق ہے مجدّ بھی وہیں ہے
 وظیفہ ہے یہی شیطان کا ہر دم
 کہ احمدؑ رحمۃ اللعالمین ہے
 خدا سے دیکھیے نسبتِ نبی کی
 یہ رحمت ہے وہ ربّ العالمین ہے
 خدا غفار اور احمدؑ ہے مختار
 ہمیں اب خوفِ محشر کا نہیں ہے

بھلا میں کون اور کیا میرے نصیب
 مرا سولا شفیع العذلیں ہے
 ننگہ لطف ہو سولا کی اب تو
 بہت مضطر دل اندوہ گین ہے
 چلو مجروح اب سولا کے در پر
 کہ خوبی دین و دنیا کی وہیں ہے

(۱۴۰)

کیا کہوں میں کہ کیا مجدؑ ہے
 ایک نورِ خدا مجدؑ ہے
 محفلِ قرب کی خبر کس کو
 وارِ تو اللہ یا مجدؑ ہے
 یہ فقط نقصِ دید ہے ورنہ
 کیا خدا سے جدا مجدؑ ہے
 کس کو باریک بیناں اتنی
 کون سمجھے کہ کیا مجدؑ ہے
 عبدِ اصنام کیوں نہ دشمن ہوں ؟
 دوستِ اللہ کا مجدؑ ہے
 عامیانِ سنیم کو سزدہ
 کہ شفیع السوراء مجدؑ ہے
 ہو نہ کس طرح زندہ جاوید
 ذاتِ حق میں فنا مجدؑ ہے

اس سے جھلکے ہے نورِ ہزدانی
 جوہرِ حق نما محمدؐ ہے
 اور بھی گو ہوئے خلیل و کلیم
 ہر حسیبِ خدا محمدؐ ہے
 مستدبانہ کام فرما ہے
 خضرِ راہِ ہدیٰ محمدؐ ہے
 میرے دل کے لگیں یہ اے مجروح
 نفسِ صلِ علیؑ محمدؐ ہے

(۱۴۱)

محمدؐ نورِ ذاتِ کبریٰ ہے
 خدا سے کم ہے اور سب سے سوا ہے
 بجز احمدؐ یہ کس کا مربیٰ ہے
 کہ ہر اک پیشوا کا پیشوا ہے
 وہ بحرِ فضل ہے اس کا ، کہ جس کے
 ہر اک قطرے میں اک دریا بہا ہے
 وہ اصلِ مدعا ، جس کے سبب سے
 وجودِ آدمؑ و حوا ہوا ہے
 وہ بحرِ نور ، جس کا حسنِ طلعت
 تجلی زلزلہ النوارِ خدا ہے
 وہ شہرِ اعظمِ علمِ الہی
 کہ در جس کا علی مرتضیٰ ہے

نہ جس گم راہ کو ہو حُجبِ حیدر
وہ مردودِ درِ خیرالوراء ہے

مقامِ قرب ہے قوسین اس کا
خدا سے گرجہ ظاہر میں جدا ہے

بدء کہنے ہی آنا ہے آرام
عجب یہ نام بھی نامِ خدا ہے

ہلاک کس طرح ہے اذنِ آئیں
سمجھتے ہیں درِ خیرالوراء ہے

کسی نے کیا لیا نامِ مبارک
لبِ جبریل پر صلِ علی ہے

وہاں ہر مردہ دل ہوتا ہے زندہ
مدینے کی عجب آب و ہوا ہے

نہیں دشوار اب پُثرپ کا جالا
حرکِ شوقِ طاعت آڑا ہے

نگاہِ لطفِ یاسِ مولا، کہ مجروح
سمہارے در کا اک اذنیٰ گدا ہے

(۱۴۲)

درِ خیرالوراء یہ جا جلدی
باعِ جنت کو دیکھ آ جلدی

تیز رو کرچہ ہے شمال و صبا
ہاؤں ان سے بھی کچھ اٹھا جلدی

ہاؤب چلے میں گر کریں سستی
 سر سے لیے الٹے کارہا جلدی
 درِ سرور پہ جہہ ساقی کی
 کر رہے ہیں ملائکہ جلدی
 لطیف

شب معراج کا نہ ہو چھو حال
 ملے ہوا کیا یہ مرحلا جلدی
 آہاں پر براق برق نسب
 نگہ تیز سے کیا جلدی
 اور ہنگامِ واپسِ حضورؐ
 اس نے چلے سے کی سوا جلدی
 گرم بستر ہی تھا کہ آ پہنچے
 اس سے بس ہوگی اور کیا جلدی ؟
 مضطرب ہوں بساں قبلہ نما
 مکہ دکھلانے اب خدا جلدی
 ذلِ مجروح ہو نشاط آباد
 گر بر آئے یہ مدعا جلدی

(۱۴۳)

جس سے اے خیرالوراء دیکھا تجھے
 جز خدا سب سے سوا دیکھا تجھے
 پشوائے خلق و بحور ہادی حق
 سب میں اور سب سے جدا دیکھا تجھے

حشر میں ، جنت میں ، مابین صراط
حکم فرما جا رہا جا دیکھا تجھے

شاد بادا اے خالدہؑ ہاک رسولؐ
بھٹو وحیِ خدا دیکھا تجھے
تو نہ ہوتا گر تو پھر ہوتا ہی کون ؟
ہامتِ ہر دو سرا دیکھا تجھے

اے خوشا بختِ رسا اس چشم کے
جس نے اے شمس الضحیٰ دیکھا تجھے
کب جمے برقِ بجلی ہر نظر
کس نے اے نورِ خدا دیکھا تجھے !

کیا ہی یزدانِ خوش ہوا معراج میں
ہاس جب بیٹھا ہوا دیکھا تجھے
واہ وا اے خاکِ ہائے مصطفیٰ
سارے دردوں کی دوا دیکھا تجھے

نورِ اول میں ، رسالت میں اخیر
ابتدا و التہا دیکھا تجھے
جمع تھے انصاری میں سارے انبیاء
وان بھی سب کا پیشوا دیکھا تجھے

۱۔ اصل نسخے میں یہ لفظ موجود نہیں ہے ۔ نسخہٴ وحید میں یہ
مصرع مکمل ہے ۔

(۱۴۴)

آقا علیؑ ، مطاع علی ، مقتدا علی
سولا علی ، اسام علی ، ہشوا علی

چاکِ خسامِ عرصہ گہ لا فتی علی
سلطانِ اولیاء ، شیرِ خپرکشا علی

اللہ رہے نامِ مرتضوی کا علوئے قدر
اعلیٰ کے اسمِ پاک سے مشتق ہوا علی

طوفانِ حادثات سے اے دل نہ فکر کر
اس بحرِ غم سے ہار ہوا بکہہ کے: "یا علیٰ"

کیا فکر اس کو دشمنِ روبہ خصال کا
آقا ہو جس کا شیرِ خدا مرتضیٰ علی

کیا ہو چہنی ہو اس دلِ الفت پسند کا
مقصد علی ، مرام علی ، مدعا علی

ہوتا ہے جب مصیبتِ عظمیٰ کا سامنا
مے اختیار منہ سے نکلتا ہے: "یا علیٰ"

اکسیر کی امید میں کیوں خاک چھالے
لے لیجیے نہ خاکِ درِ مرتضیٰ علی

سرتاجِ اولیاء اے کیوں کر نہ جانے ؟
تہا بحرِ معرفت کا دُرِ بے ہا علی

ظاہر میں ہے وہ پیکرِ خاکی میں جلوہ گر
باطن میں پر نہیں ہے خدا سے جدا علی

جو دوشِ پاکِ مصطفویٰ پر ہوا سوار
دلِیا میں کون ہے وہ بہز مرتضیٰ علی ؟

قشامِ خدا و نازِ نہ کیوں کر وہ ہو کہ ہے
عشارِ کارخانہٴ ربِّ "علیٰ علی

ظاہر ہو دینِ حق کہ ہوا کفرِ لالہد
پنہاں ہو جلدِ شرک کہ پیدا ہوا علی

اس دشتِ گنجِ راز سے کیا بخششیں ہوئیں
ہے منبعِ عطا و حسابِ مہیا علی

دین میں گناہگار کا وہ ضامنِ نجات
دنیا میں ہستہ کار کا حجابِ روا علی

ہے بزم میں وہ مظہرِ انطافِ کردگار
اور رزم میں ہے مظہرِ قہرِ خدا علی

مجروحِ خستہ جاں کی شب و روز ہے دعا
سننے میں دم ہو اور زبان پر ہو یا علی

(۱۴۵)

گوہرِ تاجِ امنا ہے علیؑ
جوہرِ تیغِ لا قتلی ہے علی

سالکِ کارخانہٴ تقدیر
یا تو غیر الوداء ہے یا ہے علی

وصل وہ حق میں ، اور حق اس میں
خاتمِ سوزِ ماسوا ہے علی

کب گزرتی ہے بے جاں گزرتے
در علومِ رسولؐ کا ہے علی

جہلاء گر بیشک رہے ہیں تو کیا ا
حق شناسوں کا پیشوا ہے علی

اہل دنیا نے خود پرستی کی
یہ نہ سمجھا کوئی کہ کیا ہے علی

ہے یہاں قلبِ دمِ زدن کس کو
لغیرِ پیغمبرِ خدا ہے علی

شیرِ خے دی نجاتِ سلاطین کو
کیوں نہ ہو ، پیغمبرِ خدا ہے علی

آلِ احمدؑ کا جو سفینہ ہے
اس سفینے کا ناخدا ہے علی

غیر کا یہاں گزار ہو کیوں کر
انہی دل میں سا رہا ہے علی

ہے وہ مقصدِ ہزارِ ہر دو جہاں
راست بازوں کا مدعا ہے علی

کارِ ہستہ کا لحم نہ کر مجروح
تیرا مشکل کشا خدا ہے علی

(۱۴۶)

نجف میں رہے ، کربلا میں رہے
 مقاماتِ حاجت روا میں رہے
 رہا سر پہ سایہ درِ شاہ کا
 نصیب سے نذرِ ہا میں رہے
 ہلا سے جو دنیا کی چاہے نجات
 وہ سب چھوڑ کر کربلا میں رہے
 جہاں ہر جگہ ہے تجلیِ طور
 شب و روز نور و ضیاء میں رہے
 جہاں ہے ہر اک ٹونہالِ لبی
 ہم اس گلشنِ جاں نزا میں رہے
 کبھی خیمہ گہ میں ، کبھی صحن میں
 کبھی کنبدِ عرشِ ما میں رہے
 ہوں ان کی فیروں سے قرات مجھے
 سدا جو کہ قربِ خدا میں رہے
 دعا ہے کہ مجروحِ مسکین سدا
 اسانِ شد لا فتی میں رہے

(۱۴۷)

کیا حالِ دل اس شوخِ ستم گر سے کہا جائے
 جو جنبشِ لب دیکھتے ہیں بات کو ہا جائے
 شبنم نہ لہے دیکھ کے غور شد کو ، سچ ہے
 جب سامنے یار آئے تو پھر کیوں کہ رہا جائے

میں جادو ستروک کی مانند ہڑا ہوں
 شاید وہ ادھر بھولے سے آ جائے تو آ جائے

مٹ جانے ابھی کافرو دیں دار کا جھکڑا
 کر وہ رخِ دل کش کو ذرا اپنے دکھا جائے

اس دل ہی نے سب کام ہکاڑے ہیں وگرنہ
 وہ راہ ہر آ جائے اگر صبر کیا جائے

اک پیرِ ستم دہدہ کی آنکھیں سوئے دو ہیں
 کنعان کی طرف دیکھیے کب بادِ صبا جائے

گم کردہ رہِ شوق ہیں ، کیا ساتھ ہمارا
 رہبر سے کہو خبر سے گھر اپنے چلا جائے

انسردہ یہ ہوں ، گوسرِ محفل اسے سمجھوں
 وہ شمع صفت آئے اگر مجھ کو جلا جائے

اب مرنے کی طاقت توڑے بہار میں کب ہے
 اس ضعف میں مشکل ہے کہ دنیا سے اٹھا جائے

دل ، سینہ ، جگر — سب ہوئے وقفِ غمِ دل دار
 کس کس کا بھلا حسرت و السوس کیا جائے ا

میں نے جو کہا چھوڑے : ”گھر چلیے ہمارے“
 کس ناز سے کہتے ہیں کہ ”واں میری ہلا جائے ا“

بھراؤح ، میں خوش ہوتا ہوں ہوں آپ میں آ کر
 اک کھوٹی ہوئی چیز کو جیسے کوئی ہٹا جائے

(۱۴۸)

خوشی سے کب یہاں آنے کی جا ہے
 سرا دل حسرتوں سے بھر رہا ہے
 ولہذا آپ، بندہ بے وفا ہے
 یہ سب صاحب کا فرمانا بجا ہے
 نہ گر کعبے میں ٹھک کر زاہدِ خام
 ابھی آگے کو چل، یان کیا دھرا ہے ؟
 وہ محشر تک رہی ہم دوش تو کیا
 سرا تو شوق کچھ اس سے سوا ہے
 میں دیکھ آیا ہوں سب دہر و حرم کو
 کھسارا شور پر جا ہو رہا ہے
 غنیمت ہے محبوبِ آواز آئی
 اگرچہ لبِ ترائی کی صدا ہے
 دل و جان و جگر — جو چاہو لے لو
 یہاں جو کچھ کہے وہ آپ کا ہے
 یہ اتنی کاہنیں ہیں جس کے باعث
 وہ یوں بھی تو نہیں کہتا کہ ”کیا ہے؟“

قطعہ

وہ مگر ہے زیبِ بخشِ تاجِ خسرو
 ارے فرہاد ! دیوانا ہوا ہے ؟

کہیں شیریں دھری ہے بے ستوں میں ؟
 بول ہی سر ہتھروں سے پھوڑتا ہے
 کسی کووٹ نہیں آرام لیتا
 بسہ دل ہے یا کہ سینے میں بلا ہے ؟
 ٹکلتا ہی نہیں ہرگز وہاں ہے
 مگر کیا غیر بھی مطلب ما ہے ؟
 کسی رہبر کی بات حاجت نہیں ہے
 ہمارا شوق منزل رہ گیا ہے
 خدا حافظ ہے مجروحِ حزب کا
 وہ ان روزوں بہت بے لاسب ما ہے

(۱۲۹)

مزا ہم کو ملتا ہے تکرار سے
 وہ خوگر زیادہ ہوں انکار سے
 میں ظاہر میں ہوں جنسِ کاسد ولے
 مجھے ہوجا میرے خریدار سے
 کسی شکریں لب پہ مائل ہو تم
 ٹپکتا ہے بسہ طرزِ گفتار سے
 گریباں دری ہے بسہ سینہ زنی
 یونہی آج بٹھے ہیں نیکار سے
 نفس میں رہے بسا پھنسے دام میں
 ہمیں کام کیا میرے کلزار سے

ہیچے کا اک روز وہ سنگ دل
انہیں نالہ ہائے شرر ہمارے

ہم ساز و تکبر، خدا کی پناہ !

الجہتے ہیں چلتے میں رفتار سے

اسی طور، اے کاش ! پاں آ پھریں

وہ جس طرح پھرتے ہیں اقرار سے

نہیں شکوہ کم نگاہی ہمیں

وہ معذور ہیں چشم ہمارے

ہر اک لب ہم ہے شورشِ الامان

تسری چشم ہائے فسوف کار سے

چلے آؤ جلدی سے، دیکھے گا کون ؟

سرا دن ہے ہاتھ شبِ ناز سے

وہ اے کاش ہوں میرے ہی قتل کی

صلاحیں جو ہوتی ہیں الحیار سے

کبھی بل گئیں ایک دو گالیاں

وصول اور کچھ بھی ہے سرکار سے ؟

قطعہ

اگر ان سے کہے کہ ”غیروں سے بھی

دمِ بوسہ پیش آؤ انکار ہے“

تو کہتے ہیں ہنس کر: ”ارے کیا کروں ؟

مجھے شرم آتی ہے تکرار سے“

کبھی ان کا تھا آسائے پر دماغ
بہ مجروح پھرتے ہیں جو غوار سے

(۱۵۰)

لجی نظروں کے وار آنے لگے
تو بس اب جان و دل ٹھکانے لگے
میری نظروں نے کیا کہا یارب !
کیوں وہ شرما کے مسکرائے لگے ؟
مصلحت ترک جسور تھا چندے
پھر اسی ہتھکنٹوں پہ آنے لگے
جلوۂ یار نے کیا بے خود
ہم تو آتے ہی ان کے جانے لگے
سب کا کعبہ ہے منزل مقصود
ہم تو آگے قدم بڑھانے لگے
کیا کہیں آمد بہار ہوتی ؟
کیوں گریباں پہ ہاتھ جانے لگے ؟
گر حقیقت نگر ہو چشم ، تو وہ
جلوہ ہر رنگ میں دکھانے لگے
ہم کو ربطِ گزشتہ یاد آئے
وہ جو بن ٹھن کے گھر سے جانے لگے
بس یہی نصیحتِ تصور ہے
ہجر میں لطفِ وصل آنے لگے

اس سراپا بہار کے جلوے
 رنگ کچھ اور ہی دکھانے لگے
 کیوں کہ فرست عدو ہے تم کو ملی؟
 جو تصور میں میرے آنے لگے
 بے غذا کے تو وہ نہیں سکے
 نہ ملا کچھ تو زہر کھانے لگے
 بات بنتی نظر نہیں آتی
 اب وہ باتیں بہت بنانے لگے
 آج مجروح ضبط کر لے سکا
 کیا کرے؟ جب کہ جان جانے لگے

(۱۵۱)

ذبح کر ڈالا مجھے رخسار ہے
 تیرا سر چلتے ہیں وہ قتلوار ہے
 گالیاں دے کر لکالا بزم ہے
 سو وطنہ میل گیا سرکار ہے
 قیمتِ دل تو کہاں ، گر منتِ دون
 تو بھی وہ لیتے ہیں سو لنگرِ ار ہے
 اٹنے شکوے میں نہ کھلواؤ زباں
 خوب ٹپکتا ہے لبِ اظہار ہے
 لبِ تروانی کچھ نہیں ، نفیِ ابد
 چھوڑ ہے اک طالبِ دیدار ہے

آرزوئے قتل میں مرنا پڑا
 رہ گیا شکوہ تری تلوار سے
 چین سے وہ لوگ کرتے ہیں ہر
 جو الگ ہیں کانر و دہندار سے
 یاد اس کی چاہیے ، تفصیل کیا
 دست کش ہو سجدہ و زلار سے
 یاسِ کلی میں ہے صورت چین کی
 تنگ ہوں اس رہبرِ ہر بار سے
 ہے یہی عاشقِ فریبی کی ادا
 آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا ہمار سے
 ضد ہے یہ صیاد کو ، میرا قفس
 پھیر لانا ہے درِ گلزار سے
 آؤ اور بھروح کی دیکھو غزل
 شوقِ تم کو ہے اگر اشعار سے

(۱۵۲)

بھول جھڑتے ہیں زبیں گفتار سے
 عمل اس کی کم نہیں گلزار سے
 دل کو لے لیتی ہے کیا ہمار سے
 العنبر اس چشمِ جادوکار سے
 رشتہ الفت کو بھی گردن کے ساتھ
 کاٹ ڈالو خنجرِ خوبِ خوار سے

بات بھی کرتے ہیں وہ خد سے مری
 کاٹی ہے جو فزوں تلوار سے
 دیں جگہ کس کس کو، جنگل ہے بھرا
 آہلوں کو ربط ہے ہر خار سے
 سب نے دامن غنچہ گل سے بھرے
 ایک خالی ہم چلے گلزار سے
 ہاں سر شوریدہ ہی ٹکرائے
 دل ہے گہرائی دار و دیوار سے
 یہ نمک افشانی میاں گل
 بوجھ میرے دیدہ بیدار سے
 مجھ کو جو آئے ہیں رخصت کر دیا
 وعدہ ملنے کا ہے کیا انہماک سے ؟

لغز

ترک الفت ہے اگر مد نظر
 ہم بھی راضی ہیں بہت اس کار سے
 جو ہمیں منظور ہو سو کہجے
 فائدہ کیا روز کی تکرار سے
 چہت سے مجروح کرتے ہیں ہر
 کون لکھے خالہ خار سے !

(۱۵۳)

نہ کیوں تیرے نظر گزرے جگر سے
 کہیں یہ وار دکتے ہیں سپر سے !

کسی سے عشق اپنا کیا چھپائیں
 محبت لسیکی بڑی ہے نظر سے
 ہوئی ہے ان کی مشتاقوں سے رہ بند
 وہ میرے گھر بھلا آئیں کدھر سے ؟
 بھلا دل کا کہاں ملنا کہ ان کی
 نظر بھی تو نہیں ملتی نظر سے
 مجھے دیوار حیرت نے بنایا
 گیا ہے جھانک کر یہ کون در سے
 کبھی ٹوٹیں ، کبھی صیاد کاٹے
 غرض اڑنا نہیں ہے ہال و ہر سے
 کہاں کی پیروی جب قصد یہ ہو
 کہ آگے بڑھ کے چلیے راہ ہر سے
 نہ کہوایں گے تو یہ ٹوٹے کا آخر
 کہ میں لکرا رہا ہوں سر کو در سے
 لڑائی کا نہ میں توڑوں کا پھر تار
 ذرا سی چھیڑ ہو جائے ادھر سے
 اگر جاتی ہے جاں ، ملتا ہے جاں
 ہمیں تو نفع افزوں ہے ضرر سے
 رہا دل میں نہ ہرگز تیر اس کا
 ہمیں کھٹکا بھی تھا پشتر سے
 سوائے شر نہ کچھ دیکھا مدو سے
 خدا محفوظ رکھے اس بشر سے

ہوا گو ہائمالیہ غیر مجروح
نہ سرکا یار کے ہر زہ گزر ہے

(۱۵۴)

وہ کہاں جلوہ جان بخش پتانِ دہلی
کیوں کہ جنت پہ کیا جانے گانِ دہلی ؟
ان کا بے وجہ نہیں ٹوٹ کے ہوا بر باد
ڈھونڈے ہے اپنے مکینوں کو مکنِ دہلی
جس کے جھونکے سے مہا طلبہ عطار بنے
ہے وہ ہادیہ سحرِ عطرِ فشانِ دہلی
سہرہ زرِ خاک کو کرتا ہے ، بہ سچ ہے لیکن
اس سے کچھ بڑھ کے ہیں صاحبِ نظر انِ دہلی
آئینہ سازِ سکندر ہے تو جمِ جامِ فروش
وسعت آباد ہے کس درجہ جہانِ دہلی
کر کے بر باد ہے ، کس کو ہوائے کافک
کیا کوئی اور بھی ہے شہرِ ہسانِ دہلی ؟
اس لیے خلد میں جانے کا ہر اک طالب ہے
کہ کچھ اک دور سے پڑتا ہے گانِ دہلی
وہ ستم دیکھ چکے تھے کہ رہے آسودہ
قتلہ و حشر میں آفت زدگانِ دہلی
سمجھے ہیں سوئے ادب ، جنتِ ٹالو کہتا
وہ کچھ اشخاص ، جو ہیں مرثیہ دانِ دہلی

سپر پنچہ جلاڑ سم سے ، ہے ہے !
 نذر ہے داد ہوئے مستخبرانِ دہلی
 یا خدا حضرتِ غالب کو سلامت رکھنا !
 اب اسی نام سے باقی ہے نشانِ دہلی
 کربتِ غربت و تنہائی و شب ہائے دراز
 اور مجروحِ دل افکار ، یافِ دہلی

(۱۵۵)

ان آنکھوں نے ایسا جھکایا مجھے
 کہ کچھ ہوش ایسا نہ آیا مجھے
 ہزار آفتوں میں پھنسا یا مجھے
 پہلا آدمی کیوں بنایا مجھے
 نمودِ صوف ہے بھی اور پھر نہیں
 یہ کیا خواب ہے جو دکھایا مجھے ؟
 کوئی مجھ سے بھی جنسِ کاسد نہ ہو
 کہ جس نے لیا ، پھر لایا مجھے
 نہیں بخل کچھ مبدعِ فیض میں
 توجہ کے قابل نہ پایا مجھے
 وہ ، اور مجھ سے اعناء کا شکوہ سنیں ؟
 خیال اس کا پہلے نہ آیا مجھے

۱۔ دونوں نسخوں میں 'جھکایا' ہے لیکن 'چھکایا' زیادہ قرینِ قیاس ہے ۔ مرتب

کہ آنے کو شبِ بختِ عیش میں
 کہا اور سے پر سنایا مجھے
 کیا رشکِ اعداء نے یہ بد مزہ
 کہ آنا بھی ان کا کہ بھایا مجھے
 میں ہوں بیزمِ خشکِ بختِ امید
 چلتا ہے ایسا پرایا مجھے
 کہ تھا دالہ* آرزو، اے فلک
 عبتِ خاک میں کیوں ملایا مجھے ؟
 دیں آگ کو شعلہ ور کر دیا
 فائدہ تو کیوں سنایا مجھے !
 وہ گو جان کنی ہے مگر چرخ نے
 بھلا کام میں تو لگایا مجھے
 کسی نے کہا: "تیرا مفتوں ہے کون ؟"
 اشارے سے اس نے بتایا مجھے
 مرے بال و بر نے لکائے ہی اس
 اسیری کا مژدہ سنایا مجھے
 وہ اس حالتِ بد میں تھا مبتلا
 کہ مجروح پر رحم آیا مجھے

(۱۵۶)

دردِ بھراں مگر فزوں تر ہے
 ہاتھ رشا دل و جگر پر ہے

بھولتا ہی نہیں وہ جو و ستم
 جو پڑھا ہے وہ خوب اذہر ہے
 گھر خطر ہے تو ہو رہ الفت
 شوق اپنا رفیق رہ سرا ہے
 ولولہ خیزاں گئیں دل کی
 یاس و اسجد اب برابر ہے
 تشنہ قتل ! آؤ میدان میں
 یاب سہل اس کا آبِ خنجر ہے
 دل تولنے کو آئے ہو، کیا خوب !
 اللہ احسان یہ بھی ہم پر ہے
 خواب میں کیا وہ کل بدن آیا ؟
 عطر میں بس رہا جو بستر ہے
 آؤ اے درد و رنج ہجر ، یہاں
 پوچھنا کیا ، فقیر کا گھر ہے
 ان کی کیا بد زبان ہے سب سے !
 یہ تو ہر دم کا وار ہم پر ہے
 اس کی دل کش ادا کی کیا تدبیر ؟
 یہ تو سارا کہ وہ مستغرق ہے
 بردے بردے میں یہ نکالے ہاؤں
 ذکر ان کا ہی اب تو گھر گھر ہے

سہر عشر ہے تیز گر، تو ہو
 ہات رکاوٹ کو دامنِ سر ہے
 خود بتاتی ہے بوئے گل، گل کو
 کب چھوے وہ جو اہلِ جوہر ہے
 کیا کرے خوردہ گیریاں، بھروح
 آپ سارے جہاں سے بدتر ہے

(۱۵۷)

کمر کے وصف میں قاصر زباں ہے
 وہ اس مضمون میں باریکی نہاں ہے
 نہ وہ شورشِ لہ وہ آہ و فقاہ ہے
 اب اس آتش میں وہ گرمی کہاں ہے
 تم اس یگانہ ونمی پر نہ جانا
 یہی تو اس کی الفت کا نشان ہے
 ذرا دیکھو کوئی دہر و حرم کو
 سرا وہ بارِ ہرجائی کہاں ہے ؟
 کروں کس طرح وصفِ جنت و حور
 ارے بارو، وہ کافر بدگیاں ہے
 ٹپٹ لیں اور سے گرمی بھی چھوڑے
 بڑا دشمن تو سب سے آساں ہے
 بڑی تھی کل کڑک کر جس پہ بھلی
 وہی شاید ہمارا آساں ہے

نہیں لیتا ہوں فرطِ رشک سے نام
 براک سے پوچھتا ہوں: ”وہ کہاں ہے؟“
 ہوشکنے تک نہیں دیتا کلی میں
 غضب بے درد اس کا ہاسباں ہے
 سبکبے ہو چکا ان کا ٹکٹا
 اگر ہائے نواکت درمیاں ہے
 بجومِ جہل ہے ، کیا علم چمکے
 بہ انگڑ زبیر خاکستر نہاں ہے
 زمانہ کیوں ہے ایسا ناموائی
 مگر اس کا دلِ ناسہرباں ہے
 بھلا کیا پر گھڑی پوچھے سے حاصل
 وہی اک حسرتِ دل کا عیاں ہے
 قطعہ

کمپن سے پی کے شب جاگے ہو صاحب !
 علامت ساری چہرے پر عیاں ہے
 مزہ ہریم ، خمارِ آلود آنکھیں
 پریشاں طرۂ عنبر نشان ہے
 بس از سردن ملے گا خاکِ آرام
 زمیں کے بھی تو لیچے آسماں ہے
 سخت گو یوں تو اک عالم ہے مجروح
 سرے استاد کی پر کیا زباں ہے ا

۱۔ عودِ ہندی میں سید مرادعلی حسین لائل نے یہ مصرع یوں لکھا
 ہے : ”سرے استاد کی پر یہ زباں ہے۔“

(۱۵۸)

جس کے دوزخ بھی خوشہ چیں میں ہے
 سوز وہ آہِ آتشیں میں ہے
 یہ دل آویز زینتِ دلہا
 بیچ چشمِ سال میں ہے
 سخنِ تلخ سن کے یہ جانا
 زہر بھی لعلِ شکر میں ہے
 اس کا باعث ہے کچھ ، نہ اس کا سبب
 کیا مزا اس کے مہر و کیں میں ہے
 کیا قدِ یار سے ہوئی خجالت ؟
 سرو جو کڑ گیا زمیں میں ہے
 ہے ہر اک صید سرِ بلند کسے
 وہ کہاں دار کیا کہیں میں ہے ؟
 'ہاں' وہ کیوں کر زبان پر لائیں ؟
 لطف سارا تو اس 'نہیں' میں ہے
 دل میں ہیں 'ماسوا کے نقش و نگار
 یہ بڑا جرم اس نگین میں ہے
 قرب سے کاسلوں کے دور ہے
 نقص مجروح خود ہمیں میں ہے

(۱۵۹)

لاکھ غم ہیں ہے ، سو غم میں ہے
جان جب تک یہ اہنے تئ میں ہے

سوزِ غم کی بھڑک ، معاذ اللہ !
آگ سی لگ رہی بدلت میں ہے

اک جہاں غمزہ ، اک جہاں انداز
جمع اس چشمِ سحر فٹ میں ہے

چن کے ، عاشق کے قتل کرنے کا
جوہر اس تیغِ زخمِ زن میں ہے

آمد آمد خزاں کی ہے شاید
گل شکفتہ ہوا چمن میں ہے

لہ رہے یار و آشنا باقی
ہم کو غربت ہوئی وطن میں ہے

سب اسی پر ہیں شیفتہ ، اب تو
آشتی شیخ و برہمن میں ہے

جانبِ نثاروں سے ٹیڑھ کی لینی
ان کے داخل یہ بالکپن میں ہے

اس کے ہوتے کچھ اس کی ہویہ نہیں
سہرِ لہا لہا اسی چلت میں ہے

لطفہ

مردِ دیرینہ نوجوانوں سے
کہیں کامل ہر ایک فن میں ہے

ہاں مٹے قازہ میں وہ بات کہیں
لطف جو بادۂ کہن میں ہے

ہرچہ مجروح سے نکلتا اس کے
طاق یہ عاشق کے فن میں ہے

(۱۶۰)

ہم اٹھا جو نصیب سناتے لگے
وہ بولے کہ ”پھر سر پھراتے لگے“

کہا تھا: ”اٹھا پردہ شرم کو“
وہ اٹھا بسب کو اٹھانے لگے

ذرا دیکھے ان کی صنایاں
مجھے دیکھ کر منہ ہناتے لگے

کہا میں نے: ”مل یا مجھے مار ڈال“
وہ جوت آستین چڑھانے لگے

مجھے آتے دیکھا جونہی دور سے
قدم اور جلدی اٹھانے لگے

اٹھے وہ تو اک حشر برپا کیا
جو دیکھے تو تہ اٹھانے لگے

غنا غم میں تھی میری خون جگر
 اب اعداء کا بھی رشک کھائے لکے
 کمالِ عشق نہیں ہے ہنوز
 ابھی ہے وہ منہ کو چھپانے لکے
 غنا ہو کے جب بے ہلانے گیا
 مجھے دیکھ کر مسکرانے لکے
 غنیمت ہے الفنا تو اٹھا حجاب
 کہ اب خواب میں بھی وہ آنے لکے
 وہ دل کے آڑے سے واقف نہ تھے
 ہمیں تو یہ گھاتیں بنانے لکے
 مگر ان ہمہ رازِ محبت کھلا
 جو مجروح سے بچ کے جانے لکے

(۱۶۱)

قتل کرتا ہے تو کر ، خوف کسی کا کیا ہے ؟
 سر یہ موجود ہے ، ہر دم کا قلعا کیا ہے ؟
 لزع کے وقت یہ آنکھوں کا اشارا کیا ہے ؟
 سامنے میرے دھرا ساغرِ صہبا کیا ہے ؟
 اپنا یوں دور سے آ آ کے دکھانا چوہن
 اور پھر ہوجھنا مجھ سے کہ ”تمنا کیا ہے ؟“
 چشمِ پُر آب مری دیکھ کے ہنس کر بولے :
 ”یہ تو اک نوح کا طوفان ہے ، رولسا کیا ہے ؟“

قبرا پیکان نہیں ہے تو بتا اے قاتل
 سانس کے حالہ یہ سینے میں کھٹکتا کیا ہے ؟
 کہا بر آئے وہ طلب جو کہ محالات سے ہو
 پہلے سمجھو تو سہی ، خواہشِ موسیٰ کیا ہے ؟
 جو کہ خود بیچ ہو، ہیں اس کے سب اسباب بھی بیچ
 جب کہ دنیا ہی نہیں ، دولتِ دنیا کیا ہے ؟
 اس کے آشوب سے عاشق ہی کا دل واقف ہے
 تم کو معلوم نہیں چشمِ ستم زا کیا ہے
 دل مضطر کی عیث ہے مرے سینے میں تلاش
 دیکھو آنکھ جھکا کر ، یہ تمہا کیا ہے ؟
 لاکھ ہوں سامنے ، وہ آنکھ سلاتا ہی نہیں
 گلہ' پیار سنو ، شکوہ اعداء کیا ہے
 کر کے غارت دل عاشق کو ، بھلا کیا لے کا ؟
 تیری حسرت کے سوا اور وہ رکھتا کیا ہے ؟
 خواب میں جلوۂ جاں سوز دکھایا کس نے ؟
 بوجھے یوسفؑ سے کوئی ، جرمِ زلیخا کیا ہے ؟
 آنکھ کھل جائے گی ، برقمے کو جلاہا جس دم
 ابھی سمجھے وہ نہیں ، آہِ شررِ زبا کیا ہے
 کوئی دکھتا ہے توقع کہ جیہ گئے کل تک
 فکر کر آج کی ، اندیشہ' فردا کیا ہے ؟
 کہتے ہیں : "دل ہی لہ دیتے جو سمجھتے دلبر"
 واہ ، اس شوخ کا اندازِ تصانیف کیا ہے

حالتِ نزع ہے ، لب بند ہوا چاہئے ہیں
اب تو بھروسہ ہے ہرچہو کہ : ”تمنا کیا ہے ؟“

(۱۶۲)

وہ یہاں آئے ہیں کس انداز سے
اک قدم اٹھتا ہے سو سو ناز سے

جو کہ ٹھکرائے نہ سر کو ناز سے
کون سر پر آئے اس طراز سے !

آگ دل میں لک گئی آواز سے
کیا ٹھکا سوز ہے اس ساز سے

واہ رے شوقِ گرفتاری کہ ہم
خود الجھتے ہیں ہر پرواز سے

خرچ اپنا کر کے کیوں کھاتے بھیل
ہیٹ وہ بھرتا ہے حرص و آرز سے

بوسے نے ثابت کیا اس کا دہن
ورنہ آگہ کون تھا اس راز سے

بازوئے شل پر نہ ہنس مرغِ چمن
ہم بھی واقف تھے کبھی پرواز سے

ڈو تو اس چشمِ لبوں گر سے مسح
ہٹ نہ کر بیٹھے تیرے اعجاز سے

چھد پڑتے ہیں دل پر دود میں
 میٹر ہو بہت سری آواز سے
 بزم میں سے خوارگن دہر کی
 لٹکے تھے مجروح کس اعزاز سے

(۱۶۳)

کہہ تو دے جا کر کوئی فریاد سے
 خواب شیریں قلخ ہے فریاد سے
 جوش وحشت ، طعنہ ہائے چارہ کر
 تیز تر ہیں نشترِ فساد سے
 دیکھ ، بہہ ہوتے ہیں ہابند وفا
 مر کے لکھے خالہٴ فساد سے
 سہل ہے ان سے دو عالم کی طلب
 بوجھ لوہے پر خاطرِ آزاد سے
 بحرِ غم نے توڑ دی کشتی ، بہ ہم
 تر زباب ہیں ہر چہ بادا باد سے
 وہ تو کیا ہیں ، خفتگانِ خاک بھی
 چونک پڑتے ہیں سری فریاد سے
 رنج ہے دنیا کی شادی کا سال
 اجدا کر لو مبارک باد سے

میرے بدلے میں مرے ہوش و حواس
 اڑ گئے ہیں دہشتِ صیاد سے
 کیا عجب گر اس کے شوقِ تیر میں
 صرخ نکلتے بیضہ فولاد سے
 تو ہی اے شوخی اے لائی جاں
 داد کو پہنچے تری اسداد سے
 چشم سے انزوں کے غمزدے کا ستم
 ہڑہ گیا شاکرد یہ استاد سے
 اب تو اے مجروح بچنا ہے محال
 آ ہڑا ہے کلام اس جلاّد سے

(۱۶۴)

یہ جو اب لطفِ زبانی اور ہے
 کچھ مری الفتِ بڑھانی اور ہے
 شورشِ محشر نہیں جو ہو چکی
 اس کا آغازِ جوانی اور ہے
 جاں شکن ہیں اس کے پیچیدہ ستم
 طرزِ جورِ آسانی اور ہے
 گر نہیں میرا یقی ، خود دیکھ لے
 آنسے میں تیرا ثانی اور ہے
 اپنا یہ مطلب ، وہ چھوڑے غیر کو
 اور اس نے دل میں ٹھہانی اور ہے

ہو گئے نابود، پر باقی ابھی
 اک نشانِ بے نشانی اور ہے
 ہوالفضل ظاہری پر تو نہ جا
 عشقِ پنهان کی نشانی اور ہے
 کیا مزا جب اور واقف ہو گئے
 لذتِ دردِ نہانی اور ہے
 میں تو مستغرق ہوں اپنے حال میں
 تم کو لاحق بدگمانی اور ہے
 ہے شبِ وصل، اور ہے پہلو میں وہ
 آج لطفِ زندگی اور ہے
 کیا خیال آیا کسی رنثار کا
 طبع میں اپنے روانی اور ہے
 یوں تو ہیں مجروح سب شاعر نصیح
 میر کی پر خوش بانی اور ہے

(۱۶۵)

کتنی ہے یوں رہ الفت میری
 میں ہوں اور ساتھ ہے بہت میری
 اس کے ہونے میں دو عالم مانگوں
 قہر ہے ہستی بہت میری
 ظلم ہے وجہ کا شکوہ جو کیا
 ہنس کے بولے کہ ”بہ عادت میری!“

نظرۂ آب، سو وہ بھی نالہاک
خاک ہے اصلِ حقیقت میری

جھوٹے^۱ وعدوں میں نہ پہلاتا ہے
جانتا ہے وہ طبیعت میری

ہوگی ہم راہِ جنازے کے مرے
سر ہٹکتی ہوں حسرت میری

کٹ گیا روزِ قیامت کب کا
نہ کئی پر شبِ فرقت میری

ان کے دل میں تو جگہ ہے اس کی
مجھ سے بہتر ہے عداوت میری

شوخ ہوتا نہیں یہ رنکِ حنا
خون کی ہے کوئی حسرت میری

تاڑتے ہیں کہ مرے گا کس دن
روز کرتے ہیں عیادت میری

پوچھنا مجھ سے یہ انجان تھے :
”تم نہیں جانتے حاجت میری ؟“

مرضِ عشقِ بقال میں مجروح
ابتدا ہی ہے نہایت میری

۱۔ اصل نسخے میں ”جھوٹ“ ہے لیکن نسخہ ”وحید“ میں ”جھوٹے“
ہے۔ مرثیہ

(۱۶۶)

کہے الفت ہے دیکھا ، گاہ کہیں ہے
 حذر اس سرگمِ سحر آفریں ہے
 لکہ وہ ، اور چشمِ سرمگین ہے !
 ہمیں تو کھو دیا دلیا و دیں ہے
 پہنسا سکتا تھا ہم کو دانہ و دام ؟
 مگر وہ غود نکل آئے کہیں ہے
 ضرور اس وقت کیا تھا ذکرِ اعدا !
 مگر یہ چھیڑ کرنی تھی ہمیں ہے
 کہاں جاتی ہے اپنی گردشِ بخت
 ملا دوں آہاں بھی گسر زمیں ہے
 درمے غالہ ہے اک مبدعِ فیض
 نکل آئے ہیں کچھ کامل یہیں ہے
 نئے نئے جو آئینے ہیں جہاں میں
 صلاحیں سب یہ لیتے ہیں کمبختیں ہے
 وفا کا قحط ہے ایسا کہ ہم تو
 ملے تو مول لے آئیں کہیں ہے
 طلب میں سعی تو لازم ہے ہم کو
 کششِ قواصل میں ہوگی وہیں ہے
 ہمارے قتل ہے منکر نہ ہونا
 لپکتا خون ہے اب تک آستیں ہے

تذہیب میں ہے دل ، آؤ نہ آؤ
 تمہیں اس شک کو بدلو گے باتیں سے
 طلب میں غیر کے بھی ہاں نہ ہوگی
 انہیں خوگر تو ہونے دو نہیں سے
 تم، اور آؤ گے صاحب اس کے گھر میں
 ہنسی کرتے ہو مجروحِ حزیں سے !

(۱۶۷)

رہے گی نہ بے آلت آنے ہوئے
 وہ آنے ہیں دامن اٹھائے ہوئے
 بھلا دائہ کیا کھانے مرغِ نفس
 اسیری کا غم ہے وہ کھائے ہوئے
 کہا مجھ سے ہنس کر کہ ”پھر آئے تم ؟
 وہی روتی صورت بنائے ہوئے“
 علو زینب بھٹل ہیں ، میرا سلام
 یہ آنے ہیں کیا بے بلائے ہوئے ؟
 نہیں شرم ، یہ بھی اک انداز ہے
 وہ لٹھے جو ہیں منہ چھپائے ہوئے
 میں اور اس کے در سے ہٹ کر اٹھوں ؟
 یہ فقرے ہیں اس کے بنائے ہوئے
 ترے در سے سائنڈ فکشن نکلیں
 نہ اٹھیں گے ہم بے اٹھائے ہوئے

نہیں تلخ گو وہ لبِ شکریں
 ہمیں ہر ہے بہ زہر کھائے ہوئے
 رہیں کسی سے صاحبِ ہم سرگرمیاں ؟
 اپنے میں ہو جو نہائے ہوئے
 ترے غوف سے نالہٴ دل شکاف
 پھرے ہی مرے لب تک آئے ہوئے
 رہِ مقصدِ اپنی ہے کہے سے دور
 چلو غضرِ پاؤں اٹھائے ہوئے
 نظرِ سیرِ جنت ہم پڑی نہیں
 وہ جلوے ہیں دل میں سائے ہوئے
 الگ سب سے رہتے ہو مجروح تم
 کسی سے ہو کیا دل لگائے ہوئے ؟

(۱۶۸)

سدا میرے درپے ہیں آزار کے
 پھر ہیں کیوں نہ خوش گھر میں اغیار کے
 وہ موسیقی^۳ سہی ، ہر رہِ عشق میں
 نہیں پاؤں جتنے طلبِ کار کے
 فلک چور ایسا کرے ، کیا مجال
 یہ ہیں پتھکتے اس جناکار کے

۱۔ دونوں نسخوں میں ”ہو“ ہے ۔ مرتب

سیحا بھی اُن سے چراتے ہیں آنکھ
جو کشتے ہیں اس چشمِ بیار کے
شبِ گور نے تیرگی جس سے وام
وہ اعمال ہیں مجھ سیکار کے

کوئی تیز جاتا ہے ، کعبے کوئی
بھٹکتے ہیں مشتاق دیدار کے

ہمیں جس کو پھیر لانا پڑا
انہیں ناز کسی سے خریدار کے !

رہے شکوہ سنجِ ستم ہم سدا
کبھی آہاں کے ، کبھی یار کے
لکھیں میرے نامے کا کیوں کر جواب !
پڑھائے ہوئے ہیں وہ اخبار کے

کہاں اس کا اڑنا ، مگر بعدِ ذبح
ہر اڑنے ہیں سرخِ گرفتار کے

الہیہ دل کے لٹنے کی راہیں سب
یہ روزِ نہیں اس کی دیوار کے

رقیب اس کے گھر سے لگاتے نہیں
وہ اوساں ہیں کیا مجھ دل انگار کے ؟

مگر اس کا شوریدہ سر سر گھا
کہ چپ چپ ہیں اطفالِ بازار کے

الگ سب سے ، مجروحِ آزاد تھے
بکھڑے ہیں تصبیح و زناں کے

(۱۶۹)

دیکھو جلوے تمہارے قامت کے
 بوش جاتے رہے قیامت کے
 نہیں میرے خیال میں آتے
 عذر لاتے ہیں وہ نزاکت کے
 واں ستم تک دریغ ہے ہم سے
 پاں توقع میں ہیں عنایت کے
 ان دنوں غیر ہے وہ بگڑے ہیں
 لطف اب آلیں گے شکایت کے
 ہاؤں محشر میں اٹھ نہیں سکتا
 بوجھ ہیں سر پہ یہ لہدایت کے
 ہنس کے بولے سوالِ بوسہ پر :
 ”اب وہ دن ہو چکے رعایت کے ا“
 وہ جو کہتے ہیں غیر : ”اٹھ جائیں“
 ہم ہیں مفہوم اس کنسایت کے
 ان سے لازک مزاج کے آگے
 خوب دفتر کھلے شکایت کے
 گوشہ چشم تک ادھر کو نہیں
 ہم تو قائل ہیں اس کفایت کے
 دیکھ کر بار کے گلِ رخسار
 ہم یہ معنی کھلے نزاکت کے

دل کو کوئی بھاسکے کیوں کر
اس کے انداز ہیں قیامت کے
یاد خاطر رہے دل مجروح
شور ہیں آپ کی صباۃ کے

(۱۷۰)

مشوش چو لہ فکرِ جاہ میں ہے
وہی تو عیشِ خاطرِ خواہ میں ہے
کہیں جاتی نجیب ، کتنا ہی کہے
کچھ ایسی بات اس دل خواہ میں ہے
بہ دشتِ عشق ہے ، ہشیار رہنا ا
خضر کھٹکا بہت اس راہ میں ہے
جو وصفِ لامکنی سے ہے موصوف
مکمل اس کا دل آگہ میں ہے
بتوں کا ترک اب ممکن نہیں ہے
یہ سچ ، قدرت تو سب اللہ میں ہے
نہیں جانے کا یہ خالی نشانہ
اثرِ لہریز میری آہ میں ہے
ٹڑپتا ہے کوئی ، مرنے لگا ہے کوئی
سماسا اس کی بازی گاہ میں ہے
میں اس کے حسنِ روز افزوں کے صدقے
توئی جس سے میری چاہ میں ہے

یہ دنیا کی حقیقت ہے کہ گویا
مکالمہ اک دل لگی کا راہ میں ہے

قطعہ

لہ دل کو یار کا یارائے دیدار
نہ رہ اس کی نمائش گاہ میں ہے

جو ہو برقِ قلبی کے مقابل
بھلا طاقت یہ برگِ کاه میں ہے ؟

اے مجروح اب نکلا ہی جانو
دل الجھا نالہء جاں کاه میں ہے

(۱۷۱)

بہت کچھ دھوم ہے روزِ جزا کی
کہیں اس سے لہ ہو پریشِ جفا کی ا
ابھار ایسا ہے جوین کا ، کہ ہر دم
گہرہ ہوتی ہے وا بندِ قبا کی
وہاں ہر بات ہر سو سو تامل
یہاں جلدی حصولِ مدعا کی
غبارِ خط نے کی آکر صفائی
صفائی میں کدورت ہی رہا کی
عرقِ آنسو ہے وہ روئے گل رنگ
لگی کیا بھاپ آہِ شعلہ زار کی ا
نہیں بھائی الگ جانا صبا کا
یہ ہو لاتی ہے اس نا آشنا کی

شبِ وصلت میں لہا شام و سحر ایک
 چمک ایسی تھی روئے ہر ضیا کی
 وہ اک بے درد ہے ، کیا قدر جانے
 خرابی ہے دلِ درد آشنا کی
 ہمیشہ کی جفا اس ڈر سے چھوٹی
 کہ ہے اس میں بھی اک صورت وفا کی
 رہا اس درد سے مجروح لالہ
 کہ شب بھر چوٹ اک دل پر لگا کی

(۱۷۲)

جفا عادت کہاں تھی آہاں کی
 مگر تقلید اس لاسمرباں کی
 یہ دھومیں شورِ محشر کی نہ ہونیں
 ہمیں کیوں خو ہوئی ضبطِ فغاں کی ؟
 لڑائی کیوں ؟ مگر بجلی کے دل میں
 کھٹک ہے میرے خارِ آہاں کی
 ہوا تک بھی نہیں آتی نفس میں
 خبر ہم کس سے ہو چھین گلستاں کی
 الہی درکار ہے رنگینی ہزم
 بن آئی میری چشمِ خونِ لہاں کی
 سبھوں کی لافِ الفت دیکھ لیں گے
 کہیں نوبت تو آئے امتحاں کی

اٹھا سکتی نہیں ہمارے گراں ارض
 یہ ہے بودی پناہنی دکان کی
 ذرا تم دیکھنا چلمن اٹھا کر
 یہ جاتی نعل ہے کس لوجوان کی
 نہ لو تم کچھ مگر آکر تو بیٹھو
 ہمیں رونق بڑھاتی ہے دکان کی
 صفائے تن نے کچھ پردہ نہ رکھا
 خبر کر دی سرے رازر نہاں کی
 انہیں ہے عزم گھر آنے کا میرے
 خرابی آئی اس بے خاتمان کی
 تصور بھی نہیں اس ڈر سے جاتا
 کہ کم بختی نہ آئے ہاسباں کی
 یہ تغیرِ ردیف اب کی غزل میں
 روش ہو غالبِ معجز یان کی

(۱۷۳)

کچھ انت بن ہو چلی ہے باغبان سے
 بس اب لکلا ہی معجھو گلستان سے
 یہ ہلتا ہی نہیں کوئے پناں سے
 نہ ہو کیوں رشکِ سنگِ آستان سے

۱۔ لفظ 'وحید' میں 'انہی' سکاں ہے ۔ مراد ۔

لہ ہونے سے ترے سب کام بگڑے
 تجھے اے صبر، میں لاؤں کہاں سے ؟
 گرفتاری کے دن آئے ہیں شاید
 کچھ الفت بڑھ چلی ہے آشیان سے
 لوی تھا، آگیا آخر کو غالب
 رہے جھکڑے سے جھکڑے آشیان سے
 وہ چشمِ سرمگیں دیکھو تو جانو
 کہ سب آشوب الہتے ہیں یہاں سے
 وہ دلبر ہے، بجا ہے اس کی خواہش
 مگر میں روزِ دل لاؤں کہاں سے ؟
 کیا ہے شوقِ منزل نے یہ بے تاب
 بڑھا جاتا ہوئے کوسوں کارواں سے
 بلا رشکِ عدو ہوتا ہے ورنہ
 ہم اور اٹھیں تمہارے آستان سے
 ولہا سی جنس اور فحطِ خریدار
 طمع پھر کیا رکھیں اپنی دکان سے
 میں اپنے بختِ غواہدہ کو پسارب !
 بدل لوں کیوں مگر ان کے پاسباں سے
 نراکت سخت اٹھیں رکھتی ہے بے چین
 کہ چونک اٹھتے ہیں وہ خوابِ گراں سے
 ہنسی ٹپٹھا نہیں ہے اس کا منہ
 جگر پھٹتا ہے میری داستان سے

زلیخا کی کشش سے ڈر ہے مجھ کو
نکل جائے نہ ہوسفؔ کارواں سے

قطعہ

مری ٹوٹی ہوئی ٹوپہ کے ٹکڑے
کوئی لا دے در پہرِ مغان سے
کہ اس کو جوڑ کر میں ٹوڑ ڈالوں
پھر اک جامِ شرابِ ارغوان سے
میں اس بے مائیگی سے خوش ہوں مجروح
کہ فارغ ہو گیا سود و زہاں سے

(۱۷۴)

غم سے چھٹ جانے کی حکمت ہی سہی
جان دینا اے رشوت ہی سہی
نام آنے کا تو ہو فرقت میں
وہ نہیں تو کوئی آفت ہی سہی
ہم بھی آئینہ کرب کے دل کو
خود بخانی قری عادت ہی سہی
کچھ تو ہو تلخیرِ غم کی تدبیر
لبِ شیریں کی حکایت ہی سہی
کوئی لے جانے مجھے قاتل تک
غلبہؔ شوقِ شہادت ہی سہی
ہر مکالم میں کوئی ہوتا ہے مکین
مجھے غم خزانے میں وحشت ہی سہی

کچھ نہ کچھ لائے ہم اس محفل سے
 خالی پھر آنے کی حسرت ہی سہی
 لال تو لیک ہے ، گو ہو بے اصل
 اس کے ہاں آنے کی شہرت ہی سہی
 ہاں شبِ غم تو بسر ہو مجروح
 صبح کو روزِ قیامت ہی سہی

(۱۷۵)

کیوں منہ چھپا ہے ، کس لیے اتنا حجاب ہے ؟
 تیری تو شرم ہی ترے رخ پر نقاب ہے
 لیکڑ اپنی عرضِ ممنا نہ جانے کی
 میرا حریف غمزدہ حاضر جواب ہے
 مشکل ہے وصل میں بھی تلافیِ فراق کی
 پہلو میں گر ہی دلِ حسرت مآب ہے
 آنحضرت کی آب اس کی بقا پر دلیل ہے
 میں بھی ہوں جب تلک نفسِ شعلہ تاب ہے
 اس چشمِ پُر فریب کا اللہ رے لگاؤ
 اب تک امیدوار یہ ناکامیاب ہے
 سیراب اس کا تشنہ دیدار کیوں کہ ہو
 جب ایسی تیز خنجرِ قاتل کی آب ہے
 دشمن جو ایک ہو تو بہت جائے خوف ہے
 جب سات آہاں ہوں تو پھر کیا حساب ہے !

آنکھیں تو مل رہا ہوں یہ اترام شوق میں
 یہ جانتا نہیں ہوں کہ کس کی رکاب ہے
 اللہ دے میرے شوق کی مشکل پسندیاں !
 کس آفتِ جہاں کو کیا انتخاب ہے
 میں نے کہا کہ ”میرے گھر آؤ“، کہا : ”کہاں ؟“
 تیرا تو نام چلے ہی خانہ خراب ہے
 یہ اجتناب شاہد دے سے کہاں فلک ؟
 بھروسہ ، بس معاف ، کہ عہدِ شباب ہے

(۱۷۶)

آگے سے ذرا اس سنم آرا کے گزر جائے
 جس کو یہ تمنا ہو کہ بے موت کے مر جائے
 پھر کس سے یہ شکوے شبِ ہجران میں رہیں گے
 کام ایسا کہیں آوِ فلک سوز نہ کر جائے !
 یہ اصل میں جنسیتِ اصلی کی کشش ہے
 دریا میں اگر قطرہ نہ جائے تو کدھر جائے ؟
 اتنی بھی تو یگانہ مزاجی نہ دے گی
 یہ عشق ہے ، کیا دخل جو تاثیر نہ کر جائے
 تشبیہ مرے حالِ ہرِ شاب سے نہ دینا
 ایسا نہ ہو وہ طرہ شبِ رنگ بکھر جائے
 دل خوگرِ شادی ہو ، یہ ممکن ہے یہ بارو !
 فرماؤ کہ یہ حسرتِ جاوید کدھر جائے ؟

ظاہر ہے کہ باطن کی لگاؤں ہے وگرنہ
 کیوں غیر کی جانب تری دزدیدہ نظر جانے
 اس کی تو ہر اک آن و ادا کھینچے ہے دل کو
 بے چارہ یہ دل ایک ہے ، جانے تو کدھر جانے
 اک کام ہمارا ہے کہ بن جانے یہ بکڑے
 اک غیر کا مطلب ہے کہ بکڑے تو منور جانے
 آنکھوں میں کسی کی جو جگہ پاؤں ، تو کیوں کر ؟
 میں خواب پریشان ہوں ، جو دیکھے وہی ڈر جانے
 میں جانتا ہوں کس نے گزاری ہے شبِ ہجر
 یہ دل کی تسلی ہے جو کہتا ہوں گزر جانے
 لو ، رشک بھی اب چھوڑ دیا ، مضطرب میں
 ہر ایک سے کہتا ہوں : "کوئی بار کے گھر جانے"
 ہے لیرگی ایسی کہ کہیں رہ نہیں ملتی
 گھر سے مے جانے شبِ ہجر ان تو کدھر جانے ؟
 اچھا ہے جو بھروح کو روکے کوئی اٹھ کر
 یہ جہنم سے بے زار ہے ، کیا جانے کدھر جانے

(۱۷۷)

منہ چھپانے لگے حیا کر کے
 ہونے بے گانہ آشنا کر کے
 ایسے پھر چھپے نہ ہو ویسے گے
 مجھ کو پتہ ساؤ گے رہا کر کے

لطف کیسا ، وفا ہے کیا ؟ وہ تو
 رکھتے احسان ہیں جفا کر کے
 رہ کے مسجد میں کیا ہی گھبرایا
 رات کٹی خدا خدا کر کے
 اب وہ ہائیں کہاں ، کبھی پہلے
 گالیاں سنتے تھے دعا کر کے
 خوب ملنے کو آئے تھے صاحب !
 مجھ کو مجھ سے چلے جفا کر کے
 دل ہی نے اس کی خو ہکاڑی ہے
 ہر گھڑی عرضِ مدعا کر کے
 وہ تو غصے میں آگ تھے ، ہم نے
 اور پھڑکا دیا گلا کر کے
 آہیں کودا تھا دیر میں واعظ
 ہم نے ٹالا خدا خدا کر کے
 کہو دیا ہاتھ سے انہیں مجروح
 یوں ہی ہر روز التجا کر کے

(۱۷۸)

ابھی ہے صدمہ ہجران کی گفتگو باقی
 خدا کرے نہ رہے یہ بھی آرزو باقی
 ہنوز طبع میں آنسو لطف ہیں موجود
 گلِ شبنم میں کچھ کچھ ہے رنگ و بو باقی

کسی کے مرنے کا افسوس ہے عبت ، نادان !
 مگر جہاں میں رہے گا ہمیشہ تو باقی
 دڑھڑے خون کے ، آنکھوں سے اب تھمے ، سچ ہے
 ہمارے دل میں کہاں تک رہے لہو باقی !
 نہ اس کے لب کو فقط لعل کہہ کے ختم کرو
 ابھی تو اس میں بہت سی ہے گفتگو باقی
 کوئی جیسے کہ مرے ، مے پرست کو کیا کام ؟
 رہے جہاں میں سدا شیشہ و سبو باقی
 ہوئے تو ہیں وہ مقابل میں اس کے دلداں کے
 خدا رکھے کُدر و کوبر کی آبرو باقی
 تمام کر کے ہی پشما ہے ظلم ہے حد کو
 وہ فتنہ ساز تو رکھتا نہیں کہو باقی
 کرشمہ منج اگر دیکھو لے مرے بت کو
 رہے نہ زاہدِ صد سالہ کا وضو باقی
 کسی کی کاکڑِ مشکیں کی نکبتِ خوش نے
 گلِ شکفتہ میں چھوڑا نہ رنگ و بو باقی
 اگرچہ آپ کو کھویا تلاش میں اس کی
 مگر ہے دل میں وہی شوقِ جستجو باقی
 ہمارے شوق کی نیرنگ سازیاں دیکھو
 کہ پاسِ بخت ہے اور پھر ہے آرزو باقی
 اے تو میرے لڑنے کی سیر ہے منظور
 کیا تو ذبح ، ہم رکھی رگِ گلو باقی

خدا رکھے مرے مجروحِ مست کو زندہ
کہ مرے کدے میں ہے اس دم سے ہائے و ہوا باقی

(۱۷۹)

جس لائقِ ہوب ، نہ لاؤ سرِ بازار مجھے
دیکھنے کا بھی نہیں آگے خریدار مجھے
مثلاً گوہرِ ہوب نہاں گو صدفِ عزت میں
ڈھونڈ لاتے ہیں مگر میرے خریدار مجھے

نہ تو کہنے کی اجازت ہے نہ ہے ضبط کی تاب
کیوب کیا سازشِ گنجینہٴ اسرار مجھے ؟
دل ہی سے مارے تعلق ہیں ، سوہاں دل ہی کہاں ؟
اب نہیں نیک و بدِ دہر سے کچھ کلر مجھے

رغشہٴ در سے یہ کس آفتِ جان نے جھانکا ؟
کر دیا فرطِ تحیر نے جو دیوار مجھے
جل کے سرمہ جو ہوا برقِ تجلی سے یہ دل
بڑھ گئی اور بھی کچھ حسرتِ دیدار مجھے

روز کر دیتا ہے اک گردشِ تازہ سے دو چار
آہاں نے تو کیا مرکزِ دوار مجھے
سب ہی کرتے ہیں محبت ، یہ یہ شورش کیا ہے ؟
رحم اے عشق ! نہ کر جینے سے بیزار مجھے

واہ نسامِ ازل ، خوب ہی تقسیم ہوئے !
حسنِ جانبِ سوزا ہے ، آہِ شوریبار مجھے

اب تو کچھ اپنی بھی آنکھوں سے گرے جاتے ہیں
 خوار اتنا نہ کراے آرزوئے یار مجھے
 لاکھ ہوں مہد اگر جمع ، اے کیا پروا ؟
 وہ تو پہچان کے کرتا ہے کرتار مجھے
 کاوشِ غم کی سدا چھوڑ چلی جاتی ہے
 ایک دم بھی تو نہیں چھوڑتی بے کار مجھے
 سچ ہے ، بے آڑ کے پھنستا ہی نہیں تازہ شکار
 کیوں لگائے نہ رکھے چشمِ لعلِ کار مجھے ؟
 دل میں بھروح کے کچھ درد سوا ہے شاید
 آج تو اس نے پکڑا ہے کئی یار مجھے

(۱۸۰)

بہر تو معلوم زمانے ہی سے سراپا ہو جائے
 کوئی بیمار محبت اگر اچھا ہو جائے
 ایسی آسائے ہے آکیا عزت و عِلّٰی یوسفؑ
 شانِ معشوق سے آگہ تو زلیخا ہو جائے
 موجدِ عشق ہوئے ہم ، نہ کہ مجنوں ، کیا خوب
 کام کوئی کرے اور نام کسی کا ہو جائے
 نقدِ دل یار مرا لیتا ہے اک بوئے ہر
 بات تو خوب ہے ، آپس میں جو سودا ہو جائے
 دل تو دینا ہے ، فقط ہم کو مزا لیتا ہے
 بہر اسی ناز سے اک یار تقاضا ہو جائے

بھر نہ ہاؤ گے مجھے مثلِ حباب لب جو
 یہ مرا عقدۂ خاطر نہ کہیں وا ہو جائے
 ان کو مطعون مری الفت سے جو کھتا ہے عذو
 اصل مطلب ہے جو سچ اس کا یہ کہنا ہو جائے
 خوفِ بدنامی ہے اتنا کہ اچھل پڑتے ہیں
 گر ہوا کا بھی شبِ وصل میں کھٹکا ہو جائے
 تم جو پکتا ہو تو آئینہ نہ دیکھو صاحب
 نہ کہیں تم سے مقابل کوئی تم ما ہو جائے
 سرگزشتِ دلِ پرسوز وہاں کیا کہیے
 عرضِ احوال جہاں شکوۂ ہے جا ہو جائے
 بھر دنیا میں نہ غافل تو ابھر مثلِ حباب
 ایک ہی دم میں خدا جانے یہاں کیا ہو جائے
 خانہٴ غیر سے باب آئیں تو کیا کہنا ہے
 دل کی بر آئیں مرادیں ، اگر ایسا ہو جائے
 جو بھینے زہر میں تلوار ، نہیں اس کی ہنسا
 سرمہ آلود ذرا چشمِ ستم زا ہو جائے
 ہمار مستغنی و دل مضطرب شوقِ وصال
 پردے پردے ہی میں رسوا نہ زلیخا ہو جائے
 ہم سے گر خدا ہے تو اغیار سے ملنا چھوڑو
 دیکھنا ، سچ نہ کہیں قول ہمارا ہو جائے
 ہم سے ہاتھ دھت بھی کہیں جاتے ہیں
 عقدۂ دام بھی بالفرض اگر وا ہو جائے

کیا سبھی دشمنِ عشاق ہیں ، معشوقِ جہاں !
 نہ رہے رسمِ محبت ، اگر ایسا ہو جائے
 زندہ عشق تو مرتے ہی نہیں ہیں ، بالفرض
 شمعِ صاں سر بھی جو کٹ جائے تو پیدا ہو جائے
 خواب ہیں بھی تو وہ اس ڈر سے نہیں آئے ہیں
 کہ اس آنے کا نہ اخیار میں چرچا ہو جائے
 آپ کو بارے یگانہ سمجھنا ہے ستم
 دیکھئے وہ خاک جو خود آپ ہی پردا ہو جائے
 طبعِ نقاد کے جوہر کو دکھائیں مجروح
 قدر افزائے سخن اگر کوئی پیدا ہو جائے

(۱۸۱)

جھپٹنے کاوشِ مژگانِ ستم کار رہے
 دل میں سو رخنے ، ہر اک رخنے میں سو غار رہے
 اس کے کوچے میں رہے یا ہر دیوار رہے
 کیا رہے ، خاطرِ جاناں یہ ، اگر ہمار رہے !
 ہم نے تو یہ بھی نہ جانا کہ چمن ہے کیا چیز
 اہنے ہی حال میں کچھ ایسے گرفتار رہے
 لطف کیا ہے جو رہی بار سے سیدی باتیں !
 کچھ نہ کچھ چھوڑ نہ جب لک نہ گرفتار رہے
 یاں کسی کی نہیں کچھ بننے ، پکڑنے سے غرض
 یا رب ! آباد سدا خاندہ خوار رہے

قدر ہے درد کی ہستی نہیں کچھ الفت میں
 سینہ پُر درد ہے ، داغ نمک دار ہے
 شہر ویرانہ نما کیوں نہ نظر آئے ہیں
 صحبتیں وہ نہ رہیں اور نہ وہ یار ہے
 فاش اسرار جو کرتے ہیں ، سزا پاتے ہیں
 پھر منصور مہیا رست و دار ہے
 جنس ہے قدر نہ ہم سی کوئی ہوگی ، کہ جسے
 مفت بھی لے تو خسارے میں خریدار ہے
 ہم بھی اس خاندان دنیا میں رہے ، ہر اس طرح
 قید خانے میں کوئی جیسے گنہ گار ہے
 یاسِ کلی میں لگاؤ نہیں رہتا صاحب
 کبھی اقرار ہے اور کبھی انکار ہے
 وہ بھی شاہد کہ بتقریب عیادت آئی
 ہم تو برسوں اسی امید میں یار ہے
 دیر میں سمجھے مسالاب تو حرم میں کافر
 ہم ان افعال سے دونوں ہی جگہ خواہ رہے
 نہ کبھی لالہ و افغان ، نہ کبھی سوز و گداز
 آدمی کیا کہ شب و روز ہی بے کار ہے
 وہ عتابات و ستم ، دونوں ، ہم رکھتے ہیں
 یاس و امید میں لیا ان کا طاب گار ہے
 کوئی خواہاں نہیں اس جنس وفا کا ، ہم تو
 خود فروشنده رہے ، خود ہی خریدار رہے

اس کی محفل ہے بہ از غلط ہرین ، ہاں سچ ہے
 والے سے محروم نہ کیوں کر یہ گنہگار ہے
 لن ترانی ہوئی آخر ادب آموز ، کلمہ !
 پہلے تو آپ بہت طالب دیدار ہے
 اس کے در پر تو کسی کی بھی رسائی نہ ہوئی
 کعبہ و دیر ہی تک کافر و دیندار ہے
 لمے کے صیاد نفس کو جو ادمر سے گزرا
 ہم غضب یاس سے تکتے سوئے گلزار ہے
 لن ترانی ہی رہی گرجہ ترانے میں ولے
 کچھ نہ کچھ عاشق و معشوق میں گفتار ہے
 صلہ فکر رسا مل تو گیا اے مجھ کو
 دیر تک آج وہ ستے ترے اشعار ہے

(۱۸۲)

دل لگا اس عدوئے جانی سے
 ہاتھ اٹھا بیٹھے زندگانی سے
 کو وہ گھر سے ادمر ہی کو آگئی
 دل تو مضطر ہے بدگمانی سے
 ابر برمائے چشم کمر کے حضور
 اس کو پہلا کروں گا ہانی سے
 آگ بیڑ کا دکھی ہے سینے میں
 الامان ، سوزش نہانی سے
 ہم ہیں کیا اور ہاری سہی ہے کیا
 ہے گزر اس کی مہربانی سے

ستے ستے مرا فسانہ غم
اُن کو چڑ ہو گئی کہانی ہے

طور ستالہ چال ہے دیکھو
ہے وہ بے خود مئے جوانی ہے

شبِ ہجران تھی چھوڑنے والی ا
بیج رہے اپنی سخت جانی ہے

زائدہ درگور ہو گئے ہم تو
کوہِ ابدوہ کی گرائی ہے

کیوں نہ ابرہم ہو طبعِ وسوسہ خیز
بار کی چشمکِ نہانی ہے

تنگ نامح نہ کہ پہلے ہی
تنگ بیٹھا ہوں زندگی ہے

حال اپنا بیاں نہ کر مجروح
ہوش اڑتے ہیں اس کہانی ہے

(۱۸۳)

ہوں خوشی کیوں نہ جان جائے ہے
پاسِ کلی ہے اُن کے آنے سے

چھپ چھپا کر ، ادھر ادھر جا کر
دیکھ رہے ہیں ہر جہان سے

دیکھ میاد کو نہ کچھ سوجھا
گر پڑے ہم تو اُشیانے سے

کیا سنب لفسہ سنجہ بلبل
 ہائے دل ہی نہیں ٹھکانے سے
 لگم قہر سے مجھے دیکھا
 سو بھی اغیار کے جتانے سے
 سب سے آپس میں ملتے جلتے ہیں
 اک لڑالے ہیں وہ زمانے سے
 دام مباد میں پھنسنے جا کر
 ہم لگتے ہیں آشیانے سے
 واہ اے عشق ، تیرا کیا کہنا
 اور ظاہر ہوا چھپانے سے
 تھے ملوث بہت ، سو مقتل میں
 ہاک خوں میں ہوئے نہانے سے
 کل تھے مجروح واعظِ مسجد
 آج نکلے شراب خانے سے

(۱۸۴)

جو کہ غیروں کو آشنا جانے
 وہ بھلا قدر میری کیا جانے
 راز الفت چھپا رہے دل میں
 لطف کیا ہے جو دوسرا جانے
 عشق کو ضبط وہ کرے ، تو کرے
 آگ کو خس میں جو چھپا جانے

زاہدِ ورع پشہ و مسکین
دل لگی کے مزے کو کھا جانے

مالک مسلک محبت یار
آپ کو اپنا رہ نما جانے

ہے وہ عارف ، جو دولتِ دلیا
دیکھ لے اور غلط نما جانے

فرش گل پر جو خوابِ ناز میں ہو
میری بے چینیاں وہ کیا جانے !

جانِ ستان ہے مرض ، سراضِ فراق
ابتدا ہی کو اتھا جانے

دل تو اک چیز ہے مرا ، لیکن
مفت پر ہے وہ ، قدر کیا جانے !

اے مجروح کا جو ہو چھا حال
ہنس کے بولے : ”مری ہلا جانے“

(۱۸۵)

جس کا ”رو ہے وجہِ حیرانی مری
اس نے صورت بھی نہ پہچانی مری

جو ہے سو فکرِ گرفتاری میں ہے
میری دشمن ہے غوشِ الحاقِ مری

کچھ نہیں ہوں اور پھر سب کچھ ہوں میں
قطرگی میں دیکھ عتاقِ مری

دیر تک نظارۂ قاتل کیا
 آج کام آئی گلاب جانی مری
 ہو گیا ہوں ہم سرِ زلفِ دوتا
 ان کو بھاتی ہے پریشانی مری
 کہنگی کا ہے ہنرِ فرسودگی
 کیا رہی ثابت مسافری مری !
 جو کہ ہیں عیبِ لباسِ ظاہری
 وہ چھپا دیتی ہے عریانی مری
 سہر ہر ذرہ ہے ، ہر قطرہ محیط
 اللہ اللہ رہے فراوانی مری
 وہ تصور میں گئے اغیار کے
 کچھ نہ کام آئی نگہ بانی مری
 اہرِ رحمت بھی اغیار آلودہ ہے
 قہر ہے آلودہ دانائی مری
 دل میں نشتر کو نہ دیکھا ہو اگر
 دیکھ کلوں ہائے پنهانی مری
 میں کسی کا خانہ دولت نہیں
 چرخ کیوں کرتا ہے ویرانی مری ؟
 حسرتِ جاوید کی خواہش کسے
 کوئی دنیا میں نہیں ثانی مری
 اتنا اے مجروحِ سائب کسی لیے ؟
 چار دن ہے ہستی ثانی مری

(۱۸۶)

دوا کچھ نہیں تیرے بیمار کی
 مفرح مگر لعلِ قدر بیمار کی
 کہیں آنکھ جھپتی نہیں بیمار کی
 غموشی ہے باب طرزِ اظہار کی
 دیا حق نے ہے لن ترانی جواب
 ہوئی ہوچھ کس جا طلبِ کار کی
 وہ بن لہن کے گھر سے لٹکتے لگے
 ہکاڑا ہے صحبت نے اغیار کی
 مری جنسِ ناقص کو لینا ہے کون !
 توجہ ہی اس ہے خریدار کی
 کوئی دوست کا اپنے دشمن نہیں
 یہ ہیں خاص طرزِیں سرے بیمار کی
 عوض اس کے دینے ہیں حور و قصور
 تسلی ہو کیا طالبِ بیمار کی
 نکلتی نہیں جان کیوں ہجر میں ؟
 یہ حسرت ہے کیا اس کے دیدار کی !
 کہہ سکتی ہے دل میں سناں کی طرح
 صدا ہے یہ کس نو گرفتار کی
 گئے ہم صغیرانِ رنگین لونا
 ہوس اب کسے سیرِ گلزار کی

نالک کو ہدی سے کبھی بس نہیں
 یہ خو ہو گئی اس جفاکار کی
 کوئی کوہ کن ہے ، کوئی دشت گرد
 نہیں عشق میں قدر بیکار کی
 وہ اک رات بھی آن سوئے یہاں
 لسم غیر کے جنتِ پیدار کی
 وہ آنکھوں کے ملتے ہی شرما گئے
 کھلی کچھ نہ اترار والکار کی
 کہیں زخمِ مجروح کا بھر نہ جائے
 نشانی ہے یہ خنجرِ بار کی

(۱۸۷)

جز عرضِ حال گو کوئی چارہ نہیں مجھے
 ہر اس کے آگے بات کا پارا نہیں مجھے
 ہم جانتے ہیں ، کام یہ ہانکی ادا کے ہیں
 تلوار سے تو آپ نے مارا نہیں مجھے
 جتنا کہ رشکِ غیر سے مشتاقِ مرگ ہوں
 اتنا تو اشتیاقِ تمہارا نہیں مجھے
 اک جبرِ ایسا مولیٰ تنہائی تھا ، سو آہ !
 مدتِ ہستی کہ وہ بھی سہارا نہیں مجھے

آرام اپنے گوشہٴ عزلت میں خوب ہے
 ہوائے قصرِ قیصر و دارا نہیں مجھے
 میں نے کہا کہ ”ہوسہ نہ دے ، پشہ تو مہی“
 بولا : ”کچھ اعتبار تمہارا نہیں مجھے“
 عیبت اپنے حال میں ہے اس قدر اچھے
 پہچانتا وہ ہمارے خود آرا نہیں مجھے
 کیا اس میں چین ہائے جو آس میں امید ہو
 کچھ احتیاجِ عمر دوبارا نہیں مجھے
 باغِ جنان و سایہٴ طوبیٰ ملے تو کیا !
 وہ بت جدا رہے تو گوارا نہیں مجھے
 مستی میں رازِ کون و مکان بربلا کہوں !
 ہر کیا کروں ؟ مغال کا اشارا نہیں مجھے
 بیگاہ وار کرتا ہے اس طرح گفتگو
 گویا کہ اس حریف نے سارا نہیں مجھے
 گو بھر عشقِ خوب ہے بھرِ شناوری
 آتا نظر رہے اس کا کنارا نہیں مجھے
 بھروسہ خستہ مراد گیا ہو ، خبر تو لو
 عرصہ ہوا کہ اس نے ہٹکرا نہیں مجھے

۱۔ دونوں نسخوں میں یہ شعر یوں ہے :

مستی میں رازِ کون و مکان بربلا کہوں

ہر کیا کہوں مغال کا اشارا نہیں مجھے [مرتب]

(۱۸۸)

وہ ہیں طالب تو پوچھنا کیا ہے
جان ، جانان سے بھی سوا کیا ہے ؟

مہ کو ہونا پڑے گا شرمندہ
یہ نہ پوچھو کہ مدعا کیا ہے

کل وصل ہیں ، ضرور ہے شب وصل
تیری حاجت ہی اے حیا کیا ہے ؟

اک لگاؤ کرم ہے ، ہو کہ نہ ہو
ارزشِ جانِ مبتلا کیا ہے ا

فرضِ عاشق ہے جان کا دینا
اور اس بات سے سوا کیا ہے ؟

سوزِ غم سے نہ دل ہونے جب تک
شورشِ عشق کا مزا کیا ہے

قیس و فرہاد نے اڑائے مڑے
عشق بازی میں اب دھرا کیا ہے ا

ہے وہی ایک ، مختلف اوضاع
سوج نمود بحر سے جدا کیا ہے ا

لائی اس دست و پا کو قابو میں
تیری تقدیر اے حنا ، کیا ہے ا

جان کو چھوڑتی نہیں تفت میں
ہے قضا ، آپ کی ادا کیا ہے ا

اُن کو منظور خود ہے کم نکسی
تیری تصویر، اے حیا، کیا ہے !

ہوتے ہو ملتے ہی قرش ابرو
اس ملاقات کا مزا کیا ہے ؟

ذکرِ اعداء جو سن کے میں پکڑا
ہنس کے بولے : ”بھئی ہوا کیا ہے ؟“

ہمہ تن گوش ہو جو تم مجروح
ذکرِ شربِ شراب کا کیا ہے ؟

(۱۸۹)

سر کوئی ہے میرے جدا کیجے
یہ بھی جھکڑا ہے ، فیصلہ کیجے

عجہ یہ تہمت صنِ پرستی کی !
شیخ صاحبِ اخلا خدا کیجے

لعل کو اس کے لب سے کیا نسبت ؟
یہ بھی اک بات ہے ، سنا کیجے

سو وہ آتے ہیں جلد ، حضرت دل !
لشکرِ صبرِ گریز ہا کیجے

ہم غنیمت اسی کو سمجھیں گے
سو وفا ، وعدہ جفا کیجے

اپنا کینہ بنوں کہ یادِ رقیب
کس طرح اس کے دل میں جا کیجے

ہاں تو مطلب ہی کچھ نہیں رکھتے
جو کسی سے کہیں : ”روا کیجے“

مدعی گھات ہی میں رہتے ہیں
کیوں کہ واں عرضِ مدعا کیجے

قطعاً

دکھ جو مجروح نے سہے ، علم ہے
اس کا کیا شرحِ ماجرہ کیجے

مرگیا وہ ، یہ یاد آتا ہے
اس کا کہنا کہ ”آہ کیا کیجے“

سخت مشکل ہے یار کا کھلنا
یہ گرہ کس طرح سے وا کیجے

صبر کے فائدے بہت ہیں ، ولے
دل ہی بس میں لہ ہو تو کیا کیجے

غیر کی ، اسباب کی ، دریاں کی
کس کی جا جا کے النجا کیجے ؟

اس کی وہ آئینہ اب نہیں مجروح
جلد کچھ اپنا سوجھتا کیجے

(۱۹۰)

اب ضعف ہے نہ ہوجہ جو کچھ میرا حال ہے
نقشِ لکھیں ہوئے ، ایٹھ کے اٹھنا محال ہے

اس لازیں کا خواب میں آنا محال ہے
اے شوقِ بے ادب ! تجھے یہ کیا خیال ہے ؟

کچھ عرضِ مدعا کی ضرورت نہیں وہاں
اہلِ غرض ہوں ، خود مری صورت سوال ہے

ہر چیز کا کمال ہے آپسگی کے ساتھ
آخر ہے جو کہ بدر ، وہ اول ہلال ہے

ہجران میں اب تو ہے یہ اذیت کہ آج کل
ہم کو حرام موت بھی مرنا حلال ہے

ہر جا ہری رخوں کا ہے جنگھٹ لگا ہوا
آراستہ عجب مری ہزمِ محال ہے

دیکھو کہ ماہتاب لکد کوہِ خلق ہے
ہا جو کہ سرفراز ہے وہ ہمال ہے

سیلابِ دجلہ ریز تھا ہا ہوگا سراب
وہ ابتدائے عشق تھی اور یہ مال ہے

وہ کون سا ہے کل جو نہ کھائے ہی گر ہوا
سچ ہے کہ ہر کمال کو آخر زوال ہے

انوارِ بخششِ پست و بلند جہاں ہے بدر
یکساں ہے اس کا فیض ، جو صاحبِ کمال ہے

اس کی کمر نہ آئی کسی ڈھبِ خیال میں
سچ ہے کہ جزوِ لا یتجزیٰ محال ہے

آلودہ گناہ نہ دلیا ہے جاؤں کا
ہاں غسل کے لیے عرفِ انفعال ہے

مہرِ جبرج اور کسبِ کمال و ہنر ا غلط
ہاں ہے کمال ہونے میں صاحبِ کمال ہے

(۱۹۱)

نغمہ "ماز سنا ہے جو دم ماز مجھے
یاد آتی ہے کسی شوخ کی آواز مجھے
لکلی آواز جو ہیں ، دام میں ڈالا ، یہ چرخ
دیکھ سکتا ہی نہیں زمزمہ پرداز مجھے
اس کی روداد سمجھ کر ہونہ کیوں کر دل بند
آج آیا جو نظر یار کا در باز مجھے
اپنی کاہستگی ضعف سے کھٹکا ہے یہی
ساتھ لے کر تہ اڑے آہ فلک تاز مجھے
ہم صغیرانِ چمن کو تو سرِ غصہ کر لوں
ہے یہ مہلت ، فلکِ تفرقہ پرداز ، مجھے ؟
ہے وہ طرار ہر اک ڈھب سے پہنچانے والا
چھوڑتا کب ہے بھلا غمزہ غار مجھے
طرز کا حضرتِ غالب کی تتبع ہو اگر
وہ تو مہرِ جبرج ہو سرمایہ "مدِ ناز مجھے

(۱۹۲)

پاک آنے ، غرقِ عیبیاں ہو چلے
ساتھ جو لائے تھے وہ بھی کھو چلے
اب وہ پہلی سی نہیں کچھ بھیشاں
بارے کچھ وہ اب تو سیدھے ہو چلے

جب مجھے گھر میں نہیں ہاتے ، تو وہ
آ کے کہتے ہیں کہ ”ہم تو ہو چلے“

باغِ عالم کو جو دیکھا ہے ثبات
مثلِ شبنم ہم بھی آ کر رو چلے
کب مقبرِ دہر ہوں اہلِ فنا
وہ گزر تھا ، اس طرف بھی ہو چلے
ابتدائے عمر اور غفلت کا زور
شام سے پہلے ہی ہم تو سو چلے
راہِ مسجد کی لہِ یاد آئی مجھے
جب چلے ہم ، سسے کدے ہی کو چلے
کچِ روی سے یہ لٹک ٹھٹکا نہیں
ورنہ ٹھک جائے ، ہمیشہ جو چلے
اس کا واہِ مجروح ہائیں گے سحر
جو کہ بابِ تخریرِ سعادت ہو چلے

(۱۹۳)

مجھے اور غیر کو باہم لڑا کے
الک ہو بیٹھے اک نغمہ الہا کے
ہنوتے کب ہیں سارے اس ادا کے
وہ چلنا ، ہاتے ، دامن کو الہا کے
الہیں سمجھو نہ تیروں کا پرستا
کرشمے ہیں یہ چشمِ فتنہ زا کے

دیا پہلے ہی دل ، اب دوں تو کیا دوں ؟

بھی شرمندہ کیوں کرتے ہو آ کے ؟

یہ شغلِ عشقِ بازی ہے کہ جس میں

مڑے ہیں ابتدا میں انتہا کے

وہاں اغیار سے ہے گرم صحبت

یہاں شکوے ہیں بختِ نارسا کے

ترا کوچہ مگر ملکِ عدم ہے

نہیں پھرتا ہے واں سے کوئی آ کے

حقیقت گو نہیں کھلتی ، ہمہ زاہد

تجسس میں ہے اصلِ مدعا کے

وہ کوئی رنگ ہو ، پر ہے ہمیشہ

وفا کرتے ہیں پردے میں جفا کے

وہ سبھیوں نقشِ دیبا خطِ بطلان

جو ہیں تسخیرِ نقشِ پوریا کے

الہایا اس نے اک ظاہر کا پردہ

ابھی پردے اٹھانے ہیں حیا کے

بہت ہیں حسنِ پرا لہازانِ مہ و مہر

چکا ہی دو نہ اس جھگڑے کو آ کے

عدو کو بزمِ آرائی مبارک

لشایع ہیں یہی بختِ نارسا کے

ملے مجروح سے غلے میں زاہد
ہوں ہی شہرے تھے ان کے اثناء کے

(۱۹۴)

لگی رہتی ہے ہر دم اس کے پا سے
پہا جاتا ہوں میں رشکِ حنا سے
جہاں ہیں آبِ خنجر کے پہا سے
بجھے کیا تشنگی آبِ ہنا سے
یہ ہے خاصی اس کی طرزِ دلِ رہائی
مزا ملتا ہے قہرِ لطفِ زا سے
کرے تاثیر کیا آہِ شرورِ ریز
وہ بچ کر چلتے ہیں میری ہوا سے
یقین ہے ان کے مل جانے کا ہم کو
شبِ غم کم نہیں روزِ جزا سے
عجب کیا ہے جو میرے گھر میں آجائیں
وہ اتنے پھولتے ہیں التجا سے
اثر معلوم ، لیکن یہ ہی بس ہے
انہیں کھٹکا تو ہے میری دعا سے
ہوئے فرسودہ اپنے لائنِ شوق
یہ الجھاؤ رہے بندِ قبا سے

سکیں ہے خاک ، آئینے پہ ، سچ ہے
 کدورت سب کو ہے اہلِ صفا سے
 ہر اک دم ہے طلبِ کراہات
 اجابت کیوں نہ گہرائے دعا سے
 وفورِ شوق نے غطّ ہی بکاڑا
 ہوا مشکوکِ مطلبِ جاہجا سے
 کیا شکوہ جو غیروں کا تو بولے :
 ”یوں ہی تم جلتے رہتے ہو صدا سے“
 یہ قدغن ہے ، نہ لے جا نگہتِ زلف
 وہ بدِ خواب تو لڑتا ہے ہوا سے
 بتوں سے اتنا کیوں دیتے ہو مجروح
 ملائیں گے یہ کیا تم کو خدا سے ؟

(۱۹۵)

نہ کیا عرضِ مدعا مل کے
 دل میں ارمان رہ گئے دل کے
 وہ جب آتا ہے ، اس کے لینے کو
 ہوش جاتے ہیں اہلِ محفل کے
 عزمِ بالجزم چاہیے ، پھر تو
 ہر جگہ ہیں نشانِ منزل کے

ایک ہی وار میں تمام کیا
دست و پا بھی ہلے نہ ہسل کے

ہم وہاں جائیں کیا کہہ پہلے ہی
غفلتے ہیں شکستِ محفل کے

ہے نصیحت درست نصائح کی
کیا وہ سمجھے معاملے دل کے

جذبِ کامل ہو قیس کا تو ابھی
پردے اٹھ جائیں آپ محفل کے

شریتِ وصل دیجیے پا زہر
رد نہ کرنا سوالِ مائل کے

حظ اے کیا بہشت میں ، جس نے
رنگ دیکھے ہو ب تیری محفل کے

لطفہ

صحبتِ بد میں نیک بد ہو جائے
تجربے ہیں یہ عقلِ کامل کے

آبِ طاہر کشتہ ہے لیکن
خود نجس ہو شراب میں سل کے

کس ادا سے ہے ہاتھ میں شمشیر !
ہوے لوں کیوں کہ دستِ قاتل کے

آہ آہن شکن کو کیا روکوں
ٹکڑے اڑ جائیں گے سرے دل کے

ہے طلبِ نذر دل کو لایا ہے
 حوصلے دیکھ اہلے ہے دل کے
 ایک آزاد طبع ہے مجروح
 ہم بہت اس سے خوش ہوئے دل کے

(۱۹۶)

واہ ، کس درجہ کی جفا تو نے
 کر دیا مجھ کو بے وفا تو نے
 کب وہ پردے سے منہ دکھاتی ہے
 کی مدد آئے شعلہ زار تو نے
 لا کے اس کی شہرِ عطر آگئی
 مجھ کو تڑپا دیا صبا تو نے
 آ ہی پہنچا تھا محسب ، تا دیر
 میری عزت رکھی خدا تو نے
 دلِ عاشق کو توڑتے رہنا
 خوب ڈالی ہے یہ رینا تو نے
 نکلت بوسقی کو لا کے صبا
 مجھ کو دھوکا ہی تھا دیا تو نے
 واہ اے عشقِ نامِ عزت کا
 کھو دیا سب رہا سہا تو نے
 کس سے کہتا ہے یہ کہ صبر کرو
 وہ تو پہلے ہی لے لیا تو نے

کیا ہے آوازِ جان کا دہنا
 منہ سے اک یہ بھی کہہ دیا تو نے
 اب مرے ہا جیے کوئی بدل
 کام اپنا تو کر لیا تو نے
 قتل کو میرے آگئے ، ہارے
 یہ تو وعدہ وفا کیا تو نے
 چھوڑ دیکھو کہ کر کے ذکرِ بدو
 مجھ سے کہتے ہیں: ”کچھ سنا تو نے؟“
 قیمتِ بوسہ ہوجھنے سے گئے
 نرخ آٹنا گراں کیا تو نے
 دل سی شے سولہ دی اسے مجروح
 ارے نادان ! یہ کیا کیا تو نے ؟

(۱۹۷)

جس کو خورشید نے نہ کچھ کم کی
 وہ سماں ہے اس شبِ غم کی
 تخت اور جام کیا ، کوئی دن میں
 خاک اڑتی پھرے گی غودِ جم کی
 سنگ و آہن نہیں ہے ، یہ دل ہے
 تاکجا تاب جو رہیم کی !
 وقت آخر مریضِ غم کا ہے
 آبد و شد رہی ہے کچھ دم کی

دل عاشق کو چھوڑتی ہیں نہیں
 قہر کھاتیں ہیں زلفِ ہر خم کی
 تیرگی بخت کی نہیں جلتی
 کیا سیاہی ہے وہ شبِ غم کی ؟
 پیاس اس کے زیادہ جا جا کر
 ہم نے تو قہر اپنی خود کم کی
 مجھ سے مجروح کیوں الجھتے ہو
 زلفِ ان کی صبا نے برہم کی

(۱۹۸)

ہاں! کس کو خوشی رہتی ہے اعداء کی خبر کی !
 میں بھی ہوں بشر ، مجھ سے نہ ہائیں کرو شر کی
 دل زخمیوں سے ہے چور ، جگر داغ سے معمور
 حیران ہوں خبر لوں میں ادھر کی یا ادھر کی !
 بڑ جانے کا زرد آتے ہیں اس مہر جیوں کے
 کھل جانے کی اب سب یہ حقیقت کل تر کی
 ہم لوگوں میں ہو رہا نہ باہم تو عجب کیا
 جب گرم نہ محبت رہی موسیٰؑ و خضرؑ کی
 میں جانتا ہوں ، ہوتے ہیں جن جن سے اشارے
 محافل نہ سمجھ ، تاک میں ہوں روزِ در کی

اپنی تو طبیعت میں ہے آزاد مزاجی
 کچھ سود کی خواہش ہے نہ ہے فکر ضرر کی
 اے دستِ جنوں ، ہجر کی شب میں نہیں تھمنا
 ہاں دھجیاں اڑ جائیں گریبانِ سحر کی
 اک وار سے گر کچھ سرائواز تو جائیں
 تعریف تو سنتے ہیں بہت سیلِ دوسر کی
 اس رخ پہ بڑے رہنے کا ڈھب تو ہے نکلا
 بتا ہوں نقاب اس کے لیے تارِ نظر کی
 اغیار کے ملتے سے کبھی سیر نہ ہو گے
 جھوٹ یونہی کون کھاتے ہو تسمیں سرے سر کی ؟
 کچھ زرد ما آتا ہے نظر چہرہ خورشید
 شاید کہ نقاب اس رخِ کمر نور سے سر کی
 ہے دیکھنا اس طرح کہ گویا نہیں دیکھا
 کیا تم کو خبر ہے یہ شرارت ہے نظر کی ؟
 کثرت سے ہر اک چیز کے رک جانا ہے رستہ
 روکی ہے دعاؤں نے سری راہ اثر کی
 ہے جنس کے اوصاف سے ہم جنس ہی واقف
 زیبا ہے دہن سے لری تعریف کمر کی
 پتھر کو بناتی نظرِ سحر ہے یانوں
 ہر عیب کو کھوتی ہے نظرِ اہلِ نظر کی
 دربان سے کام اپنا خوش آمد سے نکلو
 مجروح وہی نکلو گے تکرار اگر کی

(۱۹۹)

سو محبتِ اعداء نے کیا اور اثر بھی
 وعدے کی طرح پھرنے لگی ان کی نظر بھی
 نسبت بھی ہوئی وہ کہہ جو کام ایسا بکاڑے
 ہے بند مہرے دل کی طرح یار کا در بھی
 عاشق نہ سمجھتے تو وہ منہ کو نہ چھپاتے
 کھویا دل بے تاب نے وہ لطفِ نظر بھی
 یہ کیا کہ ہمیں مرنے ہیں، ہاں لطف تو جب ہے
 تاثیرِ محبت جو ادھر ہو تو ادھر بھی
 ہو طالبِ دیدار، مگر حضرتِ موسیٰؑ
 فرمائیے یہ، آپ میں ہے تابِ نظر بھی؟
 جس طرح زیاب کھولی ہے دشنام دیں ہر
 میں آؤں تو اس طرح سے کھلوائیے در بھی
 دل دادۂ اعداء ہو، کہیے دینی ہیں آنکھیں
 چھپتا ہے کہیں عشق کا اندازِ نظر بھی !
 سیراب ہوئے تشنہ سے تیرے کرم سے
 اے ساقیِ مستان ! لکھ سہرِ ادھر بھی
 اللہ دے شبِ فرقتِ چنان کی درازی
 ہم کو تو فراموش ہوا لامِ بحر بھی
 اب میری عداوت ہے، کہو بالذہو گے کسی کو؟
 کام آ ہی نہ جاتی تری ہوتی جو کمر بھی !

اس کوچے میں میرا در و دیوار ہے دشت
لو آنکھ دکھاتا ہے مجھے روزِ در بھی
اے قہرِ نگہ ، دل ہی سے جانا نہ نکل کر
ہے لہضِ قدم کا ترے مشتاق جگر بھی
گوشہ سلامتِ اعمال سے اب گوشہ نشین ہے
پر اصل میں محسوسِ ملائکہ ہے بشر بھی
دیوانہ ہوں ، ہے دشت ہی میں میرا ٹھکانا
جنگل ہی کی صورت مرا ویران ہے گھر بھی
ہاں شوق یہ کہتا ہے کہ دیکھا کروں دنِ رات
واں فرطِ نزاکت سے نہیں تابِ نظر بھی
سو بار کیا بچہ ، ہم لہتا ہی نہیں ہے
کیا بار کا پردہ ہے مرا چاکِ جگر بھی ؟
جب قدرِ فزا ہو تو کھلیں طبع کے جوہر
موجود ہو کر نخلِ ثوبِ پستان ہو مگر ابھی
دمِ ناک میں آیا ہے ترے چارہ کروں کا
بیارِ محبت تجھے سرا ہے تو سرا بھی ؟
کس طنز سے کہتے ہیں مجھے دیکھ کے در پر :
”مہرِ جگر خستہ ، ترا ہے کوئی گھر بھی ؟“

(۲۰۰)

جان لی اس نے ، ہاں دھرا کیا ہے ؟
ملک الموت کو ہوا کیا ہے ؟

اتنا ملنا بھی ترک کر دو گے
یہ نہ ہو چھو کہ مدعا کیا ہے

دل میں کیا ڈھونڈتا ہے او بدلتا !
باب ترے درد کے سوا کیا ہے

کس کی حاجت ہے غارتِ دل میں
کم تری چشمِ رفتہ زا کیا ہے ؟

جب کہ حبلِ الودید سے ہے قریب
پھر تو ہم سے خدا جدا کیا ہے !

جس یہ بابِ اثر ہوئے مسدود
تیرے عاشق کی وہ مدعا کیا ہے ؟

دل ہے دہنا گنہ تو جاں لے لو
اور اس جرم کی سزا کیا ہے ؟

نہیں لنگھت شناس اپنا دماغ
تیری تقصیر اے صبا کیا ہے !

مے کدے میں میل مے ہو کاش
آج آوازِ صلا کیا ہے

جب ملیں پیچ و تاب کھاتے ہو
اس ملاقات میں سزا کیا ہے !

ہے جو آوازِ بریز بریز
درِ مے خانہ آج وا کیا ہے ؟

سایہ کیوں ساتھ ساتھ رہتا ہے ؟
 پار پر یہ بھی مبتلا کیا ہے ؟
 خود نشانی غطا کیا تو نے
 اس میں مجروح کی غطا کیا ہے ؟

(۲۰۱)

عشق میرا بڑھائے جاتا ہے
 اپنا جوبن دکھائے جاتا ہے
 کون آتا ہے مجھ مریض کے پاس !
 غش تو باب روز آنے جاتا ہے
 اس کا ملنا محال ہے لیکن
 شوق بہت بڑھائے جاتا ہے
 اے عمر پار کیوں نہیں آتا ؟
 کیا کوئی تجھ کو کھائے جاتا ہے ؟
 ظاہر دور ہاش و ناز نہاں
 ہاس اپنے بلانے جاتا ہے
 نہ اے شمع چاہیے نہ چراغ
 وہ تو بجھ کو جلانے جاتا ہے
 وہ ہے صنایع ، روز میرے لیے
 نئے جتان بنانے جاتا ہے
 دل مضطر وہاں نہ جا ، کہ کہیں
 کوئی بھی بن بلانے جاتا ہے ؟

الحفیظ اس کتاب کے تیروں سے
تیوری کو چڑھائے جاتا ہے

بھٹ میں غیر سے نہ ملنے کے
مارے پہلو بھائے جاتا ہے

کیا مغارب بھی ہے غیر کا ہنلا
مے ہلے ہلانے جاتا ہے

ریشکِ اعداء کا گون مرے دل کو
ہولے ہی ہولے کھائے جاتا ہے

ظرفِ مجروحِ بادہ کش دیکھو
خم کے خم ہی چڑھائے جاتا ہے

(۲۰۲)

یہ شوخی سے اس کی نظر ہو گئی
کمی نے نہ جانا کدھر ہو گئی

کبھی دیکھتے تھے ادھر بھول کر
اب اس سے بھی قطعِ نظر ہو گئی

قطعہ

وہ از بس ہے نازک ، تعجب ہے کیا
گراں طبعِ صداد اگر ہو گئی

نہ دام ہم کو ٹڑپنا نہ تھا
یہ بولے سے تصویر پر ہو گئی

لکڑاؤ اگر ہو تو اتنا تو ہو
وہاں بات کی ، یارب خبر ہوگئی

کسی طرح سیدھی نہ ہم سے ہوئی
یہ قسمت بھی اس کی نظر ہوگئی

کوئی پیش آیا ہے روزِ سیاہ
شبِ ہجر کی جو سحر ہوگئی ؟

چھپایا بہت رازِ الفت ، ولے
وہ کافر ادا پردہ در ہوگئی

ہوا گو یہ پرہادِ مشتِ غبار
صفائی تو ان سے مگر ہوگئی

ہمیں تو نہیں اس قدر بھی ثبات
بہت دیر تجھ کو شر ہوگئی

چلے آؤ گے بنِ ہلائے جہاں
کوئی آہ گر کلر کر ہوگئی

شبِ وصل ہے یا دمِ برفی ہے ؟
ابھی شام تھی یا سحر ہوگئی

تم آنکھوں کو اتنا جھکائے ہو کیوں ؟
کہیں کیا کسی کی نظر ہوگئی ؟

کہا حال اس ڈھب سے مجروح نے
کہ اس شوخ کی چشم تر ہوگئی

(۲۰۳)

ترا چھوڑ کر جو کہ در جائیں گے
 جیس گے وہ کیا خاک، مر جائیں گے
 غضب ڈھائے گا اور بھی سادہ پن
 وہ ہکڑیں گے جتنا، سنور جائیں گے
 دکھائے ہو کیا لیگر زہراب کوں
 ہم ایسے نہیں ہیں جو ڈر جائیں گے
 نہیں کچھ یہ کھلتا کہ مانند موج
 کدھر سے ہم آئے، کدھر جائیں گے؟
 بکھڑا ہے کہا فرقتِ یار میں
 نہیں بس چلے گا تو مر جائیں گے
 وہ در ہے مقرر مثلِ قبلہ ہما
 وہیں جا رہیں گے جدھر جائیں گے
 ہمیں فکرِ غور شیدِ محشر نہیں
 عرق میں غجالت کے تر جائیں گے
 اسی جوش پر ہیں بندھے! اشکِ چشم
 یہ دریا نہیں جو اتر جائیں گے
 مٹا کر محبت میں نام و نشان
 ہم عشاق میں نام کر جائیں گے

کوئی ہم نوا ہے نہ یاد آسماں
جو چھوٹے بھی ہم تو کدھر جائیں گے؟

یہ اہلِ عدم میں ہے اور ہم میں فرق
کئی وہ تو ، ہم ٹھیکر کر جائیں گے
نہیں کچھ وہ داد و ستد کے کھرے
نہ دینا انہیں دل ، مگر جائیں گے
ہے بزم ان کی مجروح کے برخلاف
پشیمان ہوں گے ، اگر جائیں گے

(۲۰۲)

ہے نشان یا کہ ہے نشان میں ہے
گفتگو آپ کے دہاں میں ہے
ہیں بیلائیں ٹپک رہیں ، شاید
کوئی سوراخ آسماں میں ہے
برق کو ڈھونڈتے ہو کیا ؟ دیکھو !
وہ بڑی میرے آستان میں ہے
ہو چلتے ہیں وہ کسی تعجب سے :
”کوئی ہم سا بھی کیا جہاں میں ہے ؟“
وہ کسی پر کھلا نہیں اب تک
جو کہ لکتہ ترے دہاں میں ہے
دل ہم وہ چھا رہا ہے رنگِ چمن
موسمِ گل ہمیں خزاں میں ہے

انتظار اس کا کر رہا ہے کام
دم کہاں جسے لاتواں میں ہے

رشتہ غلطیال پر بہت ہے ، ولے
آپ کا ہاؤس درمیان میں ہے

جز غمِ مرگِ دوستوں اے غمِ
کیا دھراسر جاوداں میں ہے ؟

ہے ہر اک چیز اصل ہر راج
خاک اس تیرے خاکدان میں ہے

کیا کروں ؟ گر نہ دام میں جاؤں
دل ہی ہے چپ آشیان میں ہے

تین سے اس کی بچ گئے تو کیا
تیرے دل دوز بھی کہاں میں ہے

اور تحفہ لے ڈھونڈ اے مالک
جب کہ یوسفؑ ہی کارواں میں ہے

ہے زباں اس کے وصف سے عاجز
لطف جو سیر کی زباں میں ہے

بات ہوتی نہیں لبوں سے جدا
کا حلاوت لیرے بیاں میں ہے

طرفہ وہ ہے سکات ہے بھروج
جس کا خواہاں ہر اک مکمل میں ہے

(۲۰۵)

پرزہ گردی میں زاس وہ بت ہرجائی ہے
 آج اللہ نے صورت ہمیں دکھلائی ہے
 ہے شبِ بجر میں اتنا ہی سہارا کافی
 بدلے کھانے کے نہ کھانے کی قسم کھائی ہے
 مجھے اس دشتِ پر آشوب میں جینا ہے محال
 حضرتِ خضر کو یاں موت مگر لائی ہے
 شیخ، سے خانے سے کیا کام ہے، میں نے توفیق
 طبع دو چار گھڑی آن کے بھلائی ہے
 سپروش ، وعدہ شب کر کے ہوا یہ غائب
 کہ سحر شکل مجھے آن کے دکھلائی ہے
 ان کا یاں میری عبادت کو تو آنا معلوم
 یاں مری موت تو لینے کو خبر آئی ہے
 بادہ پٹائی ہو اعناء کو مبارک ، اس سے
 یاں تو قسمت میں لکھی بسادیہ پٹائی ہے
 کہتے ہیں ظہر سے : ”بے سودہ سرا ہے مجروح
 اس کی باتوں پہ نہ جالا کہ وہ سودائی ہے“

(۲۰۶)

غیر بدلت سے یہ نہاں ہی سہی
 رازِ میرا ترا دہاں ہی سہی
 چھٹ کے کعبہ ملا صنمِ عالیہ
 دل لگی سے غرض ہے ، یاں ہی سہی

کچھ تو خواہش میں چاہیے کابش
 گر نہیں فصلِ گل ، خزاں ہی سہی
 رشک اس پر بھی آ ہی جانے کا
 پہاس اس کے سرا مکان ہی سہی
 روز ستے ہو قصہ حمزہ
 آج تو میری داستان ہی سہی
 ہم تو لاکھیاں ہیں ہر طرح
 آسماں اس کا آستان ہی سہی
 سازِ بے جا تو اٹھ نہیں سکتے
 غیر تیرا مزاج داں ہی سہی
 چھیڑ ہوتی رہے شکایت کی
 وہ نہیں ہے تو آسماں ہی سہی
 دور چلے سے گر تھکو مجروح
 تو مکمل اپنا لا مکان ہی سہی

(۲۰۷)

چالِ شاہدِ مقصد کہیں دکھا ساق
 صراحتِ منے ہے عش کو جلد لا ساق
 جہاں میں بزم نہیں سے کدے سے رنگیں تر
 دھری شراب ہے ، بیٹھے ہیں جا بہ جا ساق
 یہاں تو اور کسی چیز سے نہیں مطلب
 ہارا جام تو مقصد ہے ، مدعا ساق

ہوا ہے وا درِ سے خانہ اور راندوں کی
ہر ایک سمت جی دھوم ہے کہ "لا ساق!"

نہیں ہونے ہیں حریفانِ بادہ کش ہدست
تو اپنی مست نگاہیں الہیں دکھا ساق

جہاں ہے پیرِ مغان سے ارادتِ ازلی
شرابِ خاص یہی گے، یہ دیکھنا ساق

سوالِ بادہ کریں کیا کہ دیکھ کر تجھ کو
ہمارے ہوش ہی رہتے نہیں جیسا ساق

ضروریاں کسی سے کشمکشِ روح ہے موجود
جو خود بخود ٹرا ساحر چوٹک گیا ساق

لہ اس قدر ہونکِ ظرف، دے کے جامِ شراب
تو مجھ سے میکشِ مفلس کی لے دعا ساق

ہوائے سرد میں یہ سردمہریاں تا چند ا
گلاسِ آئرشِ سیال کا ہلا ساق

ہمارے دل کو ہے اس بزمِ مختصر کی طلب
کہ جس میں مطربِ رنگیں لوا ہو یا ساق

یہ سے کدہ بھی ہے اجاجرِ نیرین کی جا
کہ آفتاب تو بادہ ہے، مہ لقا ساق

کبھی لہ جام چھلکتا ہوا ادھر لایا
کدہ مدام یہ تجھ سے ہمیں رہا ساق

نہیں ہے سے کدے میں قدرِ شیخ، اے مجروح
اے تو گالیاں دیتا ہے ہر ملا ساق

خمیسہ برغزلِ قدسی رحمة اللہ

اے شہ کون و مکان ، تو ہے وہ ذی شان نبیؐ
 فخر کرتی ہے قسری ذات یہ عالی نسی
 ورد اپنا یہ ہے ، اے ہاشمی و مطلبی
 مرجبا سجد مکی مدنی العسری
 دل و جان ہادِ فدایت کہ عجب خوش لقی

پرتوِ مہر سے ہو جانے ہے عالم پُہنوز
 کہتے ہیں خسروِ خاورد اے ، یہ ہے دستور
 تیرے تابع ہے جہاں ، گرچہ یہ عنوانِ مدور
 ذاتِ پاک تو دریں ملک عرب کردِ ظہور
 زانِ حبيب آمدہ قراب یہ زبانِ عربی

واقف اس بات سے ہیں خاص سے لے کر تا عام
 کہ ہوا دولوں جہاں کا ترے باعث سے نظام
 تو سحابِ کرم و فیض ہے ، اے فخرِ اقسام
 نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سر سبز مدام
 زانِ شدہ شہرۂ افاق یہ شیریں وطنی

روشنی میں مہ و غور کا ہے کہاں یہ عالم
 حسن میں یوسفؑ و یعقوبؑ کو بھی دیکھ کے کم

غرقہٗ بحرِ تعمیر بخدا ہوں اس دم
سب بے دل یہ جہاں تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جہالتِ بدلیں ہوا المعجی

اس طرح جسم میں کس شخص کے ساتھ نہ ہوا ؟
سر پہ یوں کس کے رہا ابر کا ہر دم سایا ؟
رقبہٗ قرب یہ معراج کا کس کو ہے ملا ؟
لستے لیست بذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم ، تو چہ عالی لسی

کچھ عجب بند مصائب میں پہنسا ہوں ، ہے بات !
ایک میں کیا کہ زمانے ہی کے بد ہیں حالات
نہج سوا کس سے کہیں ، اے خضرِ رابرِ نبات
ما ہمہ نشنہ لبالم ، تونی آبِ حیات
لفظِ لہو ما کہ ز حد می گزرد نشنہ لسی

اللہ اللہ رے گردوں دویِ توسلِ پاک
جس کی تعریف میں درمالدہ خیال و ادراک
یوں نظر جیسے کہ آئینے سے نکلے چالاک
شبِ معراج عروجِ تو گزشت از افلاک
یہ مقامے کہ رسیدی نہ رمد بیچ لسی

سرورِ سہو خطا سے ہے خمیرِ آدم
بخشنا میرا گنہ ، تو ہے شفیعِ آدم

۱۔ لفظ "وحد" میں یہ مصرع یوں ہے :
"رقبہٗ قرب یہ معراج کا ہے گھس کو ملا ؟" مرتب

دل کو رہتا ہے اسی بات کا دُوب رات الم
 نسبتے خود بہ سکت کردم و بس منفعلم
 زان کہ نسبت بہ سگِ کوئے تو شد بے ادبی

نہ امیری کی ہے حسرت نہ گمنائے شہی
 الکہ ہے خواہشِ مجروحِ دل انکارِ یہی
 یاد میری بھی ، کہ مداحِ ہوبِ شاہا میں بھی
 سیدی ، انت حبیبی و طیب قلبی
 آمدہ سوئے تو قلسی ہئے قمرابِ طلیی

خمسہ ہرغزل میر تقی صاحب میر

شب و روز ہی وصل منظور ہے
 مگر سعی میں اس کی معذور ہے
 یہ کیا اپنی خواہش سے سہجور ہے
 کرے کیا کہہ دل بھی تو عجور ہے
 زمیں سخت ہے ، آہاں دور ہے

ملے وہ دوا جس کی ہو احتیاج
 نہیں دل شکست کا لیکن علاج
 ذرا احتیاط اس کی رکھنا تم آج
 دل ایسا نہایت ہے نازک مزاج
 گرا گر بہ شمشہ تو بس چور ہے

گرفتار الفت ہوا جب سے جی
 خبر کچھ نہ دیا و دہی کی رہی
 یہاں کون سی بات میں کی کسی
 کھائے دل کے لیے جان دی
 سلیقہ ہمارا بھی مشہور ہے

وہی آنشر شوق ہے مشتعل
 وہی شورش ذوق ہے متصل
 نہ بیروں کو دیکھ اور نہ اپنوں سے مل
 کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل
 وہی بے قراری بدستور ہے

ہوا اشکِ خونیں کا یہ اُستلم
 گئی سرجِ خوبِ نا بہ چرخِ ہم
 ہاری تو ہے عقل اس جا بہ گم
 کہو چشمِ خوبِ بار کو چشمِ ہم
 خدا جانے کب کا یہ لاسور ہے

اسی کی طلب ہم کو ہے بار بار
 نہ دل کو تسلی ، نہ جان کو قرار
 میں ہے تاب اور وہ تغافل شعار
 نہ ہو کسی طرح فکرِ انجہار
 بھروسہ ہے جس پر وہ مغرور ہے

نہ مجروح ہی کچھ اس سے ہے بہرہ گیر
 سیفِ آپ کا سب کے ہے دل پذیر

یہ فرمائیے یہ عدیم النظیر
 بہت سعی کیجئے تو سر رہے میر
 بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

یہ دامنِ عبت ہے وہ سخت گیر
 بس اس کا تو مجروح ہے یہ اخیر
 نہ اس میں سے چھوٹا ، ہوا جو اسیر
 بہت سعی کیجئے تو سر رہے میر
 بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

خمسہ برغزل میر یمنون صاحب

اس کے ہاتھوں تک رسائی ہو چکی
 ختم سب رنگیں ادا ہو چکی
 رنجہ وہ نازک کلائی ہو چکی
 بس حسا ، زور آزمائی ہو چکی
 دلبروں سے ہاتھ پائی ہو چکی

عشق کی ہیں شدتیں دل میں بہت
 ہیں ہوس کی جراثیم دل میں بہت
 وصل کی ہیں لذتیں دل میں بہت
 رات تھوڑی ، حسرتیں دل میں بہت
 صلح کیجئے ، بس لڑائی ہو چکی

میں تو خواہاں وصل کا اور فرطِ شرم
 آب و آتش ہو نہیں سکتے بہم
 اور اس پر یہ ہوا تازہ ستم
 آتشِ دل سے ہوا پہلو وہ گرم
 اس سے باہم سینہ سائی ہو چکی

آشیانے سے نکل میں تیرے بخت
 ہو گیا بس دام ہی میں ہائے یست
 کیا سناؤں تم کو اپنی سرگزشت
 بخت بد ، صیاد غافل ، بند سخت
 ہم اسیرِ دل کی رہائی ہو چکی

جو کہ ہے اک تند خو و کینہ کار
 اس سے میں باری کا ہوں امیدوار
 میری کہا گئی وہاں اور کیا شمار ؟
 آئے سے جو کہ ہگڑے بار بار
 اس خود آرا سے صفائی ہو چکی

دیکھتا مجروح بھی تھا اے جناب
 آپ کو مے سے بہت تھا اجتناب
 اب خلافِ وضع ہے تقویٰ مآب
 جرعہ مے کے لیے یہ اضطراب ؟
 میرِ ممنوع ، ہارمائی ہو چکی !

خمسہ برغزل میرزا اسد اللہ خان صاحب غالب

کم نصوت ہے کچھ روا نہ ہو
 درِ حاجت کسی پہ وا نہ ہو
 کیا حلیت کہوں کہ کیا نہ ہو
 درد منت کثر دوا نہ ہو
 میں نہ اچھا ہوا ، برا نہ ہو

کیوں عبت جا کے اپنا سر ٹکرائیں ؟
 ناحق احسان کیوں کسی کا اٹھائیں ؟
 اس سے جب آرزوئے دل ہی نہ پائیں
 ہم کہاں تست آزمائے جائیں ؟
 وہ ہی جب خنجر آزما نہ ہو !

رکھتا لبت جو ہے دہانِ حبیب
 شہد ، مصری کو وہ کہاں ہے نصیب !
 کیا کہوں ؟ ہات ہے عجیب و غریب
 کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
 گلاب کہاں کے ہے سزا نہ ہو

اس کی بخشش نے کی ذرا نہ کمی
 کچھ تلافی پہ ہم سے ہو نہ سکی
 کیا بڑی بات ہم نے کی ایسی
 جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
 حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہو

فکر کی قست آزمائے کی
 یعنی اس شوخ کو بلانے کی
 یہ سنو بات دل جلانے کی
 ہے خبر کرم ان کے آنے کی
 آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

دے خدا رحم ان حبیبوں کو
 کہ جلائیں نہ بدنصیبوں کو
 رنج دہتے ہو ہم غریبوں کو
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو ؟
 اک ہمانا ہوا ، گلا نہ ہوا

جب ہے عقل و محضر آتی تھی
 تیرے ہی در پہ جبہ ساقی تھی
 دم ہدم عاجزی فزائی تھی
 کیا وہ سرود کی خدائی تھی ؟
 ہندگی میں مرا بھلا نہ ہوا !

ان کے جب بحرِ فکر بہتے ہیں
 ہم گو بھروج غرق رہتے ہیں ؟
 آپ کیوں طعن ، طنز سہتے ہیں
 کچھ تو بڑھتے کہ لوگ کہتے ہیں
 آج غالب عزل سرا نہ ہوا

خمسہ بر غزل میرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب

لا تقنطوا نوید ہے ام الکتاب میں
 زاہد گناہ خلق ہیں وان کسی کتاب میں ؟
 ہے عرض یہ جناب تقدس سبب میں
 کل کے لیے کر آج نہ خصمت شراب میں
 یہ سوہ ظن ہے ساقی کوثر کے باب میں

کو آرزوئے دہد میں تمیں بے قرار ہوں
 ہرگز وہ یان نہ آئیں گے ، میں گو طلب کروں
 پر کچھ تو شغل چاہیے ، بے کار کیوں رہوں ؟
 قاصد کے آنے آنے خط اک اور لکھ رکھوں
 میں جانتا ہوں ، جو وہ لکھیں گے جواب میں

شادی و غم کو عشق میں اک اربطیات ہے
 اس میں کبھی حیات ہے گاے نبات ہے
 ہے طرفہ حال اور فنی واردات ہے
 میں ، اور حظ وصل ؟ خدا ماز بات ہے
 جناب نذر دینی بھول گیا اضطراب میں

حکمر خدا میں گولب چون و چرا ہے بند
 سالک ہے وہ ، حقیر گسریں خواہ سر بلند
 ہر دل تو اس خیال سے رہتا ہے فکر مند
 ہیں آج کیوں ذلیل ؟ کہ کل تک نہ تھی پسند
 گستاخِ فرشتہ بہاری جناب میں

ہم درد ، قہر نے بتِ خانہ خراب کے
 اوسان کھو دیے دل بے مبر و قاب کے
 آثار ہم سمجھ گئیے ان کے عتاب کے
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے
 ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں

اہلِ نظر سمجھتے ہیں ، عالم کا کیا وجود
 ہے اس کی ذات پاک سے ہر چیز کی نمود
 ہر ایک کو نہیں خبرِ نیستی و بود
 ہے غیبِ غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
 ہیں خواب میں ہنوز ، جو جاگے ہیں خواب میں

میں لاکھ جاں سے اپنی فدا اس پہ ہوں مگر
 میری اذیتوں سے خوشی ہے وہ لبتہ کمر
 ہے ہمارا میرا دشمن آرام کس قدر
 تا پھر نہ انتظار میں نیند آنے عمر بھر
 آنے کا عہد کر گئے ، آنے جو خواب میں

رکھتے ہیں گونہاں وہ جالِ نظارہ سوز
 سامانِ زیب رہتا فراہم مگر ہے روز
 لگھ سکھ سے تا درست رہے رونے دل فروز
 آرایشِ جال سے فارغ نہیں ہنوز
 ہمیشہ نظر ہے آئینہ ، دایم نقاب میں

تا ہو نہ اس کو میرے اٹھانے میں اہتمام
 محفل میں اس کی ہم نے نہ رکھا کسی سے کام

یاب تو صفِ نعال میں رکھا سدا مقام
مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام؟
ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں !

کہ شوخیوں جتا کے ملانا نگاہ کا
کہ شرمِ لاک ہو کے پھرانا نگاہ کا
اندازِ دلِ بڑی سے جھکانا نگاہ کا
لاکھوں لکاز ، ایک چرانا نگاہ کا
لاکھوں ہناؤ ، ایک پگڑنا عتاب میں

جب تک کہ پھیر خاصِ مقدر ہی کا نہ جائے
بتا نہیں ہے کام ، کوئی لاکھ گر بنائے
اس بات کا یقین کوئی کسی طرح سے لائے !
وہ سحرِ مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے مقبضہِ روائی ہو شراب میں

مقدور تک تو سعی میں یاں دست و پا ہلانے
پر کیا کریں ؟ مراد ہی جب کوئی ہو نہ آئے
یہ حال ہو تو خاکِ محبت کا لطف آئے !
وہ لالہ دل میں غصے کے برابر جگہ نہ ہائے
جس لالچے سے شکافِ پڑے آفتاب میں

ملکِ عدم کے دیکھیے عازمِ یہ کہا بنے
اس رہا میں ڈر بہت ہیں نشیب و فراز کے

ہر جس میں بس ہی اہنا نہ ہو اس میں کیا کرے !
 رو میں ہے رخشِ عمر ، کہاں دیکھتے تھنے
 نے ہاتھ ہساک پر ہے کہ ہا ہے رکاب میں

مجرور کو اس اس سے ہے خوب آگہی
 اب وہ نہیں ہے سادہ پرستی جو پہلے تھی
 بالکل ہی ترک مے ہو ، یہ ممکن نہیں ابھی
 غالب چھٹی شراب ، ہر اب بھی کبھی کبھی
 پینا ہوں روزِ اسر و شبِ سہ تاپ میں

خمسہ برغزل حکیم مومن خان صاحب

اس کی تو شوخیوں نہیں آتیں حساب میں
 لیتا ہوں چٹکیاں دلِ حسرت سآب میں
 یہ اور سلیے ، گرم وہ ہو کر عتاب میں
 کہتے ہیں : ”تم کو ہوش نہیں اضطراب میں“
 سارے گلے تھم ہوئے اک جواب میں

بے تابیوں کے دکھ ، جو دل زار نے سہے
 ہے کس کی تاپ یہ کہ اے گوش زد کرے
 تجھ کو نہیں یقین تو خود آ کے دھکے لے
 بے لالہ منہ سے جھڑتے ہیں ، بے گریہ آنکھ سے
 اجڑائے دل کا حال لہ ہوجہ اضطراب میں

تائیر بخش کچھ مرا جذب رہا ہو ، کاش !
 کچھ پاس عاشق کا اے آگیا ہو ، کاش !
 سوچا ہے جو کہ دل نے ، وہ اس نے کیا ہو ، کاش !
 دلوں کا ایک حال ہے ، یہ مدعا ہو ، کاش !
 وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں ؟

غیروں پہ اس کی فرط عنایت رہی ، رہی
 بے گانگیِ خو کی شکایت رہی ، رہی
 بے وجہ روٹھنے کی حکایت رہی ، رہی
 ہے منتوں کا وقت ، شکایت رہی ، رہی
 آئے تو ہیں ملنے کو وہ ، پر عتاب میں

سامانِ خوش دلی کا فراہم کہاں کیا
 کم ظرف دل نے وقت یوں ہیں رائیگاں کیا
 جو کچھ گزر گیا تھا اے کیوں یہاں کیا !
 کھولا جو دفترِ گلہ ، اپنا زیاں کیا
 گزری شبِ وعالِ ستم کے حساب میں

پہاں لگا ہے اپنی جو وہ فتنہ گر ہوا
 خوف و رجا میں اتنا زمانہ بسر ہوا
 یہ رنگ تو کچھ اور تہمت اثر ہوا
 چہرے جیسے کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا
 کیسے کشودِ کار کشادِ نقاب میں !

دل کو ملا نہ چین ، نہ آرام جان کو
 ہم سے تو دشمنی ہی رہی آہان کو

اب دیر کیا ہے ؟ دور کر امن و آسان کو
اے حشر ! جلد کرتہ و بالہ جہان کو
یوں کچھ نہ ہو ، اسد تو ہے انقلاب میں !

گم تاک جہانک دور ہے ، آنا گمے قریب
جرات وہ دستِ شوق کی اور یار شرم کی
ان التفاتِ خاص کا دھیان آگیا کہیں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
ہے بادہ مست ہوں میں شبِ ساء تاب میں

ایسا ہٹاؤ کوئی سا دلیا میں ہے مقام
جس جا کہ اس کے حسن کا شہرہ نہیں مدام
ویران کیوں نہ برزت و بازار ہوں تمام
رہتے ہیں جمع کوچہ "جائاب" میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

گو یار کے ستم کو فزونی ہے دم بدم
ہر باب رہا وہی سر تسلیم اپنا غم
ہوں وہی سدا یہی رد و بدل ہم
تائل جفا ہے باز نہ آیا ، وفا ہے ہم
فراق میں جو سر ہے تو جا ہے رکاب میں

فصلِ بہار آئی ، گیا موسمِ خزاں
اب بادہ لوشیوں کے یہ غل ہیں کہ الامان
فرماؤ زاہدو کہ میں ڈھولڈوں کہاں کہاں ؟
چرخ و زمیں میں تو یہ کا ملتا نہیں نشان
ہنگامہ " بہار و ہجومِ محاب میں

گو خواہشِ وصال میں کی سعی ہارہا
تھے طالبِ محال ، نہ کچھ فائدہ ہوا
باقی کچھ اب نہیں ہے ، ادھر دیکھیے ذرا
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامِ یاب میں

انسردہ گو کہ رہتی ہے یہ خاطرِ ٹوٹند
بر راستِ بازوؤں سے ہمیشہ ہے بہرہ مند
حق گوئی سے زماں نہیں ہوتی کبھی ہے بند
ہم کچھ تو بد تھے ، جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں

آزارِ آسائے نے دیے کس قدر ہمیں
پہنچا خیالِ نفع میں ہر دم خیر ہمیں
امید کی تو شکل نہ آئی نظر ہمیں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پوری میں یاس ہے ، جو ہوس بھی شباب میں

بدنام عشق میں ہوئے ، عبرت ڈبو چکے
توقیر صب عزیز و اقارب کی کھو چکے
یہ داغ تو لگا ہے ، بس اب اس کو دھو چکے
بدنام میرے گریہ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا لگہ بے حجاب میں ؟

بہتر اس امر سے نہیں دلیا میں کوئی چیز
ہو صحتِ باغ و ساقیِ صحیح بدن ہو لیز

اس رمز کو وہ سمجھے ، جو ہو صاحبِ تمیز
فکرِ مال سے مے و شاہد رہے عزیز
پیری میں موت یاد تھی ، پیری شہاب میں

بجراوح ہی ہے بے خود و شذر ، دمِ وداع
سچ ہے کہ موت سے بھی ہے ہنر ، دمِ وداع
ہر بسوں بھی بے حواس نہ ہو کر ، دمِ وداع
ایہم سجود ہائے صنم ہر ، دمِ وداع
مومن! خدا کو بھول گئے ، اضطراب میں ؟

توجیع بند

در وفات میرزا اسد اللہ خان صاحب غالب مرحوم

کیوں نہ ویران ہو دیارِ سخن !
 مر گیا آج تاج دارِ سخن
 بلبُلِ خوش ترانہٴ معنی
 گلِ دلگیت و شاخِ سارِ سخن
 نعلِ بندِ حدیقلہٴ مضمون
 تازگی بخشِ لالہ زارِ سخن
 عرصہٴ نظم کیوں نہ ہو ویران
 ہے عیان کش وہ شہ سوارِ سخن
 کیوں نہ حرفوں کا ہو لباسِ سیاہ !
 ہے ضمیرِ مرگِ شہرِ سارِ سخن
 ساتھ ان کے کئی سخن سنجی
 ان کا مرقد ہی ہے سزارِ سخن
 اب یاری تھی جس سے ، وہ نہ رہا
 اب خزاں ہو گئی بہارِ سخن
 نقشہٴ پیرائیاں کہلاں ویسی
 اب یہ ہے نالہٴ ہائے زارِ سخن

رشدِ عشق و فخرِ طالبِ مرد

اسد اللہ خان غالبِ مرد

دھند گویا بھرا دھان میں تھا

کوسا مزا آپ کے بیان میں تھا

وصف اس کا یساں ہے باہر ہے

لفظ جو طبعِ نکتہ دان میں تھا

ہند میں رہ کے رشدِ ایران ہو

وصف حضرت کی جو زبان میں تھا

ہم تو خدمت میں آپ کی خوش تھے

چرخِ ہر فکسرِ امتحان میں تھا

سر پہ سایہ یونہی رہے گا سدا

دلِ لادان اسی دھیان میں تھا

قدرِ الدارِ چرخ نے چھوڑا

جانِ ستارِ تیر، جو کبان میں تھا

وہ ہی گلچینِ مرگ نے توڑا

پھول پکتا جو گلِ ستان میں تھا

ان کی روزِ وفات دہلی میں

یہی مذكورِ دوستان میں تھا

رشدِ عشق و فخرِ طالبِ مرد

اسد اللہ خان غالبِ مرد

تو نظم میں ہم سر
فوق تھا نثر میں ظہوری پر

اس کا ثانی کوئی نہ اس کا نظیر
ایک ہے ایک ہے غرض بہتر
کون تسکین نوازے خاطر ہو
سخت ہے چین ہے دل مضطر

ہار کرتے ہیں سر کی تلقین
ظلم ہے جانِ ناشکیا پر
آپ کے ہاؤں تو نہ چلتے تھے
طے یہ راہِ دراز کی کیوں کرا

آتشِ غم کی ہے بھڑک ویسی
کام آئے نہ اپنے دیدہ تر
اب تو دیدار کو دکھا دیجیے
میرے لالوں سے ہے یہاں عشر

کون جتا ہے اب کسی کی بات !
آج کل تو یہ شور ہے گھر گھر
رشکِ عرفی و خفیہ طالبِ مرد
اسد اللہ خان غالبِ مرد

اہلِ دہلی کی تھی بری تقدیر
جو اٹھا یاس سے ایسا با توقیر

ایسے پھر صاحبِ کمال کہاں ؟
ہے یہ فضل و ہنر کا دورِ اخیر

نظمِ اردو سے ٹپکی پڑتی ہے
وہ جو ہے طرزِ خاصِ حضرتِ میر

اور دیوانِ فارسی ان کا
فلکِ نظم کا ہے سارِ منیر
غزلِ فارسی میں ہے جو شعر
ہے نظیری کی فکر کا وہ نظیر

ان کی دوری میں دیکھ لے مجھ کو
جس نے دیکھی نہ غم کی ہو تصویر
اضطرابِ مدامِ بد ہے مگر
دل پہ قابو نہ ہو تو کیا تدبیر

باغِ فضل و ہنر کو خالی دیکھ
نالاہِ زنِ یوں ہے بلبلِ دل گیر
رشتہِ عسری و فخرِ طالبِ مرد
امدِ اللہ خانِ غالبِ مرد

اب کی شفقت جو پساد آتی ہے
چشمِ دوپائے خوب بہاتی ہے
کل نہ تھی جس جگہ کہ بے جاؤں
وہی جا اب تو کائے کہلاتی ہے

یوں تو مٹان ہے مکلفِ سارا
آہِ ہر شور و غل مچاتی ہے
بے قراری کا زور مت پوچھو
صبر کی دھجیاں اڑاتی ہے

کون آتا ہے ہر پر مشر حال ؟

ہاں غشی غم سے آتی جاتی ہے

ان کی دوری میں ہے یہ بدسزگی

کہ نہیں زیست اپنی بہاتی ہے

یہ انہیں کا سزار ہے شاید

یہاں سے کچھ ہوئے الفت آتی ہے

کان دھڑ کر جدھر سے سنتے ہیں

یہ لدا آ کے غم بڑھاتی ہے

رشتہ عسری و فطری طالب مرد

ابد اللہ خان غالب مرد

ایک جاں اور لاکھ کاہش غم

ایک دل اور ہزار ریخ و الم

ہاں ، دڑڈا ہو چشم طوفان ریز

آندو آنے لگے ہیں کیوں تھم تھم ؟

ہے ہر اک شہر اور قریے میں

اس عہدیم النظیر کا ماتم

روئے شادی کبھی نہ دیکھیں تھے

اپنے حرماتِ جاوداں کی قسم

جس پہ گزروے ، وہی یہ جانتا ہے

عسر ہجران ہے کس غضب کا سم

کہیں اس درد کا نہیں درساں

کہیں اس زخم کا نہیں مرہم

بد ہے دوری ، اگرچہ ہو دم بھر
زیر ہے زیر ، بیش ہو یا کم

مجھ سے پرساں ہے اس مصیبت کا !
مجھ کو معلوم کیا نہیں ؟ ہم دم !

رشتہ عرفی و فخری طالبِ مرد

اسد اللہ خان غالبِ مرد

جب کہ آنکھوں سے وہ نہاں ہو جائے

کیوں نہ دم سینے میں سناں ہو جائے !

چولک اٹھیں خوابِ مرگ سے حضرت

اس قدر شور اے فغاں ہو جائے

بلبلِ باغِ فضل ہے غاسول

چپ نہ کیوں مرغِ صبحِ خواں ہو جائے

مہرِ معنی ہے خاکِ میں ہنساں

کیوں نہ تاریک سب جہاں ہو جائے

جوش میں خونِ دل ہے ، ہاں اے غم !

ریزشِ چشمِ خوںِ فشاں ہو جائے

لبِ بہ رقی ہے آہِ چرخِ شکن

کہیں ٹکڑے نہ آہاں ہو جائے

نالہ ہو یا کہ آہ یا گریہ

آج ان سب کا استحاب ہو جائے

ہو تو چپ بیٹھنا نہیں اچھا

دلِ پر درد کچھ ایسا ہو جائے

رشدِ عرق و نضرِ طالبِ مرد
اسدِ اللہ خانِ غالبِ مرد

کون دیتا ہے یہاں کسی کی داد ؟
تم کیجے جاؤ نالہ و فریاد

کیا شریفوں کی قدر ہو اس کو ؟
آسمانِ جب کہ خود ہو سفلہ نہاد !

اس کو ہے اپنی کچ روئی سے کام
کوئی برہاد ہو کہ ہو آباد

کوئی استاد فن سے تو سے
ہے یہ جو و ستم میں خود استاد

انتقالِ جنابِ غالب نے
کر دیا خاتمِ ادبِ برہاد

ہلے ! جنگل میں اس کی قبر بنی
کاغذِ معنی کی جو کہ تھا بنیاد

اس کو خضرِ رہ سخن سمجھوں
ہے جو ان کی زبان کا ارشاد

ہوچھا یہ ساتھ جو یازوں نے
بولتا مجروح ہا دلِ لاشاد

رشدِ عرق و نضرِ طالبِ مرد
اسدِ اللہ خانِ غالبِ مرد

تھی جو ان کے مزاج میں تہذیب
وہ جہاں میں نہیں کسی کو نصیب

ان سے دیکھا کبھی نہ فعلِ عبت
اس سے آگاہ ہیں سب بعید و قریب

صلح کل کا رکھا تھا وہ برتاؤ
تھے وہ دشمن کی بھی نظر میں حبیب

تھی نہ اک بات لطف سے خالی
یہ بھی اک بات تھی عجیب و غریب

گفتگو میں عجب فصاحت تھی
ہوتے تھے جو جس کو سن کے ادیب

تھا ہر اک بات کا نیا انداز
ہر سخن کی تھی اک نئی ترکیب

خوش ہی جاتا تھا وہ ہر غم کی
تھے مگر آپ خوش دلی کے طیب

ان کا تابوت دیکھ ، یا حسرت
یہی کہتا تھا ہر امیر و غریب

رشکِ عسری و فخرِ طالبِ مرد
اسد اللہ خاں غائبِ طالبِ مرد

ان سا پیدا کہاں ہو ، گو سو بار
کہائے چکر یہ چرخِ کج رفتار

۱۔ لفظ ”بعید“ میں ”آگاہ“ ہے ۔ مرتب

نہی یہ مضمون کی درو راہی
 سک گویہ نہی کلک جادوکار

ان کی رنگینی عبارت سے
 صفحہ کالم کا ہے یہ از گلزار

اس کلام بلیغ کو دیکھو
 لفظ اندک میں معنی ہزار

حلم طبع سلیم میں وہ تھا
 چوٹی کو نہ جس سے تھا آزار

اسل دیتے ہو، آؤ مشتاقو!
 دیکھو حضرت کا آخری دیدار

کرد تابوت تھا ہجوم کثیر
 اہل ماتم میں تھی یہی گفتار

جو کہ جاتے تھے ہم وہ تابوت
 میں کہتے تھے وہ ہسکار ہسکار

رشتہ عرق و فخر طالب مرد
 اسد اللہ خان غالب مرد

در مناقب حضرت علی مرتضیٰ علی التحیۃ والسلام

ہے قدیمی یہ ہر اک اہل ہنر کا دشمن
 لہٰذا ہر روز الہاماً ہے آیا چرخِ کہن
 وہی صیادِ جفا پشہ کو حاضر کر دے
 زمزمہ منیرِ مسرت ہو جہابِ مرغِ چمن
 دیکھ سکتا نہیں یہ ایک شگفتہ خاطر
 لانے کل چیں کو، کھلا دیکھ کے سرین و سن
 یہ تو خوبانِ ہری و ش کو بھی رکھتا ہے بتنگ
 ان کی تنگیِ دہن میں ہے کسے جائے سخن ؟
 خالہ پرہادی یہ جس شخص کی ہائے یہ کمر
 ہو نہ وہ وادیِ ایمن میں بھی جا کر ایمن
 اس کی اک بات نہیں مکر و دغا سے خال
 دیکھ ہم قافیہ ، کرلا ہے چمن کو یہ دمن
 دہبہ یہ ایک نہ ایک اس کو لگاتا ہے ، اگر
 حسن پر ناز کرے ساہ رخِ سہمی تن
 ہو گئی سہر و محبت یہ جہاب سے مفقود
 کیا عجب خط میں نہ لکھے جو کوئی مشفقِ من

اس میں کسی طرح رکھے کوئی خوشی کی امید
نامِ اول ہی ہے جس کا ہو رکھا دارِ حق

دور میں اس کے نہیں چہنٹ کسی کو ملتا
ہاں کسی شخص کو مل جائے تو مل جائے کفن

بد ہے یہ لیک ہے اور لیک ہے بد ہے ، ظالم
اس زمانے کا تو ہر اک ہے لڑا ہے چلن

بسکہ یاروں میں ہے بیگانہ مزاجی کا اثر
برتر از شامِ عربی ہے مجھے صبحِ وطن

کیوں زمانے کا نہ ہو دستِ ستم مجھ پہ دراز !
مجھ میں اور اس میں ہمیشہ سے وہی ہے ان بن

ظلم کی اس کے ، وہاں جا کے ، کروں گا فرہاد
جس کا دروازہ ہے آفتِ زدگان کا مسکن

کوئی ، وہ سورِ خدا ، یعنی علیٰ اعلیٰ
سالکِ راہِ بقی ، سالکِ دیب ، شاہِ زمن

کاشفِ سرِ ازل ، واقفِ ادیان و ملل
مظہرِ عز و علا ، زہد و ورع کا معفن

گوہرِ درجِ شرف ، اخترِ برجِ رامت
مسکنِ جود و سخا ، لطف و عطا کا مخزن

مدحِ حاضر میں لکھوں مطلعِ رنگیں ایسا
چہ رہی من کے جسے زمزمہ سنجانِ چمن

مطلع

سعی کا جس کے ہو مشکور خداوندِ زمن
 کوئی جز ذاتِ مبارک ہے نہ چرخِ کہن
 آسماں بھی ہے ترا تابعِ فرمانِ مولا
 رجعتِ سہر کا ہونا ہے ہر اک ہر روشن
 شمع ساں کیوں نہیں اس رونے میں ہر شب جلتا
 روزِ خورشید کو رہتی ہے اسی کی تو جلن
 ان کے نزدیک ہے مہرے کا چلانا اک بات
 معجزہ ان کی ہے گفتار و کرامت ہے سخن
 اک نظر سے وہ کریں خاک کو اکسیر اثر
 سنگ ریزوں کو جو چاہیں تو بنے درِ عدن
 وان کی بخشش کا پہلا کیوں کہ محاسب ہو کوئی !
 کہ جہاں زر کی نہ ہو قدرِ ہلیرِ اوزن
 اللہ اللہ وہ حضرت کے سخن ہائے بلیغ
 سارے جس کے زبانِ فصحا ہے الکن
 ہو ترے بصرِ ہدایت کی روانی جس دم
 اہلِ زلزلہ سے ہو جانے وہی ترک وثن
 ملے کیا آپ نے یہ مرحلہ کس خوبی سے
 رو تسلیم و رضا ، جو کہ نہایت ہے کٹھن
 جو کہ ہیں سرور و سردارِ جوانانِ بہشت
 وہ تو حضرت ہی کے بیٹے ہیں : حسینؑ اور حسنؑ

حکم وہ سالر آزارِ ضعیفان ہوا
 ہر کنجشک نہ ہو باز کا بھر باز دین
 ہے یقیں آپ کے زورِ اسدالملکی سے
 ہو شکستہ درِ غیر کی طرح چرخِ کہن
 اکثر مہر سے ہو موم کی مانند وہ نرم
 فی المثل آپ کا دشمن ہو اگر روئیں تن
 سامنے آپ کے رستم کو ہو دہشت غالب
 ہاتھ سے چھوٹ بڑے تیغ ، یہ لرزائے ہو بدن
 درِ غیر تو ہے کیا ؟ قلعہٴ آپ گر جائے
 ہو سرا لالہٴ نکیر اگر قلعہٴ شکن
 احمدؑ و حیدرؑ و حسنینؑ و جنابِ زہراؑ
 الفضل و بہترِ عالم ہیں یہی پالہوے تن
 ان کی ہی ذاتِ مبارک ہے شفیعِ عالم
 پردہٴ ہوش اہلِ خطا کا ہے انہیں کا دامن
 زندگی میں جیسے جنت میں ہو رہنا منظور
 وہ نجف میں کرے آرام سے اپنا مسکن
 مدح ہو سکتی ہے مدوحِ خدا ہے کس کی ؟
 اب دعائے شہِ والا یہ کیا غم سخن
 تیرا اے ابرِ کرم ، اس کی طرف ہو جو گزر
 رشکِ گلشن ہو وہی ایضاً قدم سے گلشن
 آپ کے دوست کا ہو پایہٴ رفعت عالی
 اور عدو کے لیے تیار رہے دار و دامن

رباعیات

۱

جو ہے ، سو بہت ، سب سے عالی تو ہے
شاید صفات ذوالجلالی تو ہے
ناقص ہے ہر اک کمال تیرے آگے
سب کو ہے زوال ، لا یزال تو ہے

۲

ہاں سہر کے آگے نجمِ رعشاں کیا ہیں ؟
اور بحر میں قطرہ ہائے ہاراں کیا ہیں ؟
اللہ کی بخشش فراوان کے حضور
بندے کے قلیل سے یہ عصیاں کیا ہیں ؟

۳

یا رب تو گناہوں کو چھپانا میرے
اس حالِ زیوں پہ رحم کھانا میرے
عشر میں نہ ہوگی منہ دکھانے کی جگہ
جو میں نے کیا ، نہ منہ پہ نہ لانا میرے

۴

میں خاک تھا ، آدمی بنایا تو نے
اور عیبِ معاصی کو چھپایا تو نے

کیا شکر ادا کروں کرم کا تیرے ؟
اس کاہ کو کوہ کر دکھایا تو نے

۵

مجھ کو تو شب و روز کہانی ہے تری
اور رحم کی داستان سنانی ہے تری
مستوجب ناز ہوں ، خطا کے باعث
گر عفو کرے تو مہربانی ہے تری

۶

سب چلتے کو تیار ہیں ، قائم تو ہے
فانی ہے ہر اک اور دائم تو ہے
عصیان ہیں کہے ، امید بخش پہ تری
بے مذر کے بخشا کہہ راحم تو ہے

۷

رہبان کا ، قیس کا محبوب ہے تو
اور برہمن و شیخ کا سرغوب ہے تو
ہوں اہل کشت یا کہ اہل مسجد
ہر رنگ کے طالبوں کا مطلوب ہے تو

۸

موقوف ہے تجھ پہ داد خواہی میری
حرمت رکھ لیجیو ، الٹی میری
ہے تیرے ہی اہل مکرمت سے امید
دھو دے گا یہی نامہ جاہی میری

۹

اسباب ہیں ایسے کہ پراگندہ ہوں
اور شرمِ معاصی سے سراگندہ ہوں
یسا ازہرِ راحبتِ اکرم کی ہونگاہ
کو غرقِ گتہ ہوں پر قرا بندہ ہوں

۱۰

کامل جو ہوئے ہیں ، ان میں اکمل وہ ہے
فضل میں رسولؐ ، لیک الفضل وہ ہے
تھا اس کا ظہور نورِ پیش از آدمؑ
آخر جو ہوا ہے ، سب سے اول وہ ہے

۱۱

واصفِ ترا اے صاحبِ معراج ہوں میں
کیوں مدحِ سراؤں کا نہ سرتاج ہوں میں
کیا حال کروں عرض ، ہے اتنا کافی
جتنے کہ سخی آپ ہیں ، محتاج ہوں میں

۱۲

درگاہِ اسماءِ انس و جان کو دیکھا
اور طوافِ کائنات وہاں جہاں کو دیکھا
کی ہم نے زیارتِ ضریحِ اقدس
سو آج زمیں پہ آسماں کو دیکھا

۱۳

افسوس یہی جفا کے پانی ، پانی
اور پائے نہ فاطمہؑ کا جانی ، پانی

اللہ رہے تشنگی شاہِ مظلوم
تھا ذبح کے وقت آبِ ہمد : ہانی ہانی

۱۴

بچوں کو تھا یہ ضعف ، کہ رویا نہ گیا
اور غلبہ تشنگی سے سویا نہ گیا
ہانی ہمد لب شد کے نہ تر کرنے کا
دھبہ وہ لگا ہے کہ جو دھویا نہ گیا

۱۵

ہے ظلمِ یزید کی زمانے میں دھوم
اور صبرِ حسینؑ بھی ہے سب کو معلوم
القصہ جہاں کی ابتدا ہے اب تک
ایسا ظالم ہوا نہ ایسا مظلوم

۱۶

گو گردشِ دہر سے ہراکتدہ ہوں
اور فکرِ سال سے سرافگندہ ہوں
ہر غم نہیں ، دارین کے جو وہی مختار
ان بارہ ایروں کا میں اک بندہ ہوں

۱۷

جو نخل ہو خشک ، اس کا پھلنا کیا ہے ؟
دلہا ہی نہیں تو کلرِ دنیا کیا ہے ؟
پیدا ہوا گر کوئی تو ناپید کوئی
ہوتا دن رات ہمد بھاشا کیا ہے ؟

۱۸

دہ بھر نہیں چین ، آہ و زلری یہ ہے
 کھلتی نہیں آنکھ ، اشک باری یہ ہے
 جاں جائے تو جائے ، میں نہ جاؤں گی کبھی
 ہم سے تو قرارِ بے قراری یہ ہے

۱۹

کس مراتبہ تیز ہے ننگہ کی تلوار
 دو کرق ہے آدمی کو ، ہوتے ہی دوچار
 اس چشم بغیر اور دیکھا ہی نہیں
 بہار ، جو کر دے دوسرے کو بہار

۲۰

غیروں کے گھروں میں آنا جانا کیا ہے ؟
 عاشق کو نہ پوچھنا ، زمانا کیا ہے ؟
 ہر اک سے ہے خواہشِ دلی کی ہر سلی
 مجھ سے بھی تو پوچھیے : ”کتنا کیا ہے ؟“

۲۱

نخلِ ہوس و طمع کی اک شاخ ہوں میں
 جس کی کہ بنا سست ہے وہ کاخ ہوں میں
 ہر چند ندائے ’لن ترائی‘ ہے بلند
 چپ اس پہ نہیں ہوں ، کتنا گستاخ ہوں میں

۲۲

کویندہیں سب جہاں کے کاموں میں ہوں
 ہر دین کے معاملے میں خاموں میں ہوں

ہو چھیں گے جو حشر میں تو کہہ دوں گا یہی
میں آلِ رسولؐ کے غلاموں میں ہوں

۲۳

گاچے تو طریقِ حق بہ چلتا ہوں میں
کہ صورتِ خوب پر بھستتا ہوں میں
ہوں کامِ زنِ رہِ حیات ، لیکن اس طرح
کرنا ہوں کبھی ، کبھی سنبھلتا ہوں میں

۲۴

تحقیق کیا سب کو ، نہ چھوڑا کچھ بھی
ہر دل بہ اثر ہوا نہ اسلا کچھ بھی
آئندہ خاتمہ جہاں میں ہم نے
سب کچھ دیکھا ، مگر نہ دیکھا کچھ بھی

۲۵

کہتے ہیں کہ بس طالبِ زر ہیں ہم تو
ہر ایک کے منظورِ نظر ہیں ہم تو
میں نے کہا : ”دلبر ہو تو یوسہ بھی دو“
ہنس کر بولے کہ ”مفت ہر ہیں ہم تو ا“

۲۶

چلنے کا تو ہو کیا بہانہ تم کو
لتنہ ہے ہر اک طرح اٹھانا تم کو
جاتے ہو عدو کے ساتھ ، آگے سے مرے
بے آگ کے آگیا چلانا تم کو

۲۷

کھویا دلہا ہے ہشکاری نے مجھے
 شرمندہ کیا گناہگاری نے مجھے
 ہوں غوطہ زناں بحرِ خجالت میں سدا
 کچھ پاک کیا ہے شرمساری نے مجھے

۲۸

زور و بے روز ناتوانی میری
 بدتر پیری ہے جوانی میری
 دلہا میں بھنسا دیا، عدم ہے لا کر
 گزری زلداں میں زندگی میری

۲۹

کیا وضع، تواضع نے سنواری میری
 ہے قابلِ دہد لغزکاری میری
 کی جھک کے ہر اک ہے سر بلندی حاصل
 ہے گنچر مراد خاکِ ماوی میری

۳۰

محبوبِ جہاں تم کو کہا جاتا ہے
 حق کا کلمہ زبانِ ہم آ جاتا ہے
 کیا جان کو میری ہم بنا اور رقیب
 غش دیکھتے ہی تم کو جو آ جاتا ہے

۳۱

از بسکہ اذیتیں سدا پاتا ہے
 دل صدمہ ہجر ہے گھٹا جاتا ہے

اس کے آنے کا ذکر کیا ہے ہم دم
فرقت میں تو ہوش ہی نہیں آتا ہے

۳۲

ان کو تو کبھی ادھر کو آتا ہی نہیں
قسمت میں ہماری چین پاتا ہی نہیں
ہر اک کی ہود و باش کی مقرر ہے جا
ہر یار کے ظلم کا ٹھکانا ہی نہیں

۳۳

(رباعی مستزاد)

کے ان کی لڑکتوں کا ہانا مشکل	کیا کیجئے یہاں
سمجھے ہیں وہ پاؤں کا ہلانا مشکل	یہ تاب کہاں ا
لق ہو گیا رنگ، میں نے کل رو جو کہا	یعنی اُن کو
تشبیہ کا بار ہے الھانا مشکل	تازک ہے میان ا

قطعات

عرضِ دعائیہ بہ امامِ وقت

قدمِ رنجہ فرمائیے یا امام
کہ مشتاقِ دیدار ہیں سب غلام

دکھا دیجیے روئے غورشدِ قلب
کہ دل جل کے ہو دشمنوں کا کباب

رخِ عالم آرا عیاں کیجیے
جہاں کہن کو جوان کیجیے

عنایت ہو گر شاہِ اہرار کی
تو حسرت نکل جائے دیدار کی

عدو شاہِ دیب کا اثر دیکھ لی
یہ گمراہ ہیں ، راہِ ہر دیکھ لی

سرِ رشتہ دیب پہنچا ہوا
گستہ ہو اک تار ز تار ہو

اگر دیکھ لی شاہِ دیب کا چلن
تو کفار ہو جائیں خود بت شکن

جہاں جوڑ و پیادہ سے ہے بھرا
لوائے عدالت ہو پرچم کشا

وہ تیسرے دوسرے جلد چمکائے
رہ لار اعداء کو دکھلائے

وہ گردِ سپہ اہرِ خون ریز ہو
صدا کوس کی صورت انگیز ہو

عدو سوز ہو تیسرے آتش نشان
چکر دوز ہو تیسرے پہلو نشان

سراگت ہو گرزِ ہلارک شکن
گلو گیر ہو دار و گیرِ ہزن

عدو دیکھ لے اقتدارِ علیؑ
چمک جائے پھر ذوالفقارِ علیؑ

جلو ریز ہو اشہبِ خوشِ حرام
ہس و پیش ہوں شاہِ دیں کے غلام

صہب شاہ کے غرم و شاد ہوں
عدو دل میں جل جل کے برباد ہوں

ملوں پائے آندس پہ کیا ہے حجاب
مری آنکھ گھر ہو بجائے رکاب

سواری کی میں عز و شان دیکھ لوں
جلو میں ملایک رواں دیکھ لوں

اگر آپ کا لطف و اسداد ہو
ہے ویران کوہِ خوب آباد ہو

تسوق ہے حضرت کے الطاف سے
کہ تھر ہو جہاں عدل و انصاف سے

جہاں میں گزارا ہو کس طور ہے
کہ تاریک ہے ظلمتِ جور ہے

ہیں اب ہو ظہورِ شہنشاہِ دیں
کہ ہوں غم و شاد سب مومنین

سر و تن پہ بھروح کے ہر زمان
تمھارے ولا کا رہے سائبان

تاریخِ دیوانِ غالب

ز غم ہیں کہ آشفتمہ سامانِ شدم
چو زلفِ مسلسل پریشان شدم

ہم سرگشتگی شد چنانم مدار
کہ گردم لالہ دہ کوئے یار

ہم صد درد و غم مبتلا می کند
ستم پیشہ گردوں چہا می کند

نہ در دل قرار و نہ در مہنہ قیام
چو ظاہر ز چشم پرید است خواب

ہم باغ اندر آیم اگر در بہار
پریشان شوم از نوائے ہزار

غم افشردہ در ہم سراپائے من
دوہخ از دلِ حسرت آلائے من

شکو ہم چوریزم بود لاکوار
 بہ میرم بر این عمر ناخوش گزار
 ازین اشک و خسارہ فرسائی من
 فرو رخت ، چون شمع ، اجزائی من
 بلے جوش اہر سیلاب ریز
 کند خائہ کہنہ را ریز ریز
 فلک تا کجا خستہ دل دارم
 حذر کن ازین خاطر آزارم
 میفرائی غم ہائے دہرینہ را
 بیب سینہ درد گنجینہ را
 فغان سنج بودم ، بدین گوئہ دوش
 کہ تا کہ بہ من گفت فرخ سروش
 کہ غم گین و آزرده چندین مہاش
 چہ افسردہ ہیچ شغلے تراش
 فرو خوان و بر گیر آب نامہ را
 کہ وصفی کہر زا کند خامہ را
 درین روزگار سعادت قرین
 شد انعام آب نسخہ دل شین
 چہ خوش کردہ کلک فصاحت نشان
 چمن ہندی گلشن بے خزان
 بہ نظمیں نظر بر کسی انداختہ
 کہن نام ہا را پس انداختہ

ہر اوچر خرد سار لو تافتہ
ریاضِ سخن سرو تو ہافتہ

نصاحت ازو ہایہ* خود نژود
بلاغت بہ دو چشم روشن نمود

چوب آب ناسہ* مغز درہانم
ز باغِ ارم تازہ تر یافتم

زینندگل میر باید شکیب
کہ دیدہ چنین نقشِ مانی فریب

چنان کاغذ معنی سرا فراختہ
کہ سرخِ تصور پسرائناختہ

ایا اے خردمند ہالودہ مغز
یا و یس ایی سخن ہائے لغز

طلسم معانی ست ایی کارگاہ
نیاید دروہ پیکِ الدیشہ را

بہر جا کہ ذکرِ مے و ساغر است
تو کوئی رواں موج از کوثر است

چنانش اثر مے ہرستی کند
کہ یسندہ مے ہادہ مستی کند

عنانِ خرد را ز کف دادہ
اگر مردِ دالا و آزادہ

ہیں ایی سخن ہائے ناباب را
کہ از سینہ بیروہ برد تاب را

ز جوشِ صفا گشته آئینہ زار
ازو عکسِ معنی شود آشکار

کجا نظمِ انجم بدیہ ہمسر است
مر* ابی نظم را ہایہ دیگر است

بہ جان ہر کس این نظم را طالب است
مگر ناظمش حضرتِ غالب است

ز چے غالب ، آن صاحبِ عقل و رائے
فراست قضائے ، غواشِ کشائے

نجستہ صفات و قرشتہ سرشت
بہ خونے خوش خویش خرم بہشت

خرد کردہ زینِ گونه بادیِ خطاب
کہ اے چرخِ اندیشہ را آفتاب

لہ بودہ بدیہ سائب عیارِ سخن
تو افزودۂ اعتبارِ سخن

چہ سر ہر زد از طبعِ سحر آفریں
کلامِ متیبِ نسخہ و دل نشیں

از اب ہستہ شد با تو بہابِ علم
کہ ظاہر شود ہر ہمہ شائبِ علم

اگر سرخِ معنی ست عرشِ آشیان
کند تیرِ فکرتِ بہابِ جہا نشان

* نسخہٴ "وحد ہی" "مرا" ہے ۔ مراب

لو قفلِ خرد را کلید آمدی
به آسانِ دریں جا پدید آمدی

چو شهوا ببالانِ رنگینِ خیال
ترجمِ سربانِ شیرینِ مقال
بهم گشته یک جا خرابان شوند
براهِ سخنِ گرم جولان شوند

به مانند گم کرده ره اندران
نمایند هرگز ز منزل نشان
چو کلکِ تو خضرِ ره شای شود
درازیِ منزل به پایان شود

ز چه خوانِ معنی که بنهاده
برو عالم را صلا داده
نظیری ازو زلف برداشته
فلهوری بر آب خوان نظر داشته

ز وحدت کسائی که دم می زند
به راهِ حقیقت قدم می زند
ببایند نزدیک این حق گزین
بخوانند اسرارِ علم و یتیم

مئے وحدتِ حق چنان نوش کرد
که از ما سوا الله نرا نوش کرد
ازان می که او زان سیوا کشید
ز تم جرمه اش مست شد بپایزد

ز حکمت بجائے کہ سرگرد حرف
ہنشتہ ہے ، نکتہ ہائے شگوف

چناب رازِ سرہنہ اش را کشاد
کہ روحِ فلاطون شود شاد شاد
ارسطوست طفلِ دہستانِ او
شدہ عقلِ اولِ ثنا خوانِ او

نہ مدحت گری چون سنی را سزا است
اگر انوری می کند خود بجا است
محرور ہستم را ملا ہے کند
ہیں ، چشمِ فیض چہا ہے کند

زہر سو سرا چشم ، دل سوئے اوست
کہ این ذرہ را آفتاب آرزوست
خرد گر ز وصف سخن گستر است
جبابِ لشکِ روکشِ سرعراست

چنان بہ گزوم اندر این راہِ لشک
رہ انجام را ہائے آسہ بہ سنگ
نشد چو رہ وصف ہایان پذیر
ستوہ آمدم اندر این تا گزیر

میش چو بہ تاریخ بردا ختم
بدیں بیت خاطر نشان ساختم
کہ امے شاہدِ رازِ وا نقش ہست
ہگو نظمِ سنجیدہ و دل ہست

ز سازندہ نقشِ خورشید و ماه
طرازندہ این کہن کارگاہ

دعایم ہمیں است صبح و سہا
کہ این لفظِ نغز و دانش نوا

بر اوجِ سخنِ سہا تابندہ باد
فروزندہ چشمِ یبندہ باد

قطعہ در مدح حکیم عبدالمجید خان صاحب

ہیں جو عبدالمجید خان صاحب
خانِ ذی شان ، حکیم لائانی

وہ کہ بقرابطہ سانسے جس کے
طے کرے زانوئے سبقِ خوانی

وہ ، کہ جن کو معلمِ اول
خط میں القاب لکھے : لائانی

وہ ، کہ دانش میں جس کو عقلِ نخست
اپنا سجھے ہے ہم در جانی

مبدعِ فیض نے عنایت سے
ذہنِ عالی کیا ہے ارزانی

عقلِ فعال کی مدد ہے کہ ہے
عقل و دانش کی یہ فراوانی

وہ دنیائی اصولِ حکمت کے
ہو فلاحوں کو جن میں حیرانی

طبعِ دراکِ ان کی اک دم میں
حلِ انہیں کرتی ہے یہ آسانی
ہیں جو گزرے اجلہٗ حکماء
اس میں اکثر ہوئے ہیں ہونانی

ان کی اب ہند میں یہ دھوم ہوئی
جس سے یونان پر بھرا ہائی
ہوتا ہر عہد میں ہے اک کامل
اب بھی ہیں حکیم گیلانی

عرضِ سنبل اپنے سداوا ہے
اس کو بچش سے ہے پریشانی
علم و حلم و تواضع و اخلاق
ان مہولوں میں ہیں آپ لائانی

کیوں توجہ نہ ہو ضعیفوں پر
ذرے میں سہرے سے رخشانی
دے کے مفلس کو شہرتِ دینار
دفع کرتے ہیں دردِ روحانی

سب مریضانِ حاضرینِ مطب
ہیں سبقِ خوانِ طبِ آسانی
سانے پٹھنا ہے چپ آکر
شیخ نے قدر ان کی پہچانی

میں پھر ایسے طبیبِ حادثی سے
 کیوں نہ رکھوں امیدِ دوائی
 اب سرا حالِ زار بھی سنئے
 ضعف کی ہو گئی فراوانی
 میرا معدہ، کہ جو ہے نہرِ بدن
 اس کا پگڑا رباح سے ہائی
 کیجئے تدبیرِ نہر، تا جلدی
 کم ہو بھرِ مرض کی طغیانی
 تقویت بخیرِ قلب دیجئے دوا
 تا رہے قوتِ ثنائی

قطعه: دیگر عطیہ خطاب از جانب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند

میں عبد مجید خانِ ذی شان
 حکمت کے فتوے میں لائقِ ملک
 ہے ان کا رویہ راست بازی
 زیبا ہے جو کہے صادقِ ملک
 دربارِ شہی سے اب الہوں نے
 پایا ہے خطاب: حادثی ملک
 جو کچھ الہیں کہتے وہ بجا ہے
 ہیں علم و ہنر میں فائقِ ملک

۴ سال خطب کی یہ تاریخ :
بھراط زمان و حادثی ملک

۱۳۱۵ ہجری

تاریخ وفات میر اشرف علی صاحب

میر اشرف علی ، دہلی زاد
در ہمارے زہدہ جامہ گذاشت

چوں کہ در غربت التماس نمود
شد غریب الوطن سنہ وفات

۱۳۰۸ ہجری

قطعہ مسجد نور علاقہ گوالیار

بشیرالدین احمد خاں کہ دارند
طریق زہد و تقویٰ در جوانی

بنا کردند اہم مسجد یہ نور
سہ دکان وقف آب کردند دانی

ہکو بھروج تاروش بر آہد
دوبارہ کعبہ ثانی بخوانی

۱۳۱۶ ہجری

تاریخ وفات فخر الدین خاں صاحب

خانِ والا لڑا ، فخر الدین
کو زمر دے نہا ، پڑا

سالِ رحلت بگفت ہاتھِ غیب :
اے ترا غلہ بادِ ماوائے

۱۳۱۱ ہجری

تاریخ مسجد تعمیر کردہ جناب حکیم سلیم خاں صاحب المتخلص بہ خستہ جے پوری

خانِ ذی شان و حکیمِ بے بدل
ہو ، حضرتِ عتہٗ جسمِ مرقد

ذہنِ ان کا جوہرِ دانشِ فروغ
فہمِ ان کا گوہرِ بینشِ فزاد

باتِ ان کی شائعِ علم و ادب
ذاتِ ان کی مصدرِ جود و سخا

ان کی طہیتِ سیدہٗ عقل و خرد
ان کی فطرتِ ہماہٗ فہم و ذکا

ہائے محنت ، آئے گو کیا سقیم
ان کا دروازہ ہے ہا دارالشفاء

ہے یہاں درکار اک لفظ لوہس
ڈھونڈیے کس کو ارسطو کے سوا ؟

حاذق میں کب کوئی ان کا نظیر
کس کو کہتے ہیں فلاطون دوسرا ؟

اس کے لسخوں سے مرے اکثر مریض
باب ، ادھر آیا ادھر اچھا ہوا

ہں کہ 'جویا' ہے طبیعت خیر کی
کچھ نہیں ہے کام نیکی کے سوا

طیر والا کو جوان اہام میں
شوق کچھ تعمیر مسجد کا ہوا

جس کی خوبی و لطافت دیکھ کر
کہتے ہیں کتروسیاں : "سلر علیٰ"

اہل حاجت دیکھ آثار اثر
کہے سے آئے یہاں بہر دعا

شب کو اندیشے میں مجھ کو دیکھ کر
باقی بھی نے یہ مجھ سے کہا :

"لکر ہے تارخ مسجد کی اگر
کہہ : عبادت خالصہ عالی ہنہ"

تاریخ وفات جناب مولوی سلیم الدین خان صاحب نارتولی

فاضل پکتا سلیم دانتہ قریت ہدی

حیف کہ او زین جہان رفت بسوئے عدم

چونکہ وحید زمان بود ذواکثر علوم

منتخب دہر شد سال وفاتش رقم

۱۳۰۱ ہجری

قطعه " تاریخ دیوان میرزا مضطر صاحب

مضطر عالی ہم کا ہے عجب رنگیں کلام

لعل کو بھی جس کی رنگینی ہے ہم سنی نہیں

سال اس کے طبع دیوان کا یہ ہاتف نے کہا :

"نظم رنگیں دیکھ ، جس میں ہائے بے رنگی نہیں !"

۱۳۱۰ ہجری

قطعه " تاریخ دیوان جناب نواب احمد علی خان صاحب بہادر

برادر نواب وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک

طبع نواب سخن سخن ، بہار فطرت

فلک نظم ہے ہے سہر ہر الوار سخن

کون ، وہ شاعر ہے مثل ، جناب رونق

جس کی ہے صوت قلم ہلہل گلزار سخن

راہ مضمون و مضامین کے ہوئے ہیں رہبر
 کیوں نہ آواز ہو اب منزل دشوار سخن ا
 ربہ ہر ایک نے آپس میں ہے پہچان لیا
 اس کا خواہاں ہے سخن ، وہ ہے طلب گار سخن
 علم و حکمت کی ہے وہ ذات مبارک نقطہ
 گرد کیوں اس کے نہ بھرتی رہے پرکار سخن ا
 ہو سر فراختہ کس طرح نہ قصر معنی
 جب کہ وہ فکر رسا خود رہے معیار سخن
 اک نظر ہی میں پرکھتا ہے کورے کھوئے کو
 اس کا ذہن خرد الہیہ ہے معیار سخن
 آبیاری سے مدد دیتی ہے وہ طیر لطیف
 سبز و شاداب نہ کیوں کر ہو چمن زار سخن ا
 کر دے بے پوش حقیقت سیوکش کو ابھی
 جرہ انشاں ہو اگر ساغر سرشار سخن
 سچ تو یہ ہے کہ بجز ذات معلی القاب
 اس زمانے میں نہیں کوئی خریدار سخن
 شور ایسا ہے کلام تکمیل کا کہ جسے
 ڈھونڈتے بھرتے ہیں ہر جا یہ طلب گار سخن
 دیکھ لے آپ کا دیوان فصاحت عنوان
 جس نے دیکھا نہ ہو گنجینہ اسرار سخن
 شعر رنگین ہے ہا معدن لعل و ہاقوت ؟
 سطر ہے ہا کہ ہے ملک در شہوار سخن ؟

باغِ اشعار میں گل ہائے معانی دیکھو
 چمنِ نظم میں بھولا ہے سن زارِ سخن
 دیکھو اشعارِ دل آویز کی شہرینی کو
 آفریں سنج ہوئے لعلِ شکر بارِ سخن
 آگے اس نظم کے ہے لالِ زبانِ فصحا
 کس کو قدوت ہے کہ آئے نئے اظہارِ سخن ؟
 اس کے حرفوں کے خم و بیچ کا انداز تو دیکھو
 رخِ قرطاس بہ ہے کاکلیِ خمِ داورِ سخن
 طبعِ دیوان کی اس واسطے موجھی تدبیر
 تاکہ اس دہر میں باقی رہے آثارِ سخن
 چہب کے تیار جو وہ نسخہٴ ذیاب ہوا
 دل سے خواہاں ہوا ہر ایک خریدارِ سخن
 دیکھو مجروح نے اس نظمِ گراں سایہ کو
 کہی تاریخ : بہ ہے رولِ بازارِ سخن

۱۳۰۷ ہجری

قطعہ در تہنیت تولدِ فرزندِ ارجمند
 مہاراجہ منگل سنگھ صاحبِ بہادر والیِ الور

یہ دن بھی ہے عجب روزِ مبارک
 کہ عشرتِ سنج پر فردِ بشر ہے
 یہ ہے جوشِ طرب و افسان تو کیا
 خوشی سے وجد میں دیوار و در ہے

نوا سچ چمٹ ہے سرخ گلشن
چمن میں شاہدِ گل جلوہ گر ہے

حریفِ بادلہ کش پیرِ مغان سے
طلبِ کارِ مئے پُر شور و شر ہے

مغان کہتا ہے اس سے یہ ہنسی سے
کہ ”کل آنا، مجھے خواہش اگر ہے“

وہ کہتا ہے کہ ”اے پیرِ طریقت !
کسے اتنا بھروسہ زیست پر ہے ؟“

نہیں آزاد کرتے فکرِ لردا
ہلا دے آج ہی ، مے جس قدر ہے

تجھے یہ بھی نہیں معلوم شاید
کہ یہ دن کس قدر فرحت اثر ہے

ہوا اختر وہ طالع ، جس کا ہر تو
ضیا بخشر رخِ شمس و قمر ہے

وہ آرامِ دل و آسائشِ جاں
وہ نورِ دیدہ و لعلِ جگر ہے

وہ لعلِ نورِ سرِ گلزارِ حشت
وہ بحرِ فیض کا روشن گہر ہے

لہ کیوں اس کے تولد کی ہو یہ دھوم
وہ کس ذی قدر کا نورِ نظر ہے !

سہاراجہ وہ منگل منگل صاحب
جہاں میں منہر جو لاسور ہے

وہ ذی سطوت کہ جسیت کے باعث
جلالت بخش افرادِ بشر ہے

وہ عالی شان کہ والا ہائی میں
مکندو منزل و قیصر اثر ہے

اگرچہ انقلابِ آسمان ہے
ہر اک شے کی گرانی بیش تر ہے

مگر دستِ عطا بخشِ مہاراج
ہوا گنجینہ الثانی اس قدر ہے

ذرا تم شہرِ الود کو تو دیکھو
کہ ارزاں سب سے نرخِ سیم و زر ہے

وہ پکتا اشج و باذل ہے ایسا
کہ جس کا حاتم و رستم کو ڈر ہے

ہے اس کے عہد میں امن و امان عام
ملازمِ خوش ، رعیت بے خطر ہے

کھلے دروازے سوتا ہے ہر اک شخص
نکہ بابِ انتظامِ دادگر ہے

نہیں ہے طاقتِ مدحتِ طرازی
دعا پر یہ کلامِ اب مختصر ہے

مبارک ہو مہاراجہ یہ یا رب !
یہ شادی ، جس کا التاکثر و امر ہے

تاریخ وفات جناب نواب ضیاء الدین خان صاحب بہادر متخلص بہ نیر

شہرِ دہلی کو تفوق تھا انہیں باتوں سے
کہ نظر آتے تھے ہر فن کے جہاں اہلِ کمال

محفلِ شعریٰ تھی صدرِ لشیون میں یہی
حائبِ سحرِ یاق ، شیفہٴ نغزِ مقال

سلاوی علوی و صہبائی و ذوق و مومن
ان میں ہر ایک سخنِ سنج تھا بے مثلِ مثال

ٹھوڑے ہی عرصے میں ویرانِ کدۂ دنیا سے
راہیِ ملکِ عدم ہو گئے یہ نیکِ خصال

ان میں سے ایک یہ تھے حضرت نیر باقی
آہ ! ان کے لیے بھی آگیا پیمانہٴ زوال

باندہ پٹائے اجل ہو گئے سرمستِ سخن
اب نہ وہ ہزیم نہ وہ حاقِ خورشیدِ جہاں

سے کسدہ ہو گیا منہاں ، پڑے ہیں ہر سو
نورے بھوٹے کہیں ساغر تو کہیں جامِ سفال

”اب وہ باقی نہ رہی رولقِ شہرِ دہلی“

۱۳۰۲ ہجری

پیر تاریخِ یہ کیا خوب ہے ہاتفِ کا مقال

قطعہ "تاریخ انتقال مرزا غالب

کل حسرت و التوس میں میں ہا دل محزون
 تھا تربت استاد ہم بیٹھا ہوا غم ناک
 دیکھا جو مجھے لکڑ میں تاریخ کی بھروج
 ہاتھ نے کہا : "کنج معانی ہے تم خاک"

۱۲۸۵ ہجری

تاریخ تزویج حکیم محمد رشید خاں صاحب خلف حکیم غلام نبی خاں صاحب

آن صاحب عالی منزلت ، عبدالرشید محترم
 می دارد او در فن طب از ہم سر خود یورتی
 چون شد ذہنی ایام ہما تزویج آن والا ہم
 تاریخ آن گفتہ خسرد : اجاع سہر و شتری

۱۳۱۶ ہجری

قطعہ "تاریخ باغ حاذق الملک جناب عبدالمجید خاں صاحب

واہ کیا باغ ہے یہ باغ کہ جس میں شب و روز
 تازگی رہتی ہے بدل کی طرح چھانی ہوئی

۱۔ نسخہ "وحید میں منہ ندارد ہے ۔ مرتب

تعمید سے کسی مجروح نے اس کی تاریخ :
باغِ محمود میں ہے بادِ بہار آئی ہوئی

۱۲۱۵ ہجری^۱

قطعہ^۲ تاریخ دیوانِ سید ظہیر الدین صاحب المتخلص بہ ظہیر دہلوی

سخنِ منیر بکشا ، جنابِ ظہیر
کہ ہے ذاتِ ان کی امانِ سخن
فصحِ اللسان و عظیمِ النظیر
فزاہدہ عز و شانِ سخن
دقائقِ کشا ہے وہ طبعِ سلیم
نہ ہو کیوں کہ ظاہر نہایتِ سخن
وہ دیوانِ دلکب میں ہے ہر لعل
زمیں جس کی ہے آہانِ سخن
قطعہ^۲ تعریفِ قلم^۳

نہیں کلک ، ہے بلبلِ خوش بکشا
لہرِ سرائے امانِ سخن
کورے طے نہ کیوں عرصہ^۴ نظم کو
وہ ہے تشبہ^۵ خوش عثمانِ سخن

۱۔ نسخہ^۱ وحید میں سنہ ندارد ہے۔ مرآب

۲۔ نسخہ^۲ وحید میں یہ غنی سرخی ندارد ہے۔ مرآب

اسی سے تو ہیں صیدِ معنی شکار
 ہیں ہے خدنگِ کبابِ سخن
 نہ کیوں قدر ہائے جو ہر دم کہے
 مرا سر ہے اور آستانِ سخن
 اے حال اس کا ہے وردِ زباں
 ہیں تو ہے گویا زبانِ سخن
 ہے خواہ بندش میں کیا دلکشی
 اسی کو تو کہتے ہیں جانِ سخن
 بھلا ہو سکے کیا کوئی لقب زن
 ہے طبعِ متیب ہاسبانِ سخن
 ہے لکثیرِ معنی یہ اشعار میں
 بجا ہے جو کہے جہانِ سخن
 وہ گل ہائے الوانِ اشعار ہیں
 بھرا جن سے ہے بوستانِ سخن
 نہ کیوں زور دکھلائے فکرِ میں
 وہ ہے رستمِ ہفت خوانِ سخن
 یہ دیوانِ ہوا طبع اس واسطے
 کہہ دیکھیں اے قدر دانِ سخن
 وہ سرخوش ہوں اس ہادۂ لب سے
 کدھر ہیں کدھر سے کشانِ سخن

۱۔ اصل لفظ میں یہ مصرع یوں ہے :
 ”یہ دیوان طبع ہوا اس واسطے“ مرتب

ہے سالی تاریخ بھروج نے
کہا: ”ہے جی گل ستانِ سخن

۱۲۱۶ ہجری

— — —

قطعہ ”تاریخ دیوانِ میر امرا و میرزا صاحب المتخلص
بہ انور برادرِ خورد سید ظہیر الدین صاحب ظہیر

شاعرِ آہاں خیالِ انور
سب میں گلِ حس کی ہے طلاق کا

ان کا دیوان صفائے معنی سے
بھرِ ذخار ہے سلامت کا

ہیں جو اشعار ”در نثار اس میں
ان کا کیا وصف ہو لطافت کا

شورش افزائیِ مخلصی نے
رنگ پہنکا کیا قیامت کا

کم ہیں الفاظ اور بہت مضمون
کیا برتاؤ ہے بلاغت کا

ان کی فکرِ مشین سے الحق
رہیم افزوں ہوا مشانت کا

تھی تلاشِ معانی تازہ
شوقِ جدت سے تھا نہایت کا

ہے ہر اک شعر میں کیا مضمون
 کیا ٹھکانا ہے اس ذہانت کا
 طبع اس واسطے ہوا دیوان
 ماحصل اس کی ہے یہ نہ حسرت کا
 ہوگی اہل مذاق کی دعوت
 تا سزا پائی اس حلاوت کا
 جسے تاریخ یوں لدا آئی
 ہے غزنیہ بھی فصاحت کا

۱۳۱۶ ہجری

قطعہ "تاریخ وفات جناب نواب محمد علی
 خان صاحب مرحوم"، رئیس جہانگیر آباد

رہے امیر محمد علی یہ خراب مشہور
 کہ "بد عقل و فہم و ذکی و خوش تقریر
 بہ فیض ہذل و عطا بود در زمانہ عمر
 بہ نظم و نثر سخن بود بے عدیل و نظیر
 ہزار حیف کہ آن قدر دان اہل سخن
 بسوئے ملک بقا شد از لب سرا رہگیر
 اپنے سنیں وفاتش غم بہ من فرمود
 بگوئے: "رقت ز دنیا امیر این امیر!"

۱۳۱۷ ہجری

تاریخِ بناءِ مکانِ عالی جنابِ حکیم غلام رضا خاں صاحب

غلام رضا خاں ، اوسطوئے عہد

مکاتِ بناء کرد پس جان فزا

عیانِ گشتہ تاریخِ تعمیرِ او

بہ فروغِ مکات و مبارکِ بناء

۱۳۱۳ ہجری

تقریظ از زمزمہ سنجی۔ بلبل گلستانِ معانی ،
گل۔ سر سبدِ سخن دانی عالی جناب نواب معلی القاب
سید خاقان حسین خاں صاحب عارف دہلوی

بسم الله الرحمن الرحيم

مشاطہ را ہگو کہ ہر اسبابِ حسنِ یار
چیزے نژوہ کند کہ کماشا بما رسید

سنائشِ داور جہاں آفرین و نعتِ حضرت ختمِ المرسلین میرے
لیے ذریعہٴ عزت بلکہ سرمایہٴ فخر و سعادت ہے مگر وہاں ذہنِ رما
معترف بقصورِ یہاں قوتِ لاطفہٴ معذور۔ خیر ، اب کچھ اور نکارش
کرتا ہوں ، یعنی مدعاۓ ضروری الانظار گزارش کرتا ہوں۔ کیوں ،
اے سخنِ ورنِ انصاف ہیشہ ! یہ اردوئے معلیٰ ، جو دلی کی زبان
ہے ، اس کی بھی کیا شان ہے ! آنہدگر نے اسے کیا سرمایہ دیا ہے
کہ شیرینی میں فارسی کے ہم ہایہ کیا ہے۔ نثر میں اور ہی رنگ ،
لظم میں اور ہی ڈھنگ۔ ہزاروں اسی کے صدقے میں صاحبِ نام و
لشان ہو گئے ، کہنے کو اہلِ زبان ہو گئے۔ بہت کچھ خاکِ اڑائی
مگر یہ بات نہ آئی۔ سچ یہ ہے کہ شاہدِ دلفریب سخنِ ایک
نکارِ ہری پیکر ہے ، دلی والوں کا اندازِ بیان اس کی آرایش کے لیے
زیور ہے۔ اردو ان ہی کے حصے میں آئی ہے ، یہ دولت انہوں نے
سبدِ فیاض سے ہائی ہے۔ میں گو لطفِ شعر و سخن سے بیگانہ ہوں

مگر میرے دعوے پر حجت یہ دیوان ہے جس کے حسنِ بیان کا دیوانہ ہوں۔ مجھ کو لاز تھا کہ دیوانِ حضرت غالب کا جواب نہیں، یا ایں ہمہ کہ وہ کوئی آسانی کتاب نہیں۔ مگر میرے دعوے کو اس دیوان نے باطل کیا، مجھے میرے منہ قائل کیا۔ آسانِ معنی گستری کا قمر یہ ہی ہے، نخلِ مراد کا مگر یہی ہے۔ زبان کی شیرینی، بیان کی رنگینی؛ بندش کی غویں، ترکیبِ الفاظ کی خوش اسلوبی؛ غزلوں کی فصاحت، قصیدوں کی بلاغت۔ کیا کیا کہوں؟ لوگوں کو خیال گزرے گا کہ عارف خوشامد شاعر ہے۔ غیر گزرد۔ میں اعلانِ کلمۃ الحق سے کیوں باز رہوں؟ کچھ میری ہی خصوصیت نہیں بلکہ سب اہلِ مذاق، جو شاہدِ دل فریبِ سخن پر نظر ہیں، ہر وقت اس کلام کے خواستگار ہیں۔ صاحبو! جب اس گلستانِ فصاحت کا چمن آرا اور اس خیابانِ بلاغت کا حلیقہ پیرا وہ سخن در بے مثال اور سخن سنجِ نازک خیال ہو جس کے حسنِ گفتار سے گلستانِ معانی زینت پائے، جس کی رنگینیِ کلام سے باغِ ارم شرمائے، پھر کسی کو اس مدحِ سرائی پر کھول حیرت آئے؟ شبستانِ معانی کی آرائش، نگارِ سخن کے حسن کی افزائش وابستہ جس ذات سے ہے وہ عبارت اس والا صفات سے ہے جو مہرِ مہرِ سخن گستری ہے، جو ساءِ منیرِ آسانِ معنی پروری ہے؛ جس کی طبع عالی فرمانِ روانے کشورِ لاسزک خیالی۔ چشمِ بد دورا وہ شہِ سوارِ عرصہ، لکھ دانی، وہ پکھ تازِ میدانِ جادو بیانی، وہ کون! میرے کرم فرما، خلائق کے مدوح، جنابِ میرِ سہدی حسین صاحبِ مجروح۔

شعر:

زبانِ ہم ہمارِ خدایا یہ کسی کا نام آیا
کہ میرے لطف نے ہوئے مری زبان کے لیے ا

ہاں اے سخن ورنہ خرد پشہ اور اے معنی پرور! دست
الہدیشہ اس سفینہٴ اشعار کے ظہور کی نوید اور اس دیوانِ فصاحت
عنوان کے فراہم آنے کا مژدہ ! غور کیجئے کہ طبع ہونا اس دیوان کا
کیوں کر غنیمت نہ سمجھا جائے اور کس طرح شکرِ فراہمی ادا نہ
کیا جائے ؟ جن کی آنکھیں حسنِ معانی کی خواہاں رہتی ہیں وہ شاہدانِ
تغافلِ پشہ کی طرف نظر نہیں کرتے ، اور جن کے دماغِ گلستانِ سخن
کی بُو کے مشتاق رہتے ہیں وہ ریاحینِ باغِ اوم کا دم نہیں بھرتے۔
وہاں فلک پر حضرتِ رضوان کو آرایشِ بہارستانِ غلد کی خدمت
عطا ہوئی ، یہاں زمین پر جنابِ میرِ الفضل علی عرفِ میرن صاحب کو
اس حدیقہٴ سخن کی ترتیب کا خیال آیا ۔ گویا تائیدِ خدا ہوئی ۔
ہمارے میرن صاحب بھی ماساء اللہ آزاد منشی متجملہٴ کملائے جہاں
ہیں ، خوش مُخو ، لیک کردار اور مریخ و مریجان ہیں اور جو کس
آوازِ خوش رکھتے ہیں ، سوزِ خوانی میں لاثانی ہیں ۔ ہمارے ایک عرصے
کے بعد یہ کام انجام پذیر ہوا ، یعنی محنتِ شبِا روزی کے بعد یہ دفترِ
گراں ماہہ اختتام پذیر ہوا ۔ ادھر دیوان کی زلیور طبع سے آرایشِ ہوتی
ادھر مجھ پر تقریظ نگاری کی فرمائش ہوئی ۔ عذر و معذرتِ خلافِ
آئینِ دوستی سمجھ کر خاموش ہو رہا ، کچھ کہہ نہ سکا ، تعمیلِ
ارشاد کیجئے ہی بنی ۔ ناچار جو کچھ لکھا گیا وہ لکھا ۔ شعر :

مختونِ کلوشِ مژہ و نیشترِ نیم
دلِ سوچِ خونِ ز دردِ خدا داد می زلد

اللہ ہی ، باقی ہوں ۔

نگارشِ خاقانِ حسینِ عارفِ دہلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ ریختہ کلک گویہر سلک نواب اکبر میرزا صاحب
متخلص بہ سید خلف نواب معین الدولہ ، سید حسین
میرزا صاحب شاگرد مولانا مجروح و حضرت حالی
مدظلہم العالی

اللہ ! حضرت مجروح کا دیوان ہے یا بجائے خود ایک جہان
ہے جس کی غزلوں کی زمینیں آسمانوں سے ہاتیں کرتی ہیں ، رفت
مضامین کے سامنے کوہ ہالہ و سوا لک کی چوٹیاں ہانی بھرتی ہیں ۔
جا بجا بھر پائے شگفتہ رواں ہیں ، در پائے گنگ و جمن^۲ میں یہ
غویاں کہاں ہیں ! ہر بیابان خیاباں ہے اور ہر خیاباں رشک گلستان
ہے ۔ ذرے ذرے سے ہر لہو ”سہر لیم روز“^۳ و ”سہ لیم ماہ“^۴ کا اثر
آشکار ہے ۔ ایک ایک مطلع مطلع انوار ہے ، بیاض بین السطور ہے یا
”اردوئے معلیٰ“^۵ کا بازار ہے ۔ ”ہنج آہنگ“^۶ کی خوشہ چینی نے ہزار
رنگ اور ہر رنگ میں نوالا ڈھنگ دکھایا ہے ۔ ”درفشانی میں“^۷ ابر
گہر بار ”^۸ صنایع ہدایع میں بھر ذخار ۔ جہاں ذکر آرایش باغ ہے
اس کے دیکھنے سے ”روشن آرا“^۹ ”سربندی“^{۱۰} کے دل پر داغ ہے ۔

(۱) : ہندوستان کے دو مشہور پہاڑ ہیں ۔

(۲) : ہندوستان کے دو مشہور دریا ہیں ۔

(۳ تا ۵) : ”سہر لیم روز“ ، ”سہ لیم ماہ“ ، ”اردوئے معلیٰ“ ، ”ہنج آہنگ“ ،

ابر گہر بار حضرت ریختہ غالب کی تصانیف کی طرف اشارہ ہے ۔

اردو بازار دہلی کا مشہور بازار بھی ہے ۔ گئیے زمانے میں

مولانا مجروح اسی بازار میں رہتے تھے ۔

(۸ تا ۹) : ”روشن آرا“ اور ”سربندی“ دہلی کے وہ مشہور باغ ہیں جو

کسی زمانے میں بہت آراستہ تھے ۔

جس صفحے پر دشت و ایمانات کی تصویر ہے وہ بیکانیر و جہلمیر کی نظیر ہے ، جس مقام پر سردی کا ذکر ہے وہ خطہ کشمیر یا کراہ زسہریر ہے ۔ جس جگہ ہنگامہ گومر گفتار ہے اس کے مشاہدے سے کراہ ناز کی زبان پر و قسا رہنا عذاباً ناز ہے ، جس بیت میں (۱) کی باتیں ہیں وہ رشک خانہ غار ہے ۔ کہیں منصور انا الحق گویاں برسر دار ہے کہیں لا الہ الا اللہ کی ہکار ہے ۔ اس مرقعہ دل کش میں اگر کسی صورت سے وصف استقام آیا ہے گویا ہار دگر بیت الحرم کو بیت العظم بنایا ہے ۔ جس موقع پر شکوہ اسلام دکھائی ہے اور توحید کا دم بھرا ہے معلوم ہوتا ہے سومات ہر عمود غزلوی حملے کر رہا ہے ۔ یہ سحر یانی و جادو نگاری مشاہدہ بہ معجزات و کرامات ہے ، رات کو دن اور دن کو رات بنا دینا ان کے نزدیک کتنی بڑی بات ہے ! ایک نگاہ میں مار ڈالتا ، دو باتوں میں جلا دینا اعجازِ مسیحائی نہیں تو اور کیا ہے ؟ اس کو سحر و جادو کہنا نا روا ہے ۔ نالوں سے آسمانوں کو غربال کر دیں ، اشکوں کی ندیوں سے زمین کو ڈبو دیں ۔ ہنسی تو کھسار کے برابر پھولوں کے انبار لگا دیں ، جس زمین پر گھاس کا پٹھا نہ اگتا ہو وہاں سایہ دار درختوں کی قطار لگا دیں ۔ بزم آرائی کا ذرا سا خیال اگر آ جائے تو راجا اندر کا اکھاڑا چھٹی نظر آ جائے ۔ دمر تھویر رزم سلنے آئیں تو رستم و اسفندیار بھی منہ کی کھائیں ۔ دربا کو کوزے میں بند کر دینا اور کوزے کو چاہ بنا لینا ۔ کاه و کھربا کا میل ، آہن و مقناطیس کا کھیل دکھانا ، نے کو اشہب باد رفتار اور آندھی کو اس کے پچھلے سموں کا غبار ٹھہرا سیاں عباس حسینؑ کا بازچہؑ طفلان ہے ۔ یہاں ہمہ افراط و تفریط

۱۔ اصل نسخے میں یہاں کوئی لفظ چھپنے سے رہ گیا ہے ۔

۲۔ یہ حضرت مجروح کے خورد سال صاحب زادتے ہیں ۔

نہ رقی پھر بیالغ نہ ماشہ پھر جھوٹ ۔ جو کچھ منہ سے کہا وہی آنکھوں سے دکھا دیا ۔ جس کو چشم بصیرت نہ ہو وہ چند روز حکیم ہذا صاحب کی گلی میں جا کر رہے ، اپنی آنکھوں کا علاج کر لئے ۔

گر نہ ہند بہ روز شہرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گشا ؟

ہمارا کیا منہ ہے کہ اس شاعر عظیم الحال اور اس کے کمال کی تعریف کر سکیں ۔ اگر میر تقی میر زندہ ہوتے تو اس زبان کی داد دیتے ۔ یہ اگر ثانی میر نہیں تو اول کو میر ثانی کہیے بغیر کوئی تدبیر نہیں ۔ سبحان اللہ ! عجب زبان ہے ۔ الفاظ شستہ ، بندشیں پاکیزہ ؛ استعارے خوش نما ، اشارے کتنے دل ربا ۔ نظم میں نثر کا سزا ، نثر میں نظم کا تہر تو ۔ غصاں دہلی کے محاورات ، شریفانہ معاملات ، ظریفانہ حرف و حکایات ۔ باتوں میں نکات و نکات میں حکمت ۔ طبیعت میں حدت و حدت میں جدت ۔ فغاں میں شور و شور میں زور ۔ تشبیہیں تام ، تائید کا ذکر نہ کر سکتے کا تام ۔ غزل میں میر تقی میر کے ہم دم ، قصیدے میں حضرت غالب کے قدم بہ قدم ۔ صفائی زبان و سامان ہندی کے بانی مہاتمی ، مثنوی میں میر حسن ثانی ۔ بیان میں درد ، طبیعت میں سوز ۔ جنس گراں بھائے مضامین کے مثل سیرزا رفیع السودا خریدار ، متاع سخن کے امین نہ مثل اہلئے روزگار دکان دار ۔ تمام کلام عیوب شاعری سے پاک و صاف ، طبیعت میں الصاف ۔ نہ کسی پر رشک نہ کسی سے حسد ، تائید غیبی و مولا کی سدد پر قانع ۔ حرف و لکھ چینی کو لالغ سخن کے قلدردان ، کھرے کھوٹے کی پہچان ۔ خذ ما صفا و داع ما کدر ہر سراسر عمل ،

فنِ شعر کا ہر مسئلہ لایہل خدا کے فضل سے اسی وقت حل - جگت استاد ؛ فردوسِ آشیان ، جنتِ مکان ؛ خلد آرام گاہ ، فلکِ ہزارگاہ ؛ سلیمان حشم ، ملائکِ خدم ؛ ظہوری ظہور و نظیری نظیر ؛ رشکِ عرف و طالب ، نواب نجم الدولہ ، دبیر الملک ، میرزا اسد اللہ خاں غالب مغفور کے شاگردِ رشید ، ان کا مثل ، ان کی نظیر دید نہ شنید ۔

دہلی خوبیِ زبان میں ہندوستان کی جان ہے اور یہ لوگ دہلی کا دین و ایمان ہیں ۔ ان کے معاصرین کے قلم نامی لکھنے کو اور فنِ شعر میں ان کی دست گاہ یاف کرنے کے لیے ایک چٹا کانسہ تذکرہ چاہیے ۔ مختصر یہ ہے کہ اگر کسی اور شاعر کو ایسے ہاکال ہم عصر ہاتھ آتے تو وہ اپنے کمال کی بے قدری پر کبھی متاسف نہ ہوتا ۔ ان کے ساتھی ایسے تھے کہ جن پر یہ خود سناڑاں ہیں ۔ اس وقت میں ایک اسی فن کے صاحبِ کمال دہلی میں نہ تھے بلکہ علی ، فضلا ، شعرا سے دہلی بھری ہوئی تھی ہر فن کے صاحبِ کمال سے شاہِ جہاں آباد ، آباد تھا ۔ اس مجمعے کی پریشانی پر لوحہ خوانی کو اب فقط خواجہ الطاف حسین خاں حالی اور نواب میرزا خاں داغ اور یہ خود بدولت رہ گئے ہیں یا حضرت ظہیر باقی ہیں ۔ اللہ بس ، باقی ہوس ۔ فقط ۔

شکر گزاری :- سچ یہ ہے میر مہدی حسین صاحب مجروح کے کلام کی حفاظت و جمع کرنے میں جو سعی و کوشش میر افضل علی صاحب عرف میرن صاحب نے فرمائی اس کا احسان چشمِ لاطرین پر تا قیامت رہے گا ۔ ہندو درگاہ تو ان کو چھارم کا حصہ دار کہے گا ۔

قطعاتِ تاریخِ طبعِ دیوانِ مجروحِ معرووف بہ مظهرِ معانی
بہ ترتیبِ حروفِ تہجی

قطعهٴ تاریخ از نتیجہٴ طبعِ عالی جناب لیاض احمد صاحب
امیرِ چہنچہانوی تلمیذِ جناب امیرِ مہنائی

تعالیٰ اللہ ! عجب لکھا ہے دیوان
ہی اب مجروح کیا ہے مثلِ شاعر
لکھا امیر ہے میں نے مصرعہٴ سال
سخت ہے ہے چہا ، ہے مثلِ شاعر

۱۸۹۸

قطعهٴ تاریخِ طبعِ دیوانِ مجروح از تصنیفِ عالی صاحب

مجروح آنکہ نامِ سلفِ زائدہ ازو
ذاتش بود غنیمتِ کبریٰ دریں زمان
دہلی کہ بود کانِ پتر ، معلوفِ کمال
امروز از کمالِ لیاں در و نشاب
جمعے کہ داشت سر بہ فلک از وجودِ شاب
راندلند سوئے جتِ ماویٰ یکاب یکاب

دالآنکه مانند اند از آب جگر یادگار
 لیک می زند اجل را زساب زساب
 غالب برقت و لیت و آزرده رفت و ذوق
 مومن به رفت و حرق و عارف از میاب
 رفتند و بجای خود همه خالی گذاشتند
 کسی برخواست تا بنشیند بجای شایب
 مجروح سالد است از آب قوم یادگار
 یا رب! بدار از بدد و رانش در اسباب
 کا این عندلیب قصه می خواند از بهار
 و این گل خبر می دهد از عهد گلستان
 دیوان او که ریخته را دور آخر است
 خوش می زند صلابه برفان نکته داب
 کلبه نه که وا گذاشته میر و میرزاست
 می بخشش به هر جگر تشنه راهکار
 القصه چاپ گشته و از آب شد آب مشاع
 کالرا بنقد عمر خریدن نمی توان
 حالی اگر کسی ز تو تاریخ پرورش
 گو: نظم دلفریب بود سال طبع آب

لطمہٗ تاریخ از زمزمہ سنجی ببلر ہندوستان ، مغرب الغالان ،
 استاد السلطان ، نواب لصیح الملک بہادر
 حضرت داغ دہلوی

میرے دیوان کی تاریخ کہو ، پھر دیکھو
 مجھ کو آیا یہ محبت سے پیام مجروح
 میں نے دیکھا تو دعا دی : یہ سخن ہو مقبول
 ایک ناس سے زبانوں پہ ہو نام مجروح
 میر و غالب کی بہت طرز ہے مٹی جلتی
 کیوں نہ ہو ؟ کیا ہے وطن ، کیا ہے مقام مجروح
 داغ ہسل نے یہ تاریخ کہی ہرجسہ :
 ہانے کیا شوخ چہا آج کلام مجروح
 ۱۳۱۶ ہجری

لطمہٗ تاریخ ریختہ ، کلک گوہر ملک نواب اکبر میرزا صاحب
 متخلص بہ سید نواب معین الدولہ سید حسین میرزا صاحب
 شاگرد مولانا مجروح و حضرت حالی مدظلہم العالی

چو رفت از جہاں غالب نکتہ ور
 ز مہدی^۱ روای گشت نگار سخن

۱۔ آپ کا اسم مبارک میر مہدی حسین ہے ۔

بهی است مهدی سوعود نظم
 که نازد باو روزگار سخن
 یا و بهستان فکرش بهی
 کوان تا کوان سبز زار سخن
 عیان گشته معنی ، چو از شیشه مل
 ز به شاعر حق گزار سخن
 به دیوان او گر به بینند باز
 دل آویز نقش و نگار سخن
 کنندش همه نقش بندان چینی
 بعد شوق خود را کنار سخن
 بسا و بدلی بساموز فن
 که گویند این را دیار سخن
 ز مجروح زنده است نام هنر
 خزانست زلف پس بهار سخن
 ازین پس بنامد اگر نام نظم
 همه ننگ نظم است و عار سخن
 نمائده بهر نام از نظم و اثر
 بجای نمائده قرار سخن
 چو الفاظ انگلیس مخلوط شد
 قرار سخن شد قرار سخن
 ز سید چه برسی ازین داستان ا
 که هست از ازل سوگوار سخن

ایضاً

ہے دیوانِ مجنون خیز بھراج
جنوب الگیز مثل غلطہ نجد
چو غرقِ فکر سال طبع گشتم
غشی ہم گشت طاری بر سر وجد

۱۳۱۰

۶

۱۳۱۶ ہجری

ایضاً

چو از بھر سالش شدم غرقِ فکر
کہ را ہم سخن ہم برائے سخن
سروشے بہ من از سر قدر گفت
کہ سید بگو منتہائے سخن

۱۳۱۶ - ۱۳۱۶ ہجری

ایضاً

چو دیوانِ بھروج گردید طبع
خودش کرد آن را درست و صحیح
خرد ہے شش و پنج تاریخِ طبع
بگفتا کلامِ بلخ و فصیح

۱۳۱۶ ہجری

ایضاً

وہ کلامِ میر سہدی ہے جو ہے غزلی معانی
جو ہے سعدیِ جواہر ، نہیں لقم جس سے خوش تر

ہوا چھپ کے جب کہ شایع، ہوئی فکر سال سب کو
کہا دل نے مجھ سے لکھ دے کہ ہے گلشنِ سخن ور

۱۳۱۶ ہجری

الطبع: 'تاریخ از منشی اودھم سنگھ صاحب سردار امرت سوری
شاگرد حضرت جلال لکھنوی

حضرت بھروج کا دیوانِ اول چھپ گیا
ہیذا دیوان ۱ جس پر خود سخن کو ناز ہے
دیکھ کر اس کو بھی کہتے ہیں اے سردار سب
سحر ہے تسخیر یا انسوت ہے کہ اعجاز ہے ا

۱۸۹۸ء

الطبع: 'تاریخ از نتیجہ' طبر عالی جناب داروغہ سرفراز حسین صاحب
دکسِ دہلی

مطبوع ہوا کلام بھروج
خوبی میں نہیں ہے جس کا ثانی
طراویہ کیا جو فکرِ تاریخ
موزوں ہوا مظہرِ معانی

۱۳۱۶ ہجری

لطیفہ "تاریخ از نتیجہ" فکر طبع عالی ، طوطی شکرستانِ خوش مقامی ،
ہمارے ملک شہر ہاری ، جناب سید ظہیر الدین
صاحب ظہیر دہلوی

ہوا میر صاحب کا جب طبع دیوان
حمد اللہ بھولا بولا باغِ بھروج
شکستہ ہیں کیا کیا رباعینِ مضمون
عجب ہے عجب خوش نما باغِ بھروج
ظہیر اس کی تاریخ کی فکر جب کی
ہکارا یہ ہاتھ : کھلا باغِ بھروج

۱۳۱۶ ہجری

لطیفہ "تاریخ از نتیجہ" فکر جناب محمد وجاہت حسین صاحب
وجاہت صدیقی جہنجاہلوی تلمیذِ لصبیح الملک
حضرت داغ دہلوی

حقیقت میں بھروج صاحب کا ثانی
نہیں ہے کوئی زار چرخِ کھن اب
وجاہت نے لکھا ہے سالِ اشاعت
کہ چمکا ہے یہ آفتابِ سخن اب

۱۳۱۶ ہجری

لطمہ' تاریخ از نتیجہ' فکر جناب سید دلاور حسین صاحب

لکھنؤی المتخلص بہ واصل

چو دیوان کہ پر سرورِ او ہے کہاں
بھمن و ہلطف معانی است جفت
میانِ سوادش ، بہ پر مصرعی
معیف ہے آپِ عیوانِ نہفت
بہ زیند جوہر شناسانِ لطم
کہ لاطم چھا 'دور' معنی ہفت
بہ نصیر نفیس ، چو بادِ صبا
ہمہ خار و غاشاک زینِ باغ رفت
بتاریخ طبعش سرور سے ز غیب
غزل ہائے با آبِ مجروح ، گفت

۱۳۱۶ ہجری

ابھّا

چھپ کے تیار ہوا جب دیوان
طلبوں کو تھا جو دل سے مطلوب
پھر تاریخ یہ بولا ہاتھ :
لکھ دے ہے ہاک ، کلامِ مرغوب

۲۳ - ۱۳۱۶ ہجری

ابھّا

شوق تھا جس کا ایک عالم کو
با دلِ خوش یہ اس کی ہے تاریخ

نقاد احمد وہ کتاب چھٹی
 نظم مجروح لا جواب چھٹی

۱۳۱۶ ہجری

قطعه: تاریخ دیوان از مصنف مجروح

کہاں ہیں صاحبانِ شوق کیا اس نظم کو دیکھیں
 سراسر ذکر اس میں ہے وفا و مہر و الفت کا
 مجھے مجروح لکرو سال میں دیکھا تو ہاتھ نے
 کہا ہے ساختہ : شعلہ ہے یہ شمعِ محبت کا

۱۳۱۶ ہجری

